شرفا کی نگری

حصہ دوئم

سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی

ناشر: نظامی اکیڈمی کراچی

بسم اللہ الرحمان الرحیم

شرفا کی نگری

تذکرہ صوفیاء، علما وسلاطین بہار
حصہ دوم

سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی

ناشر: نظامی اکیڈمی کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: شفا کی نگری حصہ دوم

مصنف: سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی

کمپوزنگ: محمد ثاقب جاوید

ناشر: نظامی اکیڈمی کراچی

پرنٹر: قریشی آرٹ پریس

ضخامت: ۳ صفحات

تاریخ اشاعت اول: اپریل ۲۰۰۴ء / صفر ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

مکان نمبر ۴۲۴، بلاک نمبر ۱۴۔ نصیر آباد

فیڈرل "بی" ایریا۔ کراچی۔ ۷۵۹۵۰

فون نمبر: ۶۳۴۷۵۶۶

میں اپنی کتاب

شرفا کی نگری

پیرو مرشد حضرت مولانا سید شاہ محمد مصطفےٰ حسن قادری شطاری الفردوسی علیہ الرحمۃ

والد بزرگوار حضرت سید نظام الدین احمد علیہ الرحمۃ

اور

والدہ محترمہ بی بی صالحہ خاتون مرحومہ

کے نام منسوب کرتا ہوں

﴿ربّنا تقبّل منّا انّک انت السمیع العلیم﴾

قارئین کرام سے ایک گذارش
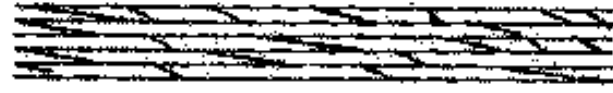
بسم اللہ کے ساتھ سورۃ الاخلاص

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَمۡ یَلِدۡ ۝ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۝ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

تین بار پڑھ کر ناچیز سید قیام الدین کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں
اور جزائے خیر حاصل کریں۔

خادمین دربار عالیہ

قاسم نسبت قمر الاولیاء نجم الصدیق ضیاء العارفین سیدنا میاں محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز

قادری، چشتی، ابوالعلائی، جہانگیری، شکوری

احمد نگر، سمہ سٹہ، بہاول پور

0333-5113273

"میں اس گروہ سے وابستہ ہوں جو سلف کو برا بھلا نہیں کہتا۔ نہ گناہ کی وجہ سے کسی کی تکفیر کرتا ہے۔ اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہے۔"

(امام ابو حنیفہؒ)

"جو کوئی شریعت کی پیروی میں جتنا زیادہ راسخ ہے، اتنا ہی خوش خلق زیادہ ہے اور جو جتنا خوش خلق زیادہ ہے، بارگاہ خداوند تعالیٰ کا محبوب زیادہ ہے۔"

(شرفِ بہاریؒ)

"اگر مرشد حاضر نہ باشد مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری مطالعہ کند تا فریبِ نفس و وسواس خنّاس دریابد۔"

(محمد غوث گوالیاریؒ)

غزل نعت شریف

از حضرت مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادیؒ

حیران تیرے حسن کا ہر پیرو جواں ہے
خالق بھی بنا کر تجھے تجھ کو نگراں ہے

عاشق ہیں تیرے جن و بشر حور وملائک
یہ حسن خدا ہے کہ تیرے رخ سے عیاں ہے

اللہ کا محبوب ہے تو اے شہِ خوباں
انصاف کر یوسف کا جمال ایسا کہاں ہے

مردان خدا نے کئے دل چاک تجھے دیکھ
اور انگلیاں جو کاٹیں تھیں وہ فعل زنان ہے

ہے شور ملاحت کا تیرے ارض و سماں میں
اور صیت صباحت بھی کراں تا بکراں ہے

ہے اہل کبائر کے لئے تیری شفاعت
اس بات کا تو صاف حدیثوں میں بیاں ہے

فہرست مضامین

حدیث قدسی

مفہوم

اے ابن آدم! ایک میری چاہت ہے اور ایک تیری چاہت ہے۔ ہوگا تو وہی جو میری چاہت ہے۔ پس اگر تو نے سپرد کر دیا اپنے کو اس کے جو میری چاہت ہے تو وہ بھی میں تجھے دے دوں گا جو تیری چاہت ہے۔

اگر تو نے مخالفت کی اس کی جو میری چاہت ہے تو میں تھکا دوں گا تجھ کو اس میں جو تیری چاہت ہے پھر وہی ہوگا جو میری چاہت ہے۔

سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی

پیش لفظ

اللہ جل شانہ اور حضور نبی کریم ﷺ کے فضل و کرم سے میری کتاب ''شرفا کی نگری'' حصہ دوم قارئین کرام کے پیش خدمت ہے۔ بلاشبہ حصہ اول کی طباعت کے بعد ایک طویل عرصہ آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ مواد تو میرے پاس اُس وقت بھی (۱۹۹۵ء میں) موجود تھا جب حصہ اول شائع کیا گیا تھا۔ اور پھر مسودے کی تیاری میں بھی زیادہ وقت نہیں لگا۔ بلکہ ۱۹۹۸ء سے مسودہ تیار پڑا رہا۔ سرمایے اور وسائل کی کمی سد راہ رہی۔ اور طباعت کے کام کی ابتدا دیر سے ہوئی۔ جیسے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے موقع فراہم کیا آپ کے تقاضے کے مطابق فرمائش پوری کردی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ آپ کے ذوق مطالعہ کے ذریعے میری ہمت افزائی ہوتی رہے گی۔

''شرفا کی نگری'' حصہ دوم کا موضوع بھی وہی ہے جو حصہ اول کا تھا۔ اس کتاب میں تقریباً چالیس (۴۰) صوفیائے کرام کے ساتھ سولہ (۱۶) علمائے کرام اور چار (۴) سلاطین و حکمران کا ذکر خیر بھی ہے۔ اس لیے اس کو آپ تذکرہ صوفیا علما و سلاطین بہار بھی کہہ سکتے ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ قارئین کرام فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر ہر طبقے کے صوفیا و علما کے کارناموں اور ان کے علم و حکمت سے متمتع ہوں۔ ان کی بے لوث خدمات، پر خلوص کاوشوں اور جذبہ قربانی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی اجتہادی لغزشوں اور چوک کو نظر انداز کریں اور ان کے حق میں دعائے خیر کے کلمات ادا کریں۔ صرف انبیائے کرام کی ذات معصوم ہے۔ ان کے علاوہ دنیا کے ہر انسان سے لغزشوں اور غلطیوں کا صدور ممکن ہے۔ اس لیے کسی غوث، قطب، ابدال، مخدوم، داعی، مبلغ، مجتہد، پیر، فقیر، صوفی، قاضی یا مصنف کے اجتہادی غلطیوں یا بشری کوتاہیوں یا اسلام دشمن سازشوں کی بنا پر ان سے نفرت کرنا یا ان پر کفر کے فتوے لگانا اور ان سے بدعقیدہ ہونا، ناجائز ہی نہیں بلکہ ناانصافی اور ظلم ہے۔

جس طرح انبیائے کرام غلطیوں سے پاک اور معصوم ہیں، اسی طرح آج دنیا میں صرف اور صرف ایک کتاب قرآن مجید فرقان حمید مکمل ہے اور ہر قسم کی غلطیوں اور خامیوں سے پاک ہے۔ اس لیے ''شرفا کی نگری'' حصہ دوم میں موجود خامیوں کا بھی برملا اقرار کرتا ہوں اور قارئین کرام سے گزارش کرتا ہوں کہ میری کوتاہیوں اور غلطیوں سے مجھے ضرور آگاہ کریں۔

اس موقع پر میں استاد محترم سید محمد حسن رضا دائروی مدظلہ، خواجہ اظہر حسن، برادرم خواجہ سید مختار احمد چشتی، عزیزم سید محمد عالم اشرفی، برادرم مہتاب حسین عسکری فردوسی اور جناب شاہ محمد سلیم فردوسی کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جنھوں نے اپنے مشوروں سے میری ہمت افزائی فرمائی۔ برادرم سید شاہ محمد باقر فردوسی سلمہ اور اپنے چھوٹے بھائی عزیزی سید احتشام الدین ارشد سلمہ کے مالی معاونت کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

کتاب کے فاضل تبصرہ نگاروں جناب ڈاکٹر طاہر مسعود صاحب، جناب ادیب سہیل صاحب اور جناب محمد تنزیل الصدیقی الحسینی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں، جنھوں نے اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر میری اس کاوش کو بنظر غائر مطالعہ کیا اور اپنی آرا کو قرطاس ابیض پر منتقل فرمایا۔

قارئین کرام! میری خواہش ہے کہ ''شرفا کی نگری'' حصہ سوم جلد از جلد آپ کے ہاتھوں میں ہو۔ اس سلسلے میں آپ کی دعاؤں، معلومات اور تجربات سے تعاون درکار ہے۔

ڈاکٹر طاہر مسعود

کچھ اس کتاب کے بارے میں

اردو زبان کا دامن تذکروں سے مالا مال ہے خواہ وہ صوفیاء، علماء و مشائخ کے تذکرے ہوں یا ادباء اور شعراء کے۔ ان تذکروں نے ہزارہا صوفیوں، شاعروں اور ادیبوں کے حالات کو صفحۂ قرطاس پہ محفوظ کر دیا۔ اگر یہ تذکرے نہ لکھے جاتے تو ہماری مذہبی، ادبی اور علمی تاریخ ان گنت شخصیات اور برگزیدہ ہستیوں کی بابت قیمتی معلومات سے کوری رہ جاتی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تذکرہ نگاری تاریخ نویسی کا ایک بنیادی مآخذ ہے۔

سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی دورِ حاضر کے ایک ایسے تذکرہ نگار ہیں جنہوں نے صوبہ بہار کے صوفیوں اور علماء کے تذکروں کو محفوظ کرنے کو اپنا مقصدِ زندگی بنایا ہے اور جو نہایت سنجیدگی اور انہماک سے سالہا سال سے اس موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں ان کی کتاب "شرفا کی نگری" منظر عام پہ آئی تھی جس میں انہوں نے صوبہ بہار کے پچاس سے زائد صوفیوں کے حالاتِ زندگی اور نسب نامے محفوظ کر دیے تھے۔ اس کتاب کو مذہبی اور علمی حلقوں میں بہت پذیرائی ملی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کتاب فروخت ہو گئی۔ سید قیام الدین نے اس عرصے میں اپنا تحقیقی کام جاری رکھا اور نو دس سال کے عرصے میں "شرفا کی نگری" کا دوسرا حصہ تیار کر دیا۔ اس حصے میں صوبہ بہار کے چالیس صوفیاءِ کرام، سولہ علماءِ کرام اور چار سلاطین کے حالاتِ زندگی قلم بند کیے گئے ہیں۔ یہ تذکرہ محض ان برگزیدہ ہستیوں اور مشاہیر کے حالات پر ہی مشتمل نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے صوبہ بہار کی روحانی اور علمی زندگی کی تاریخ بھی قلم بند ہو گئی ہے۔

صوبہ بہار ہمیشہ سے ایک مردم خیز خطہ رہا ہے۔ اس خطے سے ادب، تصوف، مذہب اور سیاست و حکمرانی کے میدان میں ایسی شخصیات اٹھتی رہی ہیں جنہوں نے اپنے کارناموں سے اپنا ہی نہیں اس صوبے کا نام بھی روشن کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ گوتم بدھ کو نروان بھی اسی صوبے میں ملا تھا اور حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ کی تعلیمات جو عشقِ الٰہی میں گم ہونے والوں کے لیے آج بھی مشعل راہ ہیں، اسی خطے میں عام ہوئی تھیں۔ حضرت سید احمد بریلویؒ کی تحریک جہاد کے لیے مجاہدین بھی اسی سرزمین سے میسر آئے تھے۔ سید سلیمان ندویؒ اور مناظر احسن گیلانی جیسے نامور محقق و عالم دین بھی اسی صوبے کی مٹی سے اٹھے تھے اور شیر شاہ سوری جیسا انتظامی قابلیت رکھنے والا حکمراں اور عطاء اللہ شاہ بخاری جیسا شعلہ بیاں خطیب بھی اسی دھرتی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ تو محض چند نام ہیں ورنہ سید قیام الدین کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ اس سرزمین نے رشد و ہدایت کے میدان میں کیسے کیسے لعل و گہر پیدا کیے۔ حقیقت یہ ہے کہ زیر نظر کتاب صوبہ بہار ہی کی نہیں علم و تحقیق کی ایک بہت بڑی خدمت ہے جو عشق، لگن، محنت اور انہماک کے بغیر انجام نہیں دی جا سکتی تھی۔

"شرفا کی نگری" میں سیکھنے اور سمجھنے والوں کے لیے بے شمار سبق پوشیدہ ہیں۔ جس طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے اسی طرح آدمی کو آدمی ہی بناتا ہے۔ اور بنانے کے لیے آدمی میسر نہ ہوں تو اس کے حالاتِ زندگی، اس کی پاکیزہ اور بے داغ سیرت، اس کے کردار

کے روشن پہلو اپنا فیض پڑھنے والوں تک منتقل کرتے ہیں۔ اس کتاب میں جن بزرگوں کا تذکرہ ہے ان کی زندگیاں بے نفسی، للّٰہیت، انسان دوستی، ہمدردی و ایثار، خدمتِ خلق اور احساسِ بندگی سے عبارت ہیں۔ انہیں پڑھ کر روح کی پیاس بجھتی ہے۔ انسانی کردار و عمل کے ایسے بہترین نمونے سامنے آتے ہیں جن کی تقلید کی خواہش دل میں ابھرتی ہے۔ ان برگزیدہ ہستیوں کے حالاتِ زندگی کے مطالعے سے ہماری معلومات میں اضافہ ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے کہ تصوف و شریعت کے آداب و قوانین کی پابندی سے انسانی سیرت کتنی اجلی اور بے داغ ہو جاتی ہے اور یہ کہ جب اسلام کے سرچشمے نے صرف ایک صوبے یعنی صوبہ بہار میں اتنے فیض پہنچایا تو عالمِ اسلام میں اس کی برکتیں کیسی عظیم الشان ہوں گی۔

اس حقیقت سے ہم بخوبی واقف ہیں کہ یہ مادہ پرستی کا زمانہ ہے۔ ایک عجیب نفسا نفسی کا عالم ہے۔ خود پرستی، خود نگری، جاہ طلبی اور مال و دولت کی حرص و ہوس نے قلوبِ انسانی کو ویران اور روحوں کو بنجر بنا دیا ہے۔ سامانِ زینت اکٹھا کرنے کی طلب نے ہمیں تزکیہ نفس کی طرف سے غافل کر دیا ہے۔ انسانی کردار کی گراوٹ اور اخلاق باختگی نے ہماری زندگیوں کو تلخ اور بے آرام کر کے ہمیں دنیا و آخرت دونوں میں ذلت و رسوائی کا مستحق بنا دیا ہے۔ ایسی فضا میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے بزرگوں کی پاکیزہ زندگیوں کے حالات سامنے لائے جائیں جنہیں پڑھ کر ہم میں خود احتسابی کا جذبہ پیدا ہو، اپنی اصلاح کی خواہش جنم لے۔ اپنے حال کو سنوارنے اور اپنے مستقبل کو اجالنے کی فکر ہو، خدا خوفی اور خدمتِ خلق کی طرف رغبت ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ "شرفا کی نگری" اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ ہر چند کہ اس کتاب میں کشف و کرامات کے واقعات بھی ہیں جو انسانی کردار کو سنوارنے میں آج کوئی موثر حیثیت نہیں رکھتے اور ان کے بیان سے گریز ہی کیا جاتا تو بہتر تھا۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ اس میں ایسے بزرگوں کے خیالات کو بھی ظاہر کیا گیا ہے جو کشف و کرامات کے اظہار کو بزرگی اور مرتبے کی علامت تصور نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ کشف و کرامات کے واقعات تو ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سنتوں کے ہاں بھی بکثرت مل جاتے ہیں۔ کشف و کرامات روحانی ریاضتوں اور مراقبوں کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ انہیں انسانی عظمت کو ناپنے کا پیمانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرتوں میں ایسے واقعات برائے نام ملتے ہیں۔ اصل اہمیت اپنی خودی اور نفس کو فنا کرنا ہے اور کردار کے وہ جوہر ہیں جن کے پیدا کرنے سے انسان فرشتوں سے بھی بلند ہو جاتا ہے۔

اب میں چند باتیں کتاب کے مصنف سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ "زمِ دم گفتگو اور گرمِ دم جستجو" کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ انہیں اپنے موضوع سے عشق ہے چنانچہ اپنا وقت اور وسائل دونوں ہی انہوں نے بزرگوں کے حالات اور نسب نامے جمع کرنے، انہیں قلم بند کرنے اور پھر انہیں چھپوانے اور پڑھنے والوں تک پہنچانے میں صرف کر رکھے ہیں۔ وہ نام و نمود اور سستی شہرت کے حصول کی خواہش سے بچ کر گوشۂ تنہائی میں بیٹھے سنجیدہ علمی کام میں مگن رہتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو محنت کرنے والے لوگ پسند ہیں اسی لیے وہ کسی کی محنت کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ سید قیام الدین نے جس محنت، لگن اور جذبۂ عشق سے یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ انشاء اللہ یہ کتاب نہ صرف زندۂ جاوید رہے گی بلکہ اپنی اہمیت و وقعت کی بدولت اپنے مصنف کو بھی زندۂ جاوید کر دے گی۔

ادیب سہیل

سید قیام الدین فردوسی صاحب مزاجاً توکل اور قناعت کے آدمی ہیں، بزرگان دین اور صوفیا و مشائخ کے حالات زندگی جاننے اور ان کے بارے میں مواد فراہم کرنے کا شوق ان کے اندر طالب علمی کے زمانے سے پیدا ہوا۔ میں اپنے جاننے والوں میں دو حضرات کی اس حوالے سے قدر کرتا آرہا ہوں۔ ایک تو خود قیام الدین صاحب فردوسی اور دوسرے قیوم چوادوی۔ قیوم صاحب بہار میں سلسلۂ انساب پر دو جلدوں میں کام کرکے شائع کرا چکے ہیں ان جلدوں کا ابتدائی حوالہ سید احمد شاہ جاجیری ہیں جن کی آل و اولاد نے موضع ندیاواں ضلع مونگیر صوبہ بہار کے قرب و جوار میں پھیل کر بارہ گاؤں کے سادات کی ترتیب دی ہے۔

سید قیام الدین صاحب نے بہار کے صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کا انتخاب کیا ہے اور پہلی جلد "شرفا کی نگری" کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔ پہلی جلد میں پچاس کے لگ بھگ صوفیائے کرام اور ان کے نسب نامے اور ان کے ورثاء کا ذکر ہے۔ اسی کی دوسری جلد اشاعت کے لیے تیار ہے۔ اور صاحب کتاب کی اطلاع کے مطابق اس میں تقریباً چالیس صوفیائے کرام، سولہ علمائے ذی احتشام اور چار سلاطین وحکمراں کا ذکر خیر ہے۔

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ و احیائے دین کا کام شاہ و سلاطین نے نہیں صوفیائے عظام نے کیا ہے۔ ملک گیری کی اپنی مصالح ہوتی ہیں، اور مسلک صوفیا سرتا سر صلح کل ہوتا ہے۔ وہ انسانوں کے بیچ کسی عنوان کے بھید بھاؤ کو روا رکھنے کے رجحان میں نہیں۔ علما کے ہاتھوں تبلیغ کا یہ کام کم ہوا ہے۔ ان کی اپنی مخصوص Rigidity اس کار خیر میں مانع رہی۔

شاہان وقت نے صوفیا کے کام کو نہ صرف یہ کہ مشکوک نظروں سے دیکھا بلکہ انہوں نے انہیں اپنا حریف بھی گردانا۔ مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ (جن کے نام کے حوالے سے کتاب ہذا کا نام "شرفا کی نگری" ہے) کے استاد محترم علامہ شرف الدین ابو توامہؒ کو انہیں وجوہ کی بنا پر بادشاہ وقت کے حکم سے دہلی سے ڈھاکہ کے نواحی بستی سونار گاؤں منتقل ہونا پڑا اور انہوں نے یہیں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا۔ یہاں ایک مدرسہ قائم کیا جہاں سے خود مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ فارغ التحصیل ہوئے۔

حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری فردوسیؒ جب اپنی ریاضت سے روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچے تو اپنے ماننے والوں میں رشد و ہدایات کو عام کرنے کے لیے مکتوبات کے ذرائع استعمال کیے۔ ان کے یادگار مکتوبات مجتمع ہوکر "مکتوبات صدی"، "مکتوبات دو صدی" اور "فوائد رکنی" وغیرہ کی صورت میں چھپے۔ حضرت مخدوم علیہ الرحمۃ کثیر التصانیف ہیں۔ حضرت نے تبلیغ و احیائے دین کے کام میں تقریر و تحریر دونوں ذرائع کو استعمال میں لایا۔ موسیقی کے عظیم فرد میاں تان سین، شہنشاہ اکبر کے نورتن کے پیر و مرشد حضرت محمد غوث گوالیاریؒ نے ان کے متعلق بڑی اچھی بات کہی ہے۔ جس کو جناب سید قیام الدین نظامی الفردوسی نے اپنی کتاب میں نمایاں طور پر جگہ دی ہے۔ میں اپنی بات اسی ارشاد گرامی پر ختم کرتا ہوں:

"اگر مرشد حاضر نہ باشد مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری مطالعہ کنند تا فریب نفس و وسواس خناس در یابد۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد عزیز الصدیقی الحسینی
اصلاح المسلمین پبلشرز، کراچی
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۱۳۰، کراچی ۷۴۰۰۰

سخن ہائے گفتنی

بہار کی سرزمین اپنی مذہبی زرخیزی کے حوالے سے تاریخ عالم میں ایک خاص امتیازی شان رکھتی ہے۔ کہیں ہندو راجگان سدھارتھ اسی سرزمین میں گوتم بدھ بنا، جین ازم کے بانی مہابیر نے یہیں سے اپنی حیات رفتہ کا آغاز کیا، موبدان مجوسی نے عرصہ تک اس خطہ ارضی کو اپنی تگ و تاز کا مرکز بنایا، بقول مصنف "دبستان المذاہب" "آذر کیوان ہندوستان میں آیا اور عظیم آباد پٹنہ میں سکونت کی اور ۱۰۲۷ھ میں ۸۵ برس کے سن میں انتقال کیا۔" (ماہنامہ "الندوۃ" ستمبر ۱۹۰۵ء)۔ سکھ مذہب کے دسویں گورو گوبند سنگھ جی نے ۱۶۶۶ء میں پٹنہ ہی سے اپنی چمنستان حیات کا سفر شروع کیا۔

بایں ہمہ عرض یہ کرنا ہے کہ جب بہار کی سرزمین طیبہ کی بہار آفرینیوں سے آشنا ہوئی تو اس خطے کے نصیب جاگ اٹھے۔ مخدوم یحییٰ منیری، مخدوم شرف الدین احمد منیری، مولانا مظفر شمس بلخی، قاضی شہاب الدین جگجوت، سید ابراہیم ملک بیا، سید احمد جاجنیری، سید منہاج الدین راستی، شاہ ظہور الحق پھلواروی، مرزا رحیم اللہ بیگ جداپا، شاہ محمد سعید حسرت رحمہ اللہ علیہم جیسے صلحاء، اتقیاء، قاضی عنایت اللہ مونگیری، ملا فصیح الدین جعفری، قاضی محب اللہ بہاری (مصنف "مسلم الثبوت" و "سلم العلوم")، شیخ الکل میاں سید نذیر حسین، علامہ شمس الحق محدث عظیم آبادی (مصنف "غایۃ المقصود" و "عون المعبود")، خاقانی ہند علامہ حکیم عبد الحمید پریشاں صادق پوری، مولانا ابو محمد ابراہیم آروی بانی "مدرسہ احمدیہ آرہ"، شاہ محمد سلیمان پھلواروی، مولانا ظہیر احسن شوق نیموی (مصنف "آثار السنن")، علامہ سید سلیمان ندوی (مصنف "سیرۃ النبی ﷺ" و "تاریخ ارض قرآن") رحمہ اللہ علیہم جیسے علماء و کملاء اور امیر المجاہدین مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ علی، مولانا عبد الرحیم (از بابِ صادق پور)، مولوی نیر علی، مولانا عبد العزیز رحیم آبادی، مولانا ابو المحاسن سجاد رحمہ اللہ علیہم جیسے زعماء ملت اسی سرزمین کی یادگار ہیں۔

اور یہ تو محض چند نام ہیں، رجال بہار کی کثرت کی عبقریت کا اندازہ محض ان چند ناموں سے نہیں ہو سکتا۔

زیر نظر کتاب "شرفا کی نگری" حصہ اول صوفیائے کرام کے احوال پر ایک تحقیقی کتاب ہے، بہار میں جو مسلک تصوف رائج ہے محبت، سادگی، سلامت روی اور خوش خلقی اس کے عناصر اربعہ ہیں۔ یہاں کے صوفیاء محض زبان طریقت کی چاشنیوں پر اپنی دکانداری نہیں چلاتے تھے بلکہ وہ علوم کتاب و سنت کے بھی ویسے ہی ماہر ہوتے تھے جیسا کہ اسرار و رموز طریقت کے۔ مثال کے طور پر شاہ ظہور الحق پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ بہت بڑے شیخ طریقت تھے بلکہ صحیحین کے حافظ بھی تھے۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے ان کے علم و فضل کے اعتراف میں

بذریعہ مکاتبت اجازۂ حدیث مرحمت فرمائی تھی۔

اسی طرح شاہ محمد سعید حسرت عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے وقت کے مشہور عالم دین اور صاحب دل بزرگ تھے۔ علوم عصریہ پر مکمل مہارت رکھتے تھے۔ طب میں بھی غیر معمولی درک تھا۔ منطق و فلسفہ میں آپ کی فضیلت علمی کے ارباب علم معترف تھے۔ علم و ادب کی دنیا میں بھی آپ کا نام ہمیشہ عزت و توقیر سے لیا جائے گا۔ مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی اور شاہ نذر محمد (رحمہما اللہ) سے اخذ طریقت کیا، اور یہ دونوں ہی بزرگ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ علم حدیث میں امام محمد بن علی السنوسی، سید محمد عطوشی مدنی، شیخ عبد الغنی دمیاطی اور شاہ محمد یعقوب دہلوی رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابر عصر سے شرف تلمذ تھا۔ مراکش کے مشہور عالم دین شیخ عبد الحی الفاسی (مصنف "فہرس الفہارس والاثبات") آپ کے تلمیذ رشید مولانا علی اکرم آروی کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد سعید ایک باکمال مدرس بھی تھے۔ آپ کے بابِ علم پر جن علمائے ذی اکرام نے دستک دی اور آپ کے دبستان علمی سے منسلک ہوئے ان میں مولانا ظہیر احسن شوق، شیخ ابو الخیر احمد مکی، شیخ محسن ترہتی (مصنف "الیانع الجنی") شاہ محمد یحییٰ عظیم آبادی، مولانا علی اکرم آروی، مولانا محمد بن غلام رسول سورتی، شاہ نذر الرحمان حفیظ عظیم آبادی وغیرہم جیسے فضلاء شامل ہیں۔

علوم کتاب و سنت سے اسی انسلاک کا نتیجہ تھا کہ یہاں کی خانقاہوں میں مشرکانہ و مبتدعانہ رسوم کی کثرت نہیں تھی۔

اس کتاب کے مصنف گرامی اسی مسلک تصوف کے پیرو ہیں، گزشتہ سطور میں حضرت شاہ محمد سعید حسرت عظیم آبادی کا ذکر کیا گیا ہے، موصوف ان سے خاندانی تعلق رکھتے ہیں، ممدوح نے کتاب کو نہایت ذمہ داری کے ساتھ زیب قرطاس کیا ہے، حوالوں کا خصوصی اہتمام کیا ہے اور امانت و دیانت پر حرف نہیں آنے دیا، دیگر مسالک کے اکابر کا ذکر بھی اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ کتاب کی دوسری جلد میں بعض "رسوائے زمانہ وہابیوں" کے حالات بھی نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ رقم کئے ہیں، جس سے مصنف کی غیر جانبدارانہ روش اور سلامتی طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔

کتاب کی دوسری ہی جلد میں لائق احترام مصنف نے اپنے بعض مذہبی عقائد و رجحانات کا ذکر بھی کیا ہے، جس سے ہر قاری کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ لیکن اپنے مذہبی عقائد و نظریات کے اظہار کے باوجود دیگر مسالک کے لئے مصنف کا انداز تحریر نہایت شستہ رہا ہے۔ اور یہ ایک خوش آئند امر ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ ایک علمی کاوش ہے، اہل بہار کو بالخصوص اور دیگر خطے کے ارباب علم کو بالعموم اس کی پذیرائی کرنی چاہیے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العالمین ہم سب کو شاہراہِ صراطِ مستقیم کا راہی بنائے۔ (آمین یارب العالمین)

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

۳ مارچ ۲۰۰۲ء کراچی

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اول المسلمین، امیر المومنین، خلیفہ رسول اللہ، یار غار نبی، افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عام الفیل کے ڈھائی سال بعد یعنی سن ہجری کے آغاز سے پچاس برس چھ ماہ قبل ۵۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ حضور اکرم ﷺ سے تقریباً ۳ سال چھوٹے تھے۔ آپ کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔ آپؓ کے والد عثمان اپنی کنیت ابوقحافہ سے مشہور تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

عبداللہ (ابوبکرؓ) بن ابی قحافہؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

ساتویں پشت میں مرہ پر آپ کا نسب حضور اکرم ﷺ سے جا کر مل جاتا ہے۔ اس طرح آپ حضور ﷺ کے ہم جد اور رشتہ میں بھائی تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمیٰ بنت صخر بن کعب بن سعد ہے، جو اپنے شوہر ابوقحافہ کی رشتہ دار تھیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبرؓ کا اصل نام عبداللہ، کنیت ابوبکر، لقب عتیق اور صدیق تھا، لیکن ابوبکر صدیق کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے پاس اکثر حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں تشریف لایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت جبرئیل کو دیکھ تو نہیں سکتے تھے، لیکن ان کی آواز سنتے تھے۔ ایک بار حضور ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل تشریف لائے تو سیدنا ابوبکرؓ بھی موجود تھے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "جبرئیل! بتایئے یہ کون ہیں" حضرت جبرئیل امین نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! یہ ابوبکر صدیق ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جبرئیل! تم انہیں کس طرح جانتے ہو" عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! عرش کی دنیا میں آپؓ کا نام عتیق اور فرش کی دنیا میں صدیق ہے، میں نے وہاں سے یہ نام سنا ہے"۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا خاندان مکۃ المکرمہ میں معزز و محترم تھا۔ آپ ایک مالدار تاجر اور قریش کے رؤسا میں شمار کیے جاتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں قریش کی شرافت و حکومت دس خاندانوں میں منحصر و منقسم تھی۔ جس طرح نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خاندان میں آپ کے دادا عبدالمطلب اور پردادا ہاشم میں خانہ کعبہ کی تولیت، حاجیوں میں سقائی اور مہمانداری کی ذمہ داری چلی آتی تھی، اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق اکبرؓ کے خاندان میں ملکی اور قبائلی رواج کے مطابق قصاص اور خون بہا کے تمام مقدمات فیصل کرنے کی ذمہ داری تھی، خود آپؓ اپنے زمانہ میں اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ قصاص اور خون بہا کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ آپؓ بامروت، خیر مجسم، حلیم الطبع اور حق پسند تھے۔ صبر و استقامت کے پیکر اور صائب الرائے تھے۔ زمانہ جاہلیت ہی میں آپؓ نے شراب اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ آپؓ سے جب اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپؓ نے فرمایا: "میں نہیں چاہتا کہ میرے بدن سے بو آئے اور مروت زائل ہو جائے"۔ حضور نبی کریم ﷺ کی محفل میں ایک بار آپؓ کے اس قول کا ذکر آ گیا حضور ﷺ نے فرمایا: "ابوبکرؓ سچ کہتے ہیں"۔ آپؓ

کا پیشہ تجارت تھا۔ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اکثر تجارتی سفر پر شام اور یمن تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دوبار آقائے دوجہاں ﷺ کے ساتھ بھی شام کا تجارتی سفر کیا۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دیرینہ رفیق اور ساتھی تھے۔ اعلان نبوت سے قبل آپؓ اکثر حضور ﷺ کے ساتھ وقت گزارتے۔ شام کے تجارتی سفر میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ اس طرح حضور نبی کریم ﷺ کے خرق عادات اور بحیرہ راہب سے ملاقات کے واقعات کو بھی بغور دیکھا اور سنا۔ اس قربت اور ہم نشینی کا ہی اثر تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بزرگی اور ان کے لیے عزت و احترام کا جذبہ آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں جاگزیں کر گیا تھا۔ آغاز نبوت کے زمانہ میں آپؓ یمن کے تجارتی سفر پر گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر قریش مکہ نے نہایت تعجب اور حقارت کے ساتھ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دعویٰ نبوت کا ذکر کیا۔ آپؓ اس خبر کو سنتے ہی تڑپتے دل اور اشتیاق کے عالم میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو دیکھتے ہی دعوت اسلام پیش کی۔ جس کو آپؓ نے بغیر کسی تامل و تردد اور رد و کد کے قبول کر لیا۔ بکثرت احادیث کی روشنی سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ آپؓ نے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

ابونعیم نے فراست میں سائب کی زبانی لکھا ہے: "میں نے میمون بن مہرانی سے پوچھا: "بتایئے آپ کے نزدیک ابوبکرؓ و عمرؓ افضل ہیں یا علیؓ؟" تو وہ کانپنے لگے اور ان کے ہاتھ سے چھڑی گر گئی اور جواب دیا: "مجھے گمان بھی نہ تھا کہ میں ایسے زمانہ میں زندہ رہوں گا جب کہ ان بزرگوں کے درمیان موازنہ کیا جائے گا۔ دونوں اچھے۔ اسلام کے لیے دونوں سربلند تھے"۔ اس کے بعد پوچھا: "حضرت ابوبکرؓ پہلے اسلام لائے یا حضرت علیؓ؟" جواب دیا: "بخدا بحیرہ راہب کے زمانہ ہی میں رسول اللہ ﷺ پر ابوبکرؓ اسلام لے آئے تھے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی شادی کے وقت اس معاملہ پر گفتگو بھی ہوئی تھی اور یہ تمام واقعات اس زمانہ کے ہیں جب کہ حضرت علیؓ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

احادیث اور تاریخ کی روشنی میں یہ سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ، عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور بچوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اور یہ ترتیب جو بیان کی گئی ہے، سب سے پہلے امام اعظم ابوحنیفہؓ نے دی ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر یار غار نبی رضی اللہ عنہ کے وصال پر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک تقریر کی اور فرمایا: "اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ واللہ آپ تمام قوم میں سب سے پہلے مشرف باسلام ہونے والے۔ سب سے زیادہ کامل ایمان رکھنے والے۔ سب سے زیادہ اسلام پر یقین و اعتماد رکھنے والے۔ سب سے غنی دل والے۔ سب سے زیادہ اہل بیت کی حمایت و طرفداری کرنے والے .... آپؓ نے اس وقت حضور نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی جب دوسرے لوگ آپ ﷺ کو جھٹلا رہے تھے .... آپؓ اس وقت حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھڑے رہے جب دوسرے لوگ بیٹھے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اپنی کتاب میں صدیق رکھا ہے .... اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری

دعا ہے کہ وہ آپ کے ایمان کو آپ سے نہیں لے جائے گا اور نہ ہی آپ کے بعد انہیں مرتد کرے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ ابوبکر پر رحم کرے اس نے اپنی بیٹی مجھے زوجیت میں دی۔ مجھے مدینہ تک پہنچایا اور بلال کو آزاد کیا۔ اللہ عمر پر رحم کرے کہ حق بات کہتے ہیں خواہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ عثمان پر رحم کرے کہ ان سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ اللہ علی پر رحم کرے الٰہی جہاں کہیں علی ہو حق اس کے ساتھ ہو۔"

علامہ دیوبندی نے "المجالس" میں اور امام ہادی نے ذکر کرتے امام شعبی کی زبانی روایت کی ہے کہ "اللہ عزوجل نے سیدنا ابوبکر صدیق اکبر کو چار خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو کسی دوسرے کو میسر نہیں ہوئیں۔ اول یہ کہ صدیق کا لقب سوائے آپ کے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ دوم یہ کہ نبی ﷺ کے ساتھ غار میں رفاقت کی۔ سوم یہ کہ سید عالم ﷺ کے ہمراہ ہجرت مدینہ کی۔ چہارم یہ کہ نبی ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں مسلمانوں کا امام بنایا اور خود بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔

حضرت امام زین العابدین (ابن حضرت امام حسین) سے کسی نے ہر دو خلفائے اول (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "حضور سید عالم ﷺ کے حضور ان دونوں صاحبوں کو وہی مرتبہ حاصل ہے جو اس وقت ہے" یعنی روضہ اطہر میں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے۔"

حضرت امام محمد باقر بن زین العابدین فرماتے ہیں "میں نے اہل بیت میں سے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو ابوبکر و عمر سے محبت نہ رکھتا ہو۔ جو شخص ان کی فضیلت کو نہیں جانتا وہ سنت کو بھی نہیں جانتا"۔

حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر فرماتے ہیں "ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں عادل و منصف تھے۔ ہم ان کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے دشمن ہم سے بیزار تھے"۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے متعلق جو کارنامے انجام دیئے ان کی ایک طویل فہرست ہے۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وصال کے فوراً بعد دین اسلام پر بڑا ہی نازک وقت آن پڑا تھا۔ بڑے بڑے گھمبیر مسائل پیدا ہوگئے تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق اکبر ہی کی ذات گرامی تھی جنہوں نے اپنی فہم و فراست، دور اندیشی، قلبی بصیرت، مستقل مزاجی اور پوری قوت و طاقت سے ان مسائل کا مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے مدینہ منورہ میں پھیل گئی۔ مسجد نبوی میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اکٹھی ہوگئی۔ جس میں مہاجرین کی تعداد زیادہ تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسجد نبوی کے قرب و جوار میں جو بھی آبادی تھی اس میں مہاجرین ہی آباد تھے۔ اس مجمع میں ایک گروہ حضور اکرم ﷺ کے شیدائیوں کا ایسا بھی تھا جو آپ ﷺ کے وصال پر یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ سیدنا عمر فاروق کا تو یہ حال تھا کہ ہاتھ میں ننگی تلوار لیے دیوانہ وار مسجد نبوی میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس نازک موقع پر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق آگے بڑھے اور فرمایا:

"لوگو! اگر تم محمد ﷺ کو پوجتے تھے، تو محمد ﷺ فوت ہوگئے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتے تھے تو اللہ بے شک زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔"

پھر آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشکرین﴾ (سورۂ آل عمران: ۱۴۴)

ترجمہ: "اور نہیں تھے محمد (ﷺ) مگر رسول، ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں، پس اگر محمد (ﷺ) مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنی پرانی حالت کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے اور جو شخص حالت کفر میں لوٹ جائے گا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کو جزائے خیر دے گا۔"

مسلمانوں کو اس غیر یقینی صورت حال سے نجات دلانے کے بعد آپ نے ابھی اطمینان کا سانس بھی نہ لیا تھا کہ یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں کا ایک دوسرا بڑا مجمع سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہے جس میں اکثریت انصار مدینہ کی ہے جو حضرت سعد بن عبادہ انصاری کی بیعت بحیثیت خلیفہ کیا چاہتی ہے یا پھر بیک وقت دو خلیفہ ایک مہاجرین سے اور دوسرا انصار سے منتخب کرنا چاہتی ہے۔ یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق نے حضرت علی اور ان کے قریبی عزیزوں کو رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین کے لیے چھوڑا۔ آپ حضرت عمر فاروق، حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور چند دوسرے معتبر صحابہ کرام کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ جہاں خلافت اور جانشینی رسول اللہ ﷺ کے مسئلہ پر ایک زبردست ہنگامہ بپا تھا۔ آپ کی خواہش تھی کہ مسلمان متفق ہو کر حضرت عمر فاروق یا حضرت ابوعبیدہ بن جراح میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں اور آپ نے اس کی بھرپور کوشش کی لیکن ان دونوں بزرگوں نے معذرت کر لی اور آپ کی خلافت کے خواہاں ہوئے۔ آخر طویل بحث و مباحثے کے بعد تمام مہاجرین و انصار حاضرین سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر متفق ہوگئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح یہ نازک مسئلہ بھی آپ کی بروقت توجہ سے حل ہوگیا۔ اگر اس موقع پر آپ خاموش رہتے یا اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ نہ لگاتے اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے میں پس و پیش کرتے تو خدشہ تھا کہ انصار و مہاجرین کی آپس کی محبت و اخوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی اور وحدت اسلامی پارہ پارہ ہو جاتی۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین کے دوسرے دن مسجد نبوی میں باضابطہ طور پر تمام مسلمانوں نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا۔

مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق کو بڑے مشکل حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ عرب کی سرزمین پر بکثرت جھوٹے نبی پیدا ہوگئے تھے۔ مسلمانوں میں نفاق کی با پھوٹ پڑی تھی۔ منافقین نے سر اٹھایا تھا۔ اکثر قبیلے مرتد ہوگئے تھے اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے صاف انکار کر دیا تھا۔ حضرت اسامہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کے ایک لشکر کو خود حضور ﷺ نے ترتیب دیا تھا اور جہاد روم کی روانگی کا حکم دیا تھا۔ حضور ﷺ کی علالت اور پھر وصال کی وجہ کر مقام جرف پر پڑاؤ ڈالے خلیفہ وقت کے حکم کا منتظر تھا۔

موقع پر تمام جید صحابی رسول اکرم ﷺ مع حضرت عمرؓ و علیؓ نے مشورہ دیا کہ حضرت اسامہؓ کو جہاد روم پر نہ بھیجا جائے مرتدین سے نرمی کرتے ہوئے زکوٰۃ کی ادائیگی پر سر دست زور نہ دیا جائے۔ بلکہ دشمنوں کے حملے کے خطرے کے پیش نظر مدینہ منورہ کی حفاظت پر زیادہ توجہ دی جائے۔ خلیفہ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: "بخدا جس کام کا حکم خود حضور اکرم ﷺ دے گئے ہیں اس کی تکمیل کرکے رہوں گا، اسامہؓ کے لشکر کو جہاد کے لیے ضرور بھیجوں گا اور جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے خود جہاد کرتا رہوں گا" سیدنا ابوبکر صدیقؓ اپنے دور خلافت کے ابتدائی مختصر عرصے میں جھوٹے داعیان نبوت کے ایک ایک فرد کا خاتمہ کرکے اور منکرین زکوٰۃ سے بھرپور جنگ کرکے کامیاب و کامران ہوئے۔ مرتدین و منافقین کو اسلام میں واپس آنے پر مجبور کیا یا پھر انہیں تہ تیغ کیا۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبرؓ نے ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ بوقت شب وصال فرمایا۔ انتقال سے قبل حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے مشورے سے ایک وصیت نامہ تحریر کروا کر حضرت سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کو اپنا جانشین اور مسلمانوں کا خلیفہ مقرر فرما گئے۔

طبرانی نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے خاندان ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ابوقحافہؓ، ان کے بیٹے حضرت ابوبکرؓ، اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ اور ان کے بیٹے ابوعتیق، مسلسل چار پشت حضور اکرم ﷺ کے فیض صحبت میں رہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی چار بیویوں سے نسل چلی۔ پہلی اہلیہ حضرت قتیلہ بنت عبدالعزیٰ تھیں جن کے بطن سے حضرت عبداللہ اور بی بی اسماء زوجہ حضرت زبیر حواری رسول ﷺ تھیں۔ بی بی اسماء ہی کے بیٹے عبداللہ بن زبیر تھے۔ آپؓ کی دوسری زوجہ حضرت ام رومان بنت عامر تھیں جن سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن ہی کے بیٹے حضرت ابوعتیقؓ (محمد) تھے جو صحابی رسول ﷺ تھے۔ آپؓ کی تیسری بی بی حضرت اسماء بنت عمیس تھیں جن کے بطن سے حضرت محمد بن ابوبکرؓ تھے۔ بی بی اسماء نے حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح حضرت علیؓ سے کیا اور محمد بن ابوبکرؓ کی پرورش حضرت علی مرتضیٰؓ کی زیر نگرانی ہوئی۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی چوتھی اہلیہ حبیبہ بنت خارجہ سے ایک صاحبزادی ام کلثومؓ تھیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتقال کے بعد پیدا ہوئیں۔ اس طرح "تاریخ ابن خلدون" کے مطابق حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ آپؓ کی نسل سے شیوخ صدیقی صوبہ بہار میں بھی بکثرت موجود ہیں۔

نقشہ اولاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

فہر (قریش)

غالب

لوی

کعب

مرہ

کلاب — تیم

قصی — سعد

عبد مناف — کعب

ہاشم — عمرو

عبد المطلب — عامر

عبداللہ — ابو قحافہ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

از بطن حضرت قتیلہ: اسماءؓ زوجہ حضرت زبیرؓ (حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم) — عبداللہ بن زبیر؛ عبداللہؓ

از بطن حضرت ام رومانؓ: عائشہ صدیقہؓ (ام المومنین)؛ عبدالرحمٰن — ابو عتیق محمد، بی بی اسماء

از بطن حضرت اسماءؓ: محمد — قاسم (فقیہ)

از بطن حضرت حبیبہؓ: ام کلثوم

قاسم (فقیہ) و بی بی اسماء:

ام فروہ زوجہ امام محمد باقرؒ — حضرت امام جعفر صادق

دختر زوجہ اسحٰق العریضی بن ابو جعفر بن جعفر طیار بن ابو طالب

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امیر المومنین، عزالاسلام و المسلمین، ابا الفقراء، دعائے رسول سرورعالم ﷺ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظمؓ ہجرت نبوی سے چالیس سال قبل پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش اور بچپن کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ صرف دو واقعات ایسے ہیں جن سے مختصر سی روشنی آپؓ کے بچپن پر پڑتی ہے۔ ''تاریخ دمشق'' میں حافظ ابن عساکرؒ نے عمروؓ بن عاص کی زبانی لکھا ہے: ''میں چند دوستوں کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا تھا کہ دفعتاً ایک شور برپا ہوا۔ وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اور اس خوشی میں شور وہنگامہ ہو رہا ہے۔ جب آپؓ بڑے ہوئے تو باپ نے اونٹ چرانے کا کام سپرد کیا۔ چراگاہی قبیلہ عرب کا ایک عام مشغلہ تھا۔ یہ کوئی معیوب بات نہ تھی۔ اس کام میں آپ کے والد آپ سے خوب محنت کراتے تھے۔ جس میدان میں آپ اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے تھے اس کا نام ضجنان تھا۔ اپنے دور خلافت میں ایک بار حضرت عمر فاروقؓ کا گذر اس میدان کی طرف سے ہوا۔ آپؓ آبدیدہ ہوئے اور حسرت سے فرمایا: ''اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدہ کا کرتا پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ سے مار کھاتا اور مار کھاتا تھا۔ آج یہ دن کہ اللہ کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں۔''

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب عدی، فہر (قریش) اور عدنان سے ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپؓ کا سلسلہ نسب حضور اکرم ﷺ سے آٹھویں پشت پر جا کر مل جاتا ہے اور وہ اس طرح ہے:

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک۔

راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی، حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے تذکرہ میں تحریر کر چکا ہے کہ شرافت و ریاست اور حکومت واقتدار عرب کے دس نامور قبیلوں میں تقسیم تھی۔ سفارت کا محکمہ حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان میں عدی کے زمانہ سے چلا آتا تھا۔ اس کے علاوہ افضلیت کے فیصلے بھی آپ ہی کے خاندان کے سپرد تھا۔ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ بڑے اعلیٰ مرتبہ شخصیت کے مالک تھے اور قبیلہ نے جو ذمہ داری سونپی تھی اس کو بڑی مہارت سے انجام دیا کرتے تھے۔ آپ کے والد خطاب نے کئی شادیاں کی تھیں۔ جن میں سیدنا عمر فاروقؓ کی والدہ ''ختمہ'' ہشام بن مغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ ایک ممتاز اور بلند رتبہ کے آدمی تھے۔ جن کے ایک پوتے حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کا پسندیدہ مشغلہ نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی، شہسواری اور خطابت تھا۔ نسب دانی میں سیدنا عمرؓ ان کے والد خطاب اور دادا نفیل تینوں کو مہارت حاصل تھی۔ بازار عکاظ کے میلہ میں ہر سال کشتی فنی کا جوہر دکھایا کرتے تھے۔ قبیلہ قریش میں صرف

سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جن میں ایک حضرت عمر فاروق ؓ بھی تھے۔ قبائل عرب کے رواج کے مطابق آپ ؓ کا ذریعہ معاش بھی تجارت ہی تھا۔ آپ ؓ نے اس سلسلہ میں دور دراز ملکوں کا سفر کیا اور بڑے بڑے حکمرانوں، تاجروں اور صاحب اقتدار لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ اسلام لانے کے بعد آپ ؓ کی ان صلاحیتوں سے دین اسلام کو بہت فائدہ حاصل ہوا۔

سیدنا عمر فاروق اعظم ؓ کے چچازاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل نے بعثت نبوی ﷺ سے قبل ہی اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لے کر بت پرستی چھوڑ دی تھی اور موحد بن گئے تھے۔ بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو اعلانیہ برا کہتے تھے اور دین ابراہیمی کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ زید بن عمرو کے بیٹے سعید تھے۔ جن کی شادی حضرت عمر ؓ کی بہن فاطمہ سے ہوئی تھی۔ اس طرح حضرت سعید بن زید بن عمرو حضرت عمر ؓ کے بھتیجے اور سگے بہنوئی تھے۔ جب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور دعوت اسلام دی تو حضرت عمر ؓ کے خاندان کے سعید بن زید بن عمرو، فاطمہ بنت خطاب اور نعیم بن عبداللہ نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت فاروق اعظم ؓ کی عمر اس وقت ۲۷ سال تھی۔ آپ ؓ حضور نبی کریم ﷺ اور اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ مسلمانوں کی ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ آپ ؓ کو اپنے خاندان کے افراد کے اسلام میں داخل ہونے کی خبر نہ تھی۔ تمام تر ایذا رسانیوں اور سختیوں کے باوجود آپ ؓ ایک مسلمان کو بھی اسلام سے جدا نہ کر سکے۔ آخر آپ ؓ نے فیصلہ کیا کہ نئے دین کے بانی حضرت محمد ﷺ کا ہی (نعوذ باللہ) خاتمہ کر دیا جائے۔ ایک دن تلوار اٹھائی اور حضور اکرم ﷺ کے قتل کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ ادھر حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت ارقم بن ارقم کے مکان میں سجدہ ریز تھے اور دعا فرما رہے تھے: "اے اللہ! عمرو بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو سربلند کر۔" سیدنا عمر ؓ ہاتھ میں ننگی تلوار لیے حضور ﷺ کی تلاش میں جا رہے تھے کہ سرِ راہ ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا اے عمر کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ نے کہا: "(نعوذ باللہ) محمد (ﷺ) کے قتل کا۔" اس شخص نے جواب دیا پہلے اپنے بہن بہنوئی کی تو خبر لو جو اپنا آبائی مذہب ترک کر چکے ہیں۔ آپ نے فوراً بہن کے گھر کا رخ کیا۔ جس وقت آپ بہن کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو بہن آیات قرآن کی تلاوت کر رہی تھیں۔ آپ نے بہن اور بہنوئی کی خوب پٹائی کی۔ یہاں تک کہ فاطمہ بنت خطاب کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ انہوں نے اپنے بھائی عمر بن خطاب کو کہا: "اے عمر! تو مجھے جان سے بھی مار دے تب بھی میں محمد (ﷺ) کے دین کو نہیں چھوڑوں گی۔ بہن کے ان الفاظ نے آپ کی کایا پلٹ دی اور آپ نرم پڑ گئے۔ بہن سے کہا لاؤ وہ عبارت جو تم ابھی پڑھ رہی تھی۔ آپ نے جب آیاتِ قرآن کو پڑھا تو دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ وہ تلوار جو ہاتھ میں بے نیام لئے اللہ کے رسول ﷺ کے خون سے اپنا ہاتھ رنگنے نکلے تھے۔ اپنی گردن میں لٹکا لی اور صفا کی پہاڑی کے دامن میں واقع حضرت ارقم بن ارقم کے مکان دار الارقم پر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور مسلمان ہو گئے۔ اس خوشی کے موقع پر اللہ کے پیارے حبیب ﷺ اور ان تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایک ساتھ اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا جس سے صفا اور مروہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ کوہ صفا کے دامن میں دار الارقم وہ مکان تھا جو حضرت ارقم کی رہائش گاہ تھا اور جہاں سے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ بعثت کے ابتدائی دنوں میں

پوشیدہ طور پر تبلیغ دین کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ اب دارالارقم موجود نہیں۔ مسجد الحرام کی توسیع کے بعد یہ جگہ حرم میں داخل ہوگئی ہے۔ اس وقت ٹھیک اس جگہ پر جہاں دارالارقم تھا خودکار زینہ ہے۔ جس سے حرم کی بالائی منزل پر جایا جاتا ہے۔ زینہ کے گیٹ پر حضرت ارقم کے نام سے ایک پتھر کی تختی نصب ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جس طرح اسلام قبول کرنے سے قبل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اور دین اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد اس سے زیادہ حضور ﷺ کے سچے شیدائی اور دین کے مجاہد اعظم ثابت ہوئے۔ اب تک نبی کریم ﷺ تبلیغ دین کا کام پوشیدہ طور پر انجام دے رہے تھے اور مسلمان ارکان دین یعنی نماز وغیرہ چھپ کر ادا کیا کرتے تھے آپؓ کے مسلمان ہونے کے بعد دین اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی اور اعلانیہ تبلیغ کا کام شروع کیا گیا۔ آپؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کی پوری جماعت کے ساتھ خانہ کعبہ میں نماز پڑھی اور اہل قریش مسلمانوں کو نماز کی ادائیگی سے روک نہیں سکے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عمرؓ نے دوسرے ۲۰ مسلمانوں کے ساتھ علی الاعلان مکۃ المکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ جہاں حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ کو آپؓ کا دینی بھائی بنایا گیا۔ آپؓ نے تمام غزوات میں حضور سراپا قدس ﷺ کے ساتھ شرکت کی اور ثابت قدم رہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مزاج شناس وحی تھے۔ اللہ جل شانہ اور اس کے پیارے حبیب حضور نبی کریم ﷺ کو بھی آپ کی رائے اور مشورہ بہت پسند تھا۔ کئی موقع پر آپ کی رائے کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی وحی نازل ہوئی اور جو مشورہ سیدنا عمرؓ نے دیا وحی الٰہی نے اس کی تائید کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے ایک بار فرمایا کہ "وحی تو ہمارے گھر میں اترتی ہے اور تم کو پہلے ہی سے القا ہو جاتا ہے۔"

جنگ بدر کے موقع پر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا تو آیت ﴿لولا کتاب من اللّٰہ﴾ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے مشورہ کی تائید فرمائی۔

آپؓ کو امہات المومنین کا بے پردہ رہنا پسند نہ تھا اور آپؓ نے انہیں پردہ کا مشورہ دیا تو آیت پردہ نازل ہوئی۔ یعنی سورۂ احزاب کی آیت ۳۳۔

آپؓ نے نبی کریم ﷺ کے حضور مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو ﴿واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی﴾ ترجمہ: "مقام ابراہیم کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ، نازل ہوئی"۔

عبداللہ بن ابی بہت بڑا منافق تھا۔ بظاہر مسلمان تھا لیکن باطنی طور پر اسلام کا دشمن تھا۔ جب وہ مرا تو اس کا لڑکا (جو خود ایک سچا مسلمان تھا) حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ حضور اکرم ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ راستے میں حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ آپ ﷺ اس منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔ جنازہ پڑھانے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کا یہ حکم صادر ہوا کہ آئندہ ان منافقین میں سے کوئی مر جائے تو

آپ ﷺ نہ اس کی نماز پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (سورۂ توبہ آیت ۸۰)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق سیدنا فاروق اعظمؓ مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپؓ کا دور خلافت اسلامی تاریخ میں نہایت روشن اور انتہائی تابناک ہے۔ حق و صداقت اور انصاف پسندی کے آپؓ پیکر تھے۔ آپؓ کے دور خلافت میں فتوحات کا تانتا بندھ گیا۔ اسلامی حکومت میں نئے نئے بکثرت اصلاحات ہوئے۔ اسلامی ریاستیں دور دراز علاقوں تک قائم ہوئیں۔ نئے شہر آباد ہوئے۔ سن ہجری تاریخ لکھنے کا رواج آپ ہی کے دور خلافت میں شروع ہوا۔

حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کو بحالت نماز ایک پارسی غلام ابولولو فیروز نے مسجد نبوی میں ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو زہر آلود خنجر سے شدید زخمی کیا۔ اس زخم سے ۳ دن بعد یکم محرم الحرام بروز ہفتہ کو آپؓ نے وصال فرمایا اور روضہ رسول پاک ﷺ میں حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف تقریباً ۶۳ سال تھی۔ آپ کا زمانہ خلافت ۱۰ سال رہا۔

حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا حضرت عمرؓ کی شان میں فرمان ہے: ”میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے، آسمان پر فرشتے عمر کا وقار کرتے ہیں اور زمین کا ہر شیطان ان سے ڈرتا ہے“۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ”عمرؓ ارادہ کی پختگی، ہوش مندی اور دلیری سے پر ہیں“۔ ایک بار حضرت عمرؓ کو کپڑا اوڑھے دیکھ کر حضرت سیدنا علیؓ شیر خدا نے فرمایا: ”اس کپڑا اوڑھے شخص سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں“۔

حضرت جعفر صادقؓ کا قول ہے کہ ”میں اس شخص سے بیزار ہوں جو ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھلائی سے یاد نہ کرے“۔

حضرت علی شیر خدا حضرت معاویہؓ کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”بلاشبہ اسلام میں سب سے افضل اور اللہ و رسول ﷺ کے لیے سب سے زیادہ مخلص صدیقؓ تھے۔ پھر ان کے بعد خلیفہ فاروقؓ تھے۔ اسلام میں ان کا رتبہ بہت بڑا ہے۔ ان کی وفات سے اسلام کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ اللہ ان دونوں پر رحمت فرمائے اور ان کے اچھے اعمال کی جزا دے“۔ (شرح نہج البلاغہ)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی شادیاں کی تھیں اور آپؓ کی نسل خوب پھلی پھولی شیوخ فاروقی کی بکثرت شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خواہش تھی کہ خاندان اہل بیت رسول ﷺ میں آپؓ کی شادی ہو اور ان کا شمار اہل بیت رسول ﷺ میں ہو جائے۔ آپؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں ان کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہؓ سے شادی کا اظہار فرمایا۔ حضرت سیدہ اس وقت بہت کم سن تھیں لیکن سیدنا علیؓ نے سیدنا عمرؓ کے جذبے کا احترام کرتے ہوئے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ ۱۷ھ میں حضرت سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروقؓ سے ہوا۔ آپؓ نے ۴۰ ہزار درہم مہر ادا کیا۔ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے حضرت عمر فاروقؓ کی دو اولادیں حضرت سیدنا زیدؓ اور حضرت سیدہ رقیہؓ تھیں۔ بقیہ اولادیں حضرت عمرؓ فاروق کی دوسری ازواج سے تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے وصال کے بعد سیدہ ام کلثوم کا دوسرا نکاح حضرت محمد بن جعفر طیار سے ہوا۔

خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے اپنے دور خلافت میں صحابہ کرام کے لیے وظیفہ مقرر کیا۔ حضور اکرم ﷺ

کے چچا حضرت عباسؓ کو ماہانہ دو لاکھ درہم ملا کرتا تھا اور آپ ﷺ کے دوسرے قرابت داروں کو بھی درجہ کے مطابق وظیفہ دیا گیا۔ تمام امہات المومنین میں سے ہر ایک کو دس دس ہزار درہم ماہانہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بارہ ہزار درہم ملا کرتا تھا۔ حضرات حسنین کو پانچ پانچ ہزار درہم دیا گیا۔

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وصال سے قبل حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مشتمل ایک چھ رکنی مجلس شوریٰ منتخب فرمادی تھی تاکہ یہ افراد آپس کے مشورے سے کسی ایک کو مسلمانوں کا خلیفہ منتخب فرمالیں۔ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ آپ دونوں میرے انتخاب کو قبول کرنے کی رضامندی دیدیں تو میں بھی خلافت سے دست بردار ہوجاتا ہوں۔ دونوں بزرگوں نے اپنی رضامندی دیدی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے وقت کے جید صحابہ کرام کے مشورے کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پہ بیعت خلافت کرکے آپؓ کا انتخاب فرمایا۔

نقشہ خاندان و اولاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

فہر (قریش)
غالب
لوی
کعب
مرہ

- کلاب
- قصی
- عبد مناف
- ہاشم
- عبد المطلب
  - عبد اللہ
    - حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ
  - ابو طالب
    - حضرت علی کرم اللہ وجہہ
      - ام کلثوم بنت فاطمہؓ
      - اول نکاح حضرت عمرؓ سے
      - دوم نکاح محمد بن جعفر طیارؓ سے

- عدی
- رزاح
- قرط
- ریاح
- عبد العزیٰ
- نفیل
  - خطاب
    - حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
    - فاطمہ ـــــ زوجین ـــــ سعید
  - عمرو
    - (موحد) زید
      - سعید

اولاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

- از محل اولیٰ: ام المؤمنین حضرت حفصہؓ، عبد الرحمن اکبر، عبد اللہ
  - عبد اللہ (فقیہ)
    - سالم (فقیہ)
- محل چہارم: فاطمہ
- محل دوم: عبید اللہ
- محل پنجم: عاصم
  - دختر زوجہ عبد العزیز اموی
    - خلیفۃ المؤمنین عمر بن عبد العزیز
- لونڈی سے: عبد الرحمن اوسط، عبد الرحمن اصغر، ابو شحمہ، مجیر
- محل ششم ام کلثوم بنت علیؓ سے: زید، رقیہ

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امیر المومنین، خلیفہ سوئم، پیکر حیا، داماد رسول اللہ ﷺ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے چھٹے برس مکۃ المکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کا نام عثمان، کنیت ابوعمر اور ابوعبداللہ تھی، لقب ذوالنورین تھا۔ آپؓ کا سلسلہ نسب امیہ قریش اور عدنان سے ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔

عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش)

حضرت سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کی والدہ ماجدہ بی بی اروی، کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدالشمس کی بیٹی تھیں اور آپ کی نانی ام حکیم البیضاء زوجہ کریز حضور اکرم ﷺ کی سگی پھوپھی تھیں۔ یعنی ام حکیم البیضاء اور حضور اکرم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ سگے اور جڑواں بھائی بہن تھے۔ اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی سگی پھوپھی زاد بہن بی بی اروی کے بیٹے تھے اور حضور ﷺ آپؓ کے قریبی رشتے کے ماموں تھے۔

حضرت سیدنا عثمان غنیؓ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی تحریک و تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ ایمان لانے والوں میں آپ کا چھٹا نمبر ہے۔ آپؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی ان دس خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کا نام لے کر آنحضرت ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد آپؓ نے اپنی دولت کو اسلام پر بے دریغ خرچ کیا۔ جہاد فی المال میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو پانی کی بہت تکلیف تھی۔ پورے مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں بیر رومہ تھا جو ایک یہودی کی ملکیت تھی۔ ایک بار حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص بیر رومہ خرید دے گا وہ جنتی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فوراً چاہ رومہ تیس ہزار درہم میں خرید کر تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

ترمذی شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن خباب کی زبانی لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ لشکر عسرہ کی تیاری فرما رہے تھے۔ اس موقع پر سب سے پہلے حضرت سیدنا عثمان غنیؓ نے ۱۰۰ اونٹ کی پیشکش کی۔ جب حضور اکرم ﷺ نے دوسرے صحابہ کرامؓ کو سامان لشکر فراہم کرنے کی جانب متوجہ فرمایا تو آپؓ نے کہا: "یارسول اللہ ﷺ! دوسو اونٹ مع ساز و سامان کے فی سبیل اللہ میں پیش کروں گا۔" اسی طرح دوسری مرتبہ جب حضور ﷺ نے دوسرے صحابہ کرامؓ کو اس کام کے انجام دینے کی طرف متوجہ کیا تو آپؓ نے کہا: "یارسول اللہ ﷺ! میں ۳۰۰ اونٹ مع ساز و سامان کے فی سبیل اللہ پیش کروں گا۔" یہ سن کر سرور عالم ﷺ منبر سے نیچے اتر آئے اور فرمایا: "اب عثمان کے جرم و گناہ ان کو تکلیف نہ دیں گے۔" جب اللہ کے حبیب ﷺ لشکر عسرہ ترتیب دے چکے تو حضرت سیدنا عثمان غنیؓ نے مزید ایک ہزار اشرفیاں آنحضرت ﷺ کے حضور نذرانہ پیش کیا۔ سرور عالم ﷺ کچھ دیر ان اشرفیوں کو الٹتے پلٹتے رہے اور فرمایا: "آج کے بعد سے عثمان کو کوئی جرم و گناہ نہیں تکلیف نہیں دے سکے

گا۔" آپؓ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ غزوہ تبوک میں ۹۵۰ اونٹ، ۵۰ گھوڑے اور ایک ہزار دینار خدمت نبوی ﷺ میں حاضر کیے۔ جب مسجد نبوی نمازیوں کیلئے چھوٹی پڑ گئی تو آپؓ نے وسیع و عریض قطعہ زمین خرید کر مسجد نبوی میں شامل کیا۔

حضرت سیدنا عثمان غنیؓ سے متعلق حضور ﷺ کی بکثرت احادیث نقل کی گئی ہیں۔ ابن عساکرؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی زبانی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے صحابہ میں عثمان بلحاظ اخلاق مجھ سے بہت مشابہ ہیں۔" آپؓ کی آمد پر آنحضرت ﷺ اپنے کپڑے ٹھیک کر کے فرماتے: "میں اس شخص سے شرم کیوں نہ کروں جس سے فرشتے شرم کرتے ہیں۔" ابن عساکر نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی زبانی لکھا ہے کہ کسی نے حضرت امام سے سیدنا عثمانؓ کی شرم و حیا کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: "حضرت عثمانؓ جب غسل کرنا چاہتے ہیں تو گھر کے دروازے تک بند کر کے کپڑے اتارنے میں شرماتے ہیں اور کپڑا اتارتے وقت بند گھر کے بند کمرے میں شرم کے مارے پیٹھ تک سیدھی نہیں کرتے۔" بعض روایت میں آیا ہے کہ آپؓ کپڑے پہنے ہوئے غسل فرماتے تھے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اَحْیَاھُمْ عُثْمَانُ" (میری امت میں سب سے زیادہ حیادار عثمان ہیں) اور جو کَامِلُ الْحَیَاءِ ہے وہ کَامِلُ الْاِیْمَان ہے۔ آپؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مجلس مشاورت کے رکن رہے۔ حضرت سیدنا ابوبکرؓ نے وصال سے پہلے حضرت عثمان غنیؓ کے مشورے سے حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ منتخب فرمایا تھا۔ سیدنا عثمان غنیؓ کو یہ انفرادیت حاصل تھی کہ آپؓ کی شادی نبی آخر الزماں ﷺ کی دو صاحبزادیوں بی بی رقیہؓ اور بی بی ام کلثومؓ سے ہوئی۔ اس سے پہلے کسی نبی یا پیغمبر کی دو صاحزادیوں کی کسی ایک شخص سے شادی نہیں ہوئی ہے۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا بحالت نابالغی ابولہب کے بیٹے عتبہ اور عتیبہ سے نکاح ہوا تھا۔ ابولہب نے اپنی اسلام دشمنی میں رخصتی سے قبل ہی اپنے دونوں بیٹوں سے طلاق دلوادی تھی۔ پھر اس کے بعد سیدہ رقیہؓ کا نکاح حضرت سیدنا عثمان غنیؓ سے ہوا۔ حضرت عثمانؓ اور بی بی رقیہؓ دونوں ہی بہت حسین و جمیل تھے۔ مکہ میں یہ مشہور تھا کہ سب سے حسین جوڑا جو کسی انسان نے دیکھا ہے وہ رقیہؓ اور عثمانؓ ہیں۔ سیدہ رقیہؓ نے جب اپنے شوہر سیدنا عثمان غنیؓ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی تو حضور ﷺ نے فرمایا: "حضرت لوط علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے ہجرت کرنے والے رقیہ اور عثمان ہیں۔" بی بی رقیہ کے بطن سے سیدنا عثمان غنیؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ تھے جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہوئی۔ ہجرت مدینہ کے دوسرے سال حضرت سیدہ رقیہؓ نے انتقال فرمایا اور ۳ھ کو حضرت عثمان کی شادی سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے ہوئی۔ اس نکاح کے بعد آپؓ کا لقب ذوالنورین یعنی دو نور والے ہوا۔ مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ سیدہ ام کلثومؓ کے نکاح کے وقت آنحضور ﷺ نے حضرت سیدنا عثمانؓ سے فرمایا کہ: "یہ جبرئیل ہیں جو اللہ کا حکم سنا رہے ہیں کہ میں اپنی دوسری بیٹی کا نکاح بھی تم سے کر دوں۔" حضرت ام کلثومؓ نے ۹ھ کو لاولد انتقال فرمایا۔ حضرت سیدہ رقیہؓ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے حضرت زید تھے جو حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسینؓ کے استاد تھے۔

سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے وصال کے وقت اپنے جانشین اور خلیفہ کے انتخاب کے لیے ایسے چھ صحابہ کی کمیٹی بنادی تھی جن سے حضور اکرم ﷺ آخر وقت تک خوش رہے۔ وہ چھ محترم حضرات یہ تھے حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت

عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے شرط لگائی کہ اگر میں عثمان و علی میں سے جس کو چاہوں خلیفہ منتخب کر دوں اور دوسرے فریق اس کو بخوشی قبول کر لیں تو میں بھی خلافت سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ دونوں بزرگوں نے ان کی شرط قبول کر لی۔ حضرت عبدالرحمٰن ؓ بن عوف نے اہل مدینہ سے مشورے کے بعد حضرت عثمان غنی ؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کیا۔ آپ ؓ کی مدت خلافت تمام خلفاء راشدین میں سب سے طویل ہے۔ آپ ؓ نے ۱۲ سال خلافت کی۔ پہلا چھ سال مکمل پر امن و سکون رہا۔ جس میں بکثرت فتوحات ہوئے اور حدود مملکت بہت وسیع ہو گئیں۔ آپ ؓ تقریباً ۲۵ لاکھ مربع پر واقع اسلامی حکومت کے حکمراں تھے۔ آپ ؓ کے آخری دور خلافت میں بدامنی اور شورش کا دار دورہ رہا۔ عموماً پوری مملکت اور خصوصاً مصر اور کوفہ میں بد امنی اپنے انتہا کو پہنچ گئی۔

حضرت سیدنا عثمان غنی ؓ کے خلاف بغاوت کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا۔ جو شہر صنعا کا ایک یہودی تھا۔ مسلمانوں کے عروج و خوشحالی کو دیکھ کر آپ ؓ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ آیا اور بظاہر مسلمان ہو گیا۔ اس نے مسلمانوں کو متفرق کرنے اور مسلم بھائی چارگی کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی سازشیں کرنی شروع کیں۔ سب سے پہلے اس نے اپنے آپ کو اسلام کا سچا حامی اور خیر خواہ ثابت کیا۔ پھر اہل بیت کی محبت اور ہمنوائی کا دعوے دار بن کر ابھرا اور خلافت کے مسئلے کو بڑے شد و مد سے ابھارا۔ نیک، بھولے اور سیدھے سادے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا حامی بنالیا۔ مدینہ منورہ، کوفہ، شام، دمشق اور مصر میں بکثرت لوگوں کو ہم خیال بنالیا۔ آخر کار ۳۵ھ کے ماہ شوال کے بعد مدینہ منورہ باغیوں اور مخالفین عثمان ؓ کی آماجگاہ بن گیا۔ ذی الحجہ کے مہینے میں جبکہ مدینہ منورہ کی بڑی اکثریت حج کے لیے گئی ہوئی تھی۔ سبائی ٹولے نے امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، داماد رسول اللہ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ آپ ؓ کو اپنے ہی مکان میں مقید کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ ؓ کا پانی بند کر دیا گیا۔ باغیوں کا مطالبہ تھا کہ سیدنا عثمان ؓ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ تو آپ ؓ ایک دن باغیوں سے مذاکرات کے خیال سے مکان کے برآمدے میں تشریف لائے اور حتی الامکان سمجھانے کی کوشش کی اور ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔ لیکن جب آپ ؓ نے دیکھا کہ باغی مجھے بہر صورت خلافت سے الگ کرنا چاہتے ہیں یا بصورت دیگر مجھے قتل کر دیں گے، تو آپ ؓ نے فرمایا مجھے اہل شوریٰ اور عامۃ المسلمین نے منتخب کیا ہے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ: "اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمہیں خلعت پہنائیں گے، بعض لوگ یہ خلعت اتارنا چاہیں گے، تم یہ خلعت نہ اتارنا۔" آپ ؓ نے خلافت سے الگ ہونے سے صاف صاف انکار فرمایا۔ مکان کے اندر تشریف لے گئے پائجامہ زیب تن کیا اور تلاوت کلام اللہ میں مشغول ہو گئے۔ حضرت علی ؓ، حضرت طلحہ ؓ، حضرت زبیر ؓ وغیرہ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حضرت سیدنا عثمان غنی ؓ کے پاس تشریف لائے اور باغیوں سے جنگ کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ ؓ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اور کہا کہ: "باغی صرف میری جان کے دشمن ہیں، میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے مسلمانوں کا خون بہے اور دیار رسول ﷺ کی حرمت پر حرف آئے۔ مجھے قتل ہونا منظور ہے۔" احمد نے مغیرہ بن شعبہ کی زبانی لکھا ہے کہ حضرت عثمان ؓ جس زمانے میں محصور تھے۔ میں نے ان کے پاس جا کر کہا: "آپ امیر المومنین ہیں اور آپ موجودہ مصائب میں مبتلا ہیں۔ میں تین مشورے دیتا ہوں اس میں سے کوئی ایک قبول فرمایا جائے تو مناسب ہے۔ اول یہ کہ دشمنوں سے مقابلہ فرمایئے۔ دوم یہ کہ جس دروازے پر دشمن جمع ہیں اس کے علاوہ ہم ایک دروازہ اور بنائے دیتے ہیں اس راستے سے مکہ معظمہ تشریف لے جایئے۔ سوم یہ کہ آپ ؓ شام کا سفر اختیار فرمائیں جہاں حضرت معاویہ ؓ موجود ہیں۔" یہ سن کر حضرت عثمان غنی ؓ نے فرمایا: "میرے لیے ناممکن ہے کہ میں امت مسلمہ کی خون ریزی کروں۔ مکہ معظمہ

اس لیے نہیں جاسکتا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی میں نے خود سنا ہے جو قریشی حرم مکہ میں خون ریزی کرائے گا اور ظلم وستم کرانے کا سبب بنے گا اس پر آدھی دنیا کے باشندوں کا عذاب ہوگا۔ رہا شام جانا تو مقام ہجرت اور رسالت مآب ﷺ کی ہمسائیگی نہیں چھوڑ سکتا۔"

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے حضرات حسنینؓ، حضرت طلحہؓ نے اپنے فرزند محمدؓ اور حضرت زبیرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کا حضرت عثمانؓ کے مکان کے دروازے پر پہرا لگا دیا تاکہ باغی مکان میں داخل نہ ہوسکیں۔ اس سلسلہ میں حضرت امام حسن اور حضرت محمد بن طلحہ بری طرح زخمی ہوئے۔ سیدنا علیؓ کے غلام قنبر کے سر میں تیر لگا جس سے خون جاری ہوگیا۔ باغی دروازے سے داخل نہ ہوسکے تو انہوں نے مکان کے پچھلے حصہ سے خاموشی کے ساتھ مکان میں کود کر خلیفۃ المسلمین حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کو ۱۷ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ شہید کردیا۔ شہادت کے وقت آپؓ روزے سے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔ آپؓ نے پاجامہ پہن رکھا تھا تاکہ حملے کی صورت میں ستر نہ کھل جائے۔

عبدالرزاق نے اپنی تصنیف میں حمید بن ہلال کی زبانی لکھا ہے: "حضرت عثمانؓ کے مکان کو گھیرنے والوں کے مجمع میں سیدنا عبداللہؓ بن سلامؓ آئے اور کہا حضرت عثمانؓ کے قتل کا خیال تک نہ کرو اور بخدا جو کوئی آپؓ کو شہید کرے گا تو یاد رہے کہ آپؓ کا قاتل کوڑھی ہوجائے گا اور بخدا شمشیر الٰہی اب تک نیام میں ہے۔ اگر تم نے حضرت عثمانؓ کو شہید کردیا تو یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تلوار بے نیام کردے گا اور مسلمانوں میں باہمی طور پر ہمیشہ خون ریزی ہوتی رہے گی اور یاد رکھو ایک نبی کے قتل کے عوض ستر ہزار آدمی اور ایک خلیفہ کے عوض ۳۵ ہزار آدمی قتل کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد بہ مشکل پھر باہمی اتفاق ممکن ہوتا ہے۔" (تاریخ الخلفاء)

ابن عساکر نے یزید بن حبیب کی زبانی لکھا ہے: "مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ تمام اشخاص جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے میں حصہ لیا وہ سب دیوانے ہوگئے۔" (تاریخ الخلفاء)

محمد بن سیرین کا ارشاد ہے: "سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد فرشتوں نے اسلامی جنگوں میں مسلمانوں کی امداد کرنا ترک کردی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پہلے تک رویت ہلال میں کبھی اختلاف نہیں ہوا اور حضرت [illegible] کی شہادت کے بعد سے آسمانی افق پر سرخی وشفق نمایاں ہوگئی۔" (تاریخ الخلفاء از علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی)

حضرت مولانا شاہ محمد کبیر ابوالعلاء دانا پوری نے اپنی کتاب "تذکرۃ الکرام" میں لکھا ہے کہ: "حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کی آٹھ ازواج تھیں۔ زوجہ اول سیدہ رقیہؓ جن کے بطن سے حضرت عبداللہ تھے۔ زوجہ دوم سیدہ ام کلثومؓ نے لاولد وصال فرمایا۔ زوجہ سوم ناجیہ بنت مروان۔ زوجہ چہارم ام عمرو بنت جندب۔ زوجہ پنجم فاطمہ بنت ولید۔ زوجہ ششم ام البنین بنت عتبہ۔ زوجہ ہفتم رملہ بنت سعید۔ زوجہ ہشتم نائلہ بنت عبدالعزیٰ۔ آپ کی کل سترہ اولادیں تھیں۔ گیارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں۔

نقشہ خاندان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
عبد مناف
مطلب
ہاشم
عبد الشمس
نوفل
ابو عمرو
ابو عبیدہ
عبد المطلب
ربیع
امیہ
حبیب
ام حکیم بیضاء
عبد اللہ
ابو العاص
حرب
ابو العاص
زوجہ کریز
زوج زینب بنت رسول ﷺ
حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ
صخر (ابو سفیان)
حارث
عفان
کریز زوج
اروی
زوج حضرت صفیہ
ام حکیم بیضاء
زوجہ عفان
عمہ النبی ﷺ
حضرت عثمان غنی
عم النبی ﷺ
حضرت عثمان غنی
داماد رسول ﷺ
حضرت ام المومنین ام حبیبہ
حضرت معاویہ
حضرت یزید
یزید پلید لعین
(قاتل حضرت امام حسین)
عمرو
عبد اللہ اکبر
عبد اللہ اصغر
ابان
خالد
سعید
عتبہ
ولید
شعیب
مغیرہ
عبد الملک
عبد اللہ
زید زوج
مروان
زوج فاطمہ
سکینہ بنت
زوج ام القاسم
بنت امام حسین
امام حسین
بنت امام حسن
رقیہ
محمد الدیباج
قاسم
محمد

امیر المومنین حضرت سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ

امیر المومنین حضرت سیدنا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کا ذکر خیر "شرفا کی نگری" حصہ اول میں تفصیل سے موجود ہے۔ حصہ دوم میں تبرکاً حضرت مولانا شاہ محمد سعید محدث متخلص بہ حسرت عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ منقبت بشان سید الاولیاء حضرت سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ پیش کیا جارہا ہے۔

جوہر نصرت عیاں از تیغ ابروئے علی
شد قوی دین نبی از زور بازوئے علی

ذات پاکش مظہر خاص جناب کبریا است
بین جہاں اللہ در آئینہ روئے علی

گرچہ در ظاہر بسوئے کعبہ رو آوردہ ام
روئے دل دارم بباطن دائما سوئے علی

ہر سحر چوں گل شگفتم دورہ باد صبا
بر امید آنکہ روزے بشنوم بوئے علی

چوں نہ کردے حق بپاس خاطر او رد شمس
مصطفےٰ راتکیہ سربود زانوئے علی

باد یزداں راضی از بوبکرؓ و عثمانؓ و عمرؓ
راضی از ایشاں علی ایشاں رضا جوئے علی

حرمت شیر خدا بخشیں بہ بخشا اے کریم
بیشمار رو خویش را حسرت سگ کوئے علی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کے جلیل القدر اور پیارے صحابی، یکے از اہل بیت اور خادم اہل بیت رسول ﷺ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا نام قبل از اسلام مابہ اور آپ کے والد کا نام بوذخشان تھا۔ آپؓ کا آبائی دین آتش پرستی تھا۔ آپؓ کے والد ملک ایران کے شہر اصفہان میں ایک گاؤں کے سردار تھے۔ آپؓ ماں باپ کے بڑے پیارے اور لاڈلے تھے۔ آپؓ کے باپ ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے اور گھر سے باہر نہ جانے دیتے تھے۔ ایک دن آپؓ کے باپ نے علالت کی وجہ سے آپؓ کو کھیت پر مزدوروں کے کام کی نگرانی کے لیے تنہا بھیجا۔ سر راہ آپؓ ایک گرجا کے قریب سے گزرے۔ عیسائیوں کی عبادت کا طریقہ پسند آیا۔ آتش پرستی سے نفرت ہوئی اور آپؓ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا جب یہ بات باپ کو معلوم ہوئی تو اس نے آپؓ کو پابہ زنجیر کر کے ایک کمرہ میں ڈال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کو ایک دن موقع ملا اور آپؓ باپ کی قید سے نکل کر ملک شام کی طرف فرار ہو گئے۔ اور ایک عیسائی پادری کی خدمت میں لگ گئے۔ اس عیسائی پادری کا نام اسقف تھا۔ جو ایک دنیادار لالچی پادری تھا۔ لیکن ملک شام میں بڑا اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ آپ اس کے متعلق جانتے ہوئے بھی اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جب اسقف مر گیا تو آپ نے شہر کے تمام عیسائیوں کو جمع کر کے اس پادری کی تمام دولت لا کر سامنے رکھ دی جو عوام خیرات اور رفاہی کاموں کے لیے اس پادری کو دیا کرتے تھے۔ لوگوں کو بہت غصہ آیا۔ انہوں نے پادری کی لاش کو سولی پر لٹکا کر سنگسار کیا۔ اور ایک دوسرے نیک و شریف شخص کو پادری بنایا۔ یہ شخص بڑا قابل اور عبادت گزار تھا۔ حضرت سلمانؓ فارسی بڑے انہماک سے اس کی خدمت میں لگے رہے۔ اور اس سے عیسائی مذہب کا علم اور کتابی درس حاصل کرتے رہے۔ جب وہ پادری مرنے لگا تو اس نے آپ کی خواہش کے مطابق آپؓ کو موصل کے ایک پادری کا پتہ دیا اور کہا کہ یہ پادری عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح دین پر ہے تم ان سے جا کر علم سیکھنا اور ان کی خدمت کرنا۔ آپ اس پادری کے مرنے کے بعد شام سے موصل چلے آئے اور اس کے بتائے ہوئے پادری کی خدمت کرنے لگے۔ جب یہ پادری بوڑھا ہو کر مرنے کے قریب ہوا تو اس نے آپ کو نصیبین کے ایک پادری کے متعلق بتا دیا۔ آپؓ نصیبین پہنچے اور وہاں کے پادری سے عرصہ دراز تک کسب علم کرتے رہے۔ جب نصیبین کا پادری مرض الموت کا شکار ہوا تو آپؓ نے دریافت کیا کہ تمہارے بعد میں کس کے پاس جا کر اپنے علم کی پیاس بجھاؤں۔ اس پادری نے عموریہ کے ایک پادری کا پتہ بتایا اور آپؓ عموریہ جا پہنچے۔ جب عموریہ کے پادری کا انتقال ہونے لگا تو اس نے کہا کہ میری نظر میں اس وقت پوری عیسائی دنیا میں کوئی پادری درست نہیں۔ میں اپنے بعد اب کسی کو نہیں جانتا جو عیسیٰ علیہ السلام کے سچے مذہب پر ہو۔ اس وقت دین عیسائی پر قائم رہنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ کتاب جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی تحریف کر دی گئی ہے۔ اس لیے میں کس کے پاس تمہیں بھیجوں۔ ہاں تمہیں نبی آخر الزماں ﷺ کے ظہور کی خبر دیتا ہوں۔ بہت جلد وہ عرب کی دنیا میں ظاہر ہوں گے۔ مجھے صحیح علم تو ان کے مقام ظہور کا نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک ایسے خطہ زمین پر ہجرت کر کے آئیں گے جو دو پتھریلی زمینوں کے درمیان ہوگی۔ اس شہر میں بکثرت کھجور کے درخت ہوں گے۔ اللہ کے اس آخری نبی کی پہچان یہ ہے کہ وہ صدقہ

خود استعمال نہیں کریں گے۔ ہدیہ (نذرانہ) قبول فرمائیں گے اور ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اب اس فکر میں تھے کہ کسی طرح عموریہ سے عرب کی سرزمین میں پہنچ جائیں۔ اس دوران آپؓ کے ساتھ بہت سارے واقعات پیش آتے رہے۔ آخر قبیلہ بنوکلب کے قافلے کے ساتھ آپ ہو لیے جو ملک عرب جا رہا تھا۔ قافلہ والوں نے آپ کے ساتھ دھوکہ کیا آپ کے مال مویشیوں کو چھین کر آپؓ کو فروخت کردیا۔ اس طرح آپؓ بارہ مرتبہ فروخت ہوئے اور غلامی کی زندگی گزارتے رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپؓ کا آخری آقا مدینہ کا ایک یہودی تھا۔ جب آپؓ اپنے آقا کے ہمراہ مدینہ شریف پہنچے تو اپنے پادری استاد کے بتائے ہوئے آثار کے مطابق اس شہر کو پایا اور بہت خوش ہوئے کہ اللہ نے انہیں قسمت سے صحیح مقام پر پہنچا دیا ہے۔

ایک دن سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھجور کے باغ میں ایک کھجور کے درخت پر کام کر رہے تھے اور آپ کا آقا درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور آپ کے مالک سے کہنے لگا: "خدا بنو قیلہ (انصار مدینہ) کو غارت کرے سب کے سب قباء میں ایک شخص کے پاس بھاگے جا رہے ہیں۔ جو مکہ سے آیا ہے اور نبوت کا مدعی ہے۔ ان لوگوں نے اس شخص کو سچا مان لیا ہے۔" آپؓ نے جب یہ خوشخبری سنی تو مارے خوشی کے آپ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ درخت سے کود پڑے اور اس آدمی سے مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے دریافت کیا کہ تم کیا کہہ رہے ہو ذرا تفصیل سے بیان کرو۔ آپ کے آقا نے آپؓ کو ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور کہنے لگا تجھے اس سے کیا مطلب تو اپنا کام کر۔ آپؓ خاموش رہے اور موقع کی تلاش میں رہے۔ ایک دن موقع پا کر کچھ کھجور لے کر اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "یہ صدقہ ہے اسے قبول فرمایئے۔" حضور اکرم ﷺ نے کھجور لے کر مستحقین میں تقسیم کر دیا اور خود اس میں سے نہیں کھایا۔ دوسرے روز حضرت سلمان فارسیؓ پھر حاضر خدمت ہوئے کھانے کی چیزیں پیش کر کے عرض کیا کہ "یہ ہدیہ ہے اسے قبول فرمائیں۔" آنحضرت ﷺ نے اسے قبول فرمایا خود بھی تناول فرمایا اور حاضرین کو بھی کھلایا۔ اس طرح آپ نے نبی ﷺ کی دو نشانیوں کا مشاہدہ کر لیا۔ اب اس فکر میں رہے کہ کسی طرح دوش مبارک پر مہر نبوت دیکھ لیں۔ ایک دن حضور اکرم ﷺ ایک جنازہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت سلمان فارسی بھی اس موقع پر موجود تھے اور آپ ﷺ کی پشت کی جانب کھڑے تھے۔ حضور ﷺ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا آؤ تم جس فکر میں ہو دیکھ لو اور اپنی پشت سے چادر ہٹالی حضرت سلمان فارسی وفور شوق میں آگے بڑھے مہر نبوت کو بوسہ دیا اور رونے لگے۔ آپ روتے جاتے تھے اور اپنی زندگی کی سرگزشت سناتے جاتے تھے۔ آپؓ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہوئے حضور اکرم ﷺ نے آپ کا اسلامی نام سلمان رکھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ غزوہ بدر اور احد سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن غلامی کی زنجیر آپ کے پیروں میں تھی اور آپؓ کا آقا بڑا ظالم تھا۔ اس لیے آپؓ ان غزوات میں شرکت نہ کر سکے۔ آخر حضور اکرم ﷺ کا اشارہ پاتے ہی آپ نے تین سو پودے کھجور کے لگانے اور ۴۰ اوقیہ سونا کے عوض اپنی آزادی کا معاہدہ آقا سے کر لیا۔ حضور ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے یہودی کے باغ (☆☆) میں تین سو درخت لگا دیئے۔ ایک غزوہ میں مال غنیمت میں سونا حاصل ہوا۔ حضرت محمد ﷺ نے وہ سونا حضرت سلمانؓ کو دیا کہ

(☆☆) یہ باغ اب تک مدینہ منورہ میں موجود ہے۔ راقم سید قیام الدین جب ۱۹۹۳ء میں حج پر گیا تھا تو اس باغ کی زیارت بھی کی تھی اور وہاں کی متبرک مٹی بھی ساتھ لایا جو اب تک میرے پاس ہے۔

یہ سونا اپنے آقا کو دے کر آزادی حاصل کرلو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ غلامی سے نجات پاکر آنحضرت کے قدموں میں آگئے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی غلامی کو اپنا شعار بنالیا۔ ہر لمحہ حضور اکرم ﷺ اور ان کے اہل بیت کی خدمت کے لیے موجود ہوتے۔ تمام غزوات اور اسلامی جنگوں میں دوسرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ شانہ بشانہ حصہ لیتے۔ غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے یہ طے ہوا کہ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر ہی دفاع (Defence) کیا جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ دشمن سے بچاؤ کے لیے خندق کھودی جائے۔ اور آپ نے خندق کھودنے کا طریقہ بھی بتایا۔ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے آپ کے اس مشورہ کو پسند فرمایا۔ اس زمانہ میں شہر مدینہ منورہ کے ایک طرف پہاڑیاں تھیں اور ایک طرف مکانات کی دیواریں تھیں۔ جس طرف کھلی جگہ تھی جہاں سے دشمن کے حملے کا امکان تھا۔ اس طرف پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھودی گئی۔ خندق کی کھدائی کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان یہ بحث چھڑی کہ سلمان مہاجر ہیں یا انصار۔ مہاجرین کہتے تھے کہ یہ ایران سے ہجرت کر کے آئے ہیں اس لیے مہاجر ہیں۔ انصار کہتے کہ وہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں اس لیے انصاری ہیں۔ جب حضور اکرم ﷺ کو مباحثے کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا ﴿سلمان منا اھل البیت﴾ "سلمان اہل بیت سے ہیں۔" چونکہ حضور ﷺ نے آپ کو اہل بیت میں شامل فرمایا تھا۔ اس لیے آپؓ نے ساری زندگی زکوٰۃ، خیرات، فطرہ اور صدقہ سے پرہیز کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ نے تقریباً تمام جنگوں میں شرکت کی۔ سیدنا عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں مدائن کا آپ کو حاکم (گورنر) بنایا اور چار ہزار درہم تنخواہ مقرر کی۔ آپ اپنی ساری تنخواہ غریبوں میں تقسیم کردیتے اور چٹائی بن کر اپنی روزی کماتے۔ چٹائی سے جو رقم ملتی اس میں سے ایک تہائی صدقہ کردیتے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے طویل عمر پائی۔ آپ کا وصال حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں مدائن میں ہوا۔ اور وہیں آپ کا مزار اقدس ہے۔ مرض الموت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عیادت کے لیے آئے۔ حضرت سلمان فارسی رونے لگے حضرت سعد نے تسلی دی کہ حضور ﷺ تم سے وقت آخر تک راضی رہے ہیں۔ انشاءاللہ اب جنت میں اللہ کے حبیب ﷺ سے ملاقات کروگے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہنے لگے "واللہ کی قسم میں موت سے نہیں گھبرا رہا نہ مجھے اب دنیا میں رہنے کی خواہش ہے میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ دنیا جمع نہ کرنا اور دنیا سے ایسے رخصت ہونا جیسے میں جا رہا ہوں اب میرے پاس دنیا جمع ہوگیا ہے ڈر ہے کہ کہیں اپنے آقا کے جمال سے محروم نہ ہو جاؤں۔" یہ سامان جس کی وجہ" وہ رو رہے تھے صرف ایک بڑا پیالہ، لوٹا، پرانا کمبل اور ایک تسلا تھا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے علی، مقداد، سلمان اور ابوذر۔" ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا "سلمان ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنت بھی جن کی مشتاق ہے۔"

ائمہ اہل سنت والجماعت اور ان کی تقلید

مسلمانوں کے دینی اور مذہبی معلومات اور تعلیم کے لئے تین اہم ذرائع ہیں۔ اول قرآن حکیم فرقان مجید، دوم سنت و حدیث نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ، سوم قیاس و اجتہاد (فقہ)۔ مسلمانان عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیوی مسائل کے حل کے لئے ان تین علوم اسلامی اور ان علوم کے جاننے والے علماء سے رجوع کیا کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

۱۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر کی اطاعت کرو۔

۲۔ اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو......

قرآن : قرآن حکیم فرقان مجید اللہ جل شانہ کی آخری کتاب ہے۔ جس میں تمام جہانوں کے انسانوں اور ہر زمانے کے لئے مکمل احکام خداوندی موجود ہے۔ یہ آخری آسمانی کتاب، اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر ۲۳ سالوں میں ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوئی۔ قرآن وحی خداوندی ہے، یہ انسانی کلام نہیں۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اللہ کی وحی پیغمبروں تک پہنچانے کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ قرآن بھی وحی کی صورت میں حضور اکرم ﷺ پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے اتارا گیا۔

قرآن کی جو سورتیں یا آیتیں حضرت جبرئیلؑ آپ ﷺ کے پاس لے کر آتے آپ ﷺ اس کو زبانی یاد کرلیا کرتے تھے اور بعد میں دوسرے صحابہ کرامؓ کو یاد کروادیتے، ساتھ ہی ان صحابہ کرامؓ کو جو لکھنا جانتے تھے لکھوادیتے۔ قرآن کو یاد کرنے والے صحابی، حافظ اور لکھنے والے کاتب وحی کہلاتے تھے۔ اس طرح قرآن کو یاد کرنے اور لکھنے کا علم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی زندگی ہی میں جاری ہوا۔

حدیث نبوی ﷺ : اللہ کے آخری نبی ﷺ نے سوائے قرآن مجید فرقان حمید کے کوئی دوسری چیز تحریری شکل میں نہیں چھوڑی۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی قرآن کا عملی نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے قرآن کے ہر ہر احکام پر عمل کرکے دکھایا۔ جب کسی صحابی یا صحابیہ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا یا قرآن کی کوئی آیت یا حکم سمجھ میں نہ آتی تو حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کے مسائل کا حل بتاتے اور قرآن کی تفسیر و تشریح بیان فرماتے۔ آپ ﷺ کے ایسے تمام اعمال و اقوال اور بیانات کو سنت اور حدیث کہا جاتا ہے۔ عموماً تمام صحابہ کرامؓ اور خصوصاً اصحاب صفہ حضور اکرم ﷺ کے ہر ہر قول کو زبانی یاد کرلیا کرتے اور ایک ایک عمل کو اپنی زندگی میں اپنالیا کرتے تھے۔ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے اقوال و بیانات کو یاد کرنے والوں اور آپؐ کے اعمال کو ہر لمحہ پیش نظر رکھنے والوں کو حامل حدیث یا راوی حدیث کہا جاتا ہے۔ حافظ قرآن کی طرح حامل حدیث کی ایک بہت بڑی جماعت حضور ﷺ کی زندگی ہی میں تیار ہوگئی تھی (ویسے چند صحابہ کرامؓ نے اپنے طور پر احادیث کے چند مجموعے حضور ﷺ کی زندگی میں مرتب کرلئے تھے) حدیث نبوی ﷺ ہے۔

۱۔ تم مجھے دیکھ کر میری اقتداء کرو تمہارے بعد والے تمہیں دیکھ دیکھ کر اقتداء کریں گے۔

۲۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن بھیجا تو فرمایا کہ جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کرونگا۔ فرمایا اگر مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو؟ تو عرض کیا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر کتاب اللہ اور سنت دونوں میں نہ ملے؟ عرض کیا اس وقت اپنی رائے سے اجتہاد و استنباط کروں گا اور (حق تک پہنچنے کی کوشش میں) کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے (فرط مسرت سے) حضرت معاذؓ کے سینے پر اپنا دست مبارک مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے۔ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کے اس قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔

اجتہاد و استنباط : انسان جب تک دنیا کی فضاء میں سانس لیتا رہتا ہے۔ قسم قسم کے مسائل سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ زندگی میں بعض ایسے مسائل بھی آتے ہیں جن کے متعلق احکامات قرآن و حدیث میں تفصیل سے نہیں ملتے۔ ایسے حالات میں وقت کے متبحر عالم سے رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے جو قرآن و حدیث کے علم میں یگانہ روزگار ہوں۔ ایسے نازک مرحلے پر صلحاء و مجتہدین قرآن و حدیث کی روشنی میں پورے خلوص و دیانت داری کے ساتھ اپنی رائے سے مسئلے کے حل کا فتویٰ دیتے ہیں اور اسی کو استنباط و اجتہاد کہتے ہیں۔

""حضرت ابو الاسودؒ فرماتے ہیں کہ معاذ بن جبل یمن میں تھے۔ لوگ ان کے پاس یہ مسئلہ لے گئے کہ ایک یہودی اپنے پیچھے اپنا ایک مسلمان بھائی چھوڑ کر مر گیا (آیا اس کا مسلمان بھائی وارث ہوگا یا نہیں) حضرت معاذ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اسلام زیادہ کرتا ہے کم نہیں کرتا (لہٰذا میرے نزدیک مسلمان ہونے کی بنا پر یہودی کے بھائی کو میراث سے محروم نہیں کیا جائے گا) چنانچہ حضرت معاذ بن جبل نے اسے میراث دلوائی۔

اس موقع پر سیدنا معاذ نے ایک ایسی دور کی حدیث سے استدلال فرمایا جس کا موضوع بظاہر یہ نہیں ہے بلکہ یہ ان کا اجتہاد تھا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور حضور نبی کریم ﷺ کی مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنی زندگی میں قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ ائمہ مجتہدین کے فیصلے کے مطابق اپنے تمام مسائل حل کریں۔ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے وصال کے بعد جو صحابہ کرامؓ تحصیل علم میں زیادہ وقت صرف نہیں کر سکتے تھے یا اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے وہ دوسرے فقہاء کو دیکھ کر یا پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے۔

""سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! جو شخص قرآن کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہو وہ ابی بن کعب کے پاس جائے، جو میراث کے احکام کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابت کے پاس جائے اور جو شخص فقہ کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ میرے پاس آجائے۔ اس لئے کہ اللہ نے مجھے اس کا والی اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔"

""صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ہزیل بن شرحبیل سے ایک واقعہ مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کچھ لوگوں نے

ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب تو دے دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی پوچھ لو۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس گئے اور وہ مسئلہ پوچھا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی رائے کا بھی ذکر کیا۔حضرت عبداللہ بن مسعود نے جو فتویٰ دیا وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے خلاف تھا جب لوگوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے حضرت ابن مسعود کے فتویٰ کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: جب تک یہ متبحر عالم (عبداللہ بن مسعود) تمہارے درمیان موجود ہیں اس وقت تک مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔"

قرآن وحدیث کی رو سے ہم اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے لے کر آج تک ہماری رہنمائی کے لئے قرآن وحدیث اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادی فیصلے موجود ہیں اور ہمارے لئے ان کی شخصی تقلید ضروری ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی اپنی کتاب "تقلید کی شرعی حیثیت" میں تقلید شخصی سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: "فقہاء کرام نے (دوسری صدی کے اختتام پر) محسوس فرمایا کہ لوگوں میں دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے، احتیاط اور تقویٰ اٹھتے جارہے ہیں ایسی صورت میں اگر تقلید مطلق کا دروازہ چوپٹ کھلا رہا تو بہت سے لوگ جان بوجھ کر اور بہت سے غیر شعوری طور پر خواہش پرستی میں مبتلا ہوجائیں گے۔مثلاً ایک شخص کے سردی کے موسم میں خون نکل آیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ گیا اور امام شافعی کے نزدیک نہیں ٹوٹا، وہ (شخص) اپنی تن آسانی کی وجہ سے اس وقت امام شافعی کی تقلید کرکے بلاوضو نماز پڑھ لے گا، پھر اس کے تھوڑی دیر بعد اگر اس نے کسی عورت کو چھولیا تو امام شافعی کے نزدیک اس کا وضو جاتا رہا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک برقرار ہے۔اس (شخص) کی تن آسانی اس موقع پہ اسے امام ابوحنیفہ کی تقلید کا سبق دے گی اور پھر وہ بلا وضو نماز کے لئے کھڑا ہوجائے گا۔غرض جس امام کے قول میں اسے آرام اور فائدہ نظر آئے گا اسے اختیار کرے گا اور جس قول میں اس کو مضرت نظر آئے گا یا خواہش کی قربانی دینی پڑے اسے چھوڑ دے گا۔ظاہر ہے اس قسم کی باتوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ احکام شرعیہ نفسانی خواہشات کا ایک کھلونا بن کر رہ جائیں گے اور یہ وہ چیز ہے جس کے حرام قطعی ہونے میں آج تک کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہوا۔"

ائمہ اہل سنت والجماعت چار ہیں جن میں سے کسی ایک کی تقلید ہمارے لئے واجب ہے۔

(۱) امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ (۲) حضرت امام مالکؒ

(۳) حضرت امام شافعیؒ (۴) حضرت امام احمد بن حنبلؒ

ائمہ اہل بیت اہل سنت و الجماعت کیلئے مقتدر اور محترم ہیں اور ان کی تقلید کی جاسکتی ہے۔لیکن افسوس ان کے فقہ اور طریقہ کار کو اصلی حالت میں باقی نہ رہنے دیا گیا اور ان کی تعلیمات میں ایسی ایسی بے سروپا باتوں کو شامل کردیا گیا جو سراسر قرآن وسنت کے منافی ہیں۔ اس لئے ہم تمام مسلمان ائمہ اہل بیت رسول مقبول ﷺ کے ذاتی اقوال وافعال سے اپنی اسلامی زندگی کے لئے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کو حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادقؒ کے شاگرد ہونے پر فخر تھا۔

امامِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام نعمان، کنیت ابوحنیفہ اور لقب امامِ اعظم تھا۔ ثابت بن زوطی بن ماہ کے بیٹے تھے۔ آپ کے پوتے حضرت اسماعیل اپنا شجرہ نسب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"میں اسماعیل بن حمّاد بن نعمان (ابوحنیفہ) بن ثابت بن نعمان (زوطی) بن مرزبان (ماہ) ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس (ایران) سے ہیں، اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے، ہمارے دادا حضرت ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی پیدائش کے وقت بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بحیات تھے۔ جن کی آپ نے کم عمری اور نوجوانی میں زیارت فرمائی۔ اس طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا شمار اپنے وقت کے جید تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ نے جن مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ان میں حضرت انس بن مالکؓ (متوفی ۹۳ھ)، حضرت سہل بن سعدؓ (متوفی ۹۱ھ) اور حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ (متوفی ۱۱۰ھ) کا نام احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت انس بن مالک کی ملاقات پر تو تقریباً تمام تذکرہ نگار اور سوانح نگار متفق ہیں۔

حضرت شیخ فریدالدین عطار نے "تذکرۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ آپ نے اپنی کنیت اپنی صاحبزادی حنیفہ کی نسبت سے ابوحنیفہ رکھا، لیکن علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس سے انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام صاحب کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہیں تھا، بلکہ آپ نے قرآن مجید کی اس عبارت "فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا" (سو ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو جو ایک خدا کے ہو رہے) کی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔

امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کا خاندان ایران کا تھا۔ آپ کے دادا طاؤس جن کا لقب زوطی تھا مسلمان ہوئے اور ان کا اسلامی نام نعمان رکھا گیا۔ حضرت نعمان زوطی کا سلسلہ نسب نوشیروان عادل فرمانروائے ایران سے ہوتا ہوا منوچہر فارسی تک پہنچتا ہے۔ حضرت نعمان مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد ایران سے عراق کے شہر کوفہ چلے آئے۔ یہ زمانہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا تھا اور کوفہ علوم اسلامی کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔ اس شہر میں ایک ہزار سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جمع تھے اور یہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت حذیفہؓ بن یمان جیسی بزرگ ہستیوں نے اپنی اپنی مسند درس سجا رکھی تھی۔ حضرت امام کے دادا اکثر اپنے کمسن صاحبزادے حضرت ثابت کے ہمراہ خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے دادا نے آپ کے والد کو شیر خوارگی کے زمانہ میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں پیش فرمایا اور امیرالمومنین نے انہیں خیر و برکت کی دعا دی۔ حدیث میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا لعاب دہن حضرت انس بن مالکؓ کے منہ میں امانت رکھی جو حضرت انسؓ نے

حضرت امام کی پیدائش یران کے مندمیں ہوئی۔ واللہ اعلم

حضرت امام ابوحنیفہ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے دادا اور والد کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ ایک متمول تاجر اور خوشحال گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب "سیرت النعمان" میں تحریر فرماتے ہیں: "تجارت باپ دادا کی میراث تھی اس لئے خزبافی کا کارخانہ (ٹیکسٹائل مل) قائم کیا اور حسن تدبیر سے اسے بہت کچھ ترقی دی لیکن سلیمان کے عہد خلافت میں جب درس و تدریس کے چرچے عام ہوئے تو ان کے (حضرت امام کے) دل میں بھی ایک تحریک (تعلیم حاصل کرنے کی) پیدا ہوئی۔"

آخر آپ حضرت امام شعبی کی نصیحت پر باضابطہ تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے اور بڑی مختصر مدت میں تمام علوم اسلامی جو اس زمانہ میں مروج تھے کامل دستگاہ حاصل کرلی۔ آپ حافظ قرآن اور تمام علوم قرآنی سے واقف تھے۔ چار ہزار محدثین آپ نے روایت کی ہیں۔ علم کلام وغیرہ سے بھی آپ آگاہ تھے۔ آپ تجارت کے سلسلہ میں اکثر بصرہ جایا کرتے تھے، جو خارجیوں (۱) کا مرکز تھا۔ اور جہاں بحث و مناظرہ کا بازار گرم رہتا تھا۔ آپ نے وہاں شیعوں، خارجیوں اور معتزلیوں (۲) کے درمیان مناظروں میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ لیکن جلدی آپ کی طبیعت بحث و مباحثے سے اچاٹ ہوگئی اور آپ پوری یکسوئی کے ساتھ علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنی ساری زندگی علم فقہ کی ترقی و اشاعت کے لئے وقف کردی۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ نے کوفہ، بصرہ، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے تقریباً چار ہزار شیوخ اور فقہاء سے علوم اسلامیہ کی تعلیم حاصل کی۔ علم فقہ میں آپ حضرت حماد کوفی کے شاگرد رشید تھے۔ جنہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے براہ راست استفادہ کیا تھا۔ حضرت امام فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حمادؒ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ آپ نے اپنے ایک صاحبزادے کا نام اپنے استاد کے نام پر حماد رکھا۔ علامہ شبلی نعمانی نے "سیرۃ النعمان" میں حضرت حماد کے درس میں شامل ہونے کا واقعہ تحریر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: "اس وقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو (Lecture) کرتا تھا۔ جس کو شاگرد یاد کرلیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے۔ امام ابوحنیفہؒ پہلے دن بائیں جانب صف میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کے لئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہوگیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہمسر نہیں تو حکم دیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

حضرت امام کامل اٹھارہ سال حضرت حمادؒ کے درس میں شریک رہے اور فقہ کی وہ تعلیم جس کا سلسلہ حضرت معلم انسانیت ﷺ اور اس میدان کے استاذ کل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے چلا آتا تھا کو امام اعظم نے اپنی گرفت میں لے لیا بعد وصال حضرت حماد (۱۲۰ھ) آپ ان کی مسند درس پر رونق افروز ہوئے اور تاحیات علم فقہ کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔

حضرت امام اعظم نعمان بن ثابتؓ جب مکہ معظمہ تشریف لے گئے اس وقت حضرت عطاء بن ابی رباحؒ وہاں کے سب سے بڑے معلم تھے۔ آپ نے ان کے درس میں شامل ہونا چاہا تو حضرت عطاء نے باضابطہ آپ کا انٹرویو لیا اور پوچھا تمہارا عقیدہ کیا ہے۔ آپ نے جواب

---

(۱) وہ فرقہ جو حضرت علیؓ کو اور حضرت معاویہؓ دونوں کو کافر اور قابل قتل سمجھتا تھا۔

(۲) وہ فرقہ جو قرآن کو مخلوق سمجھتا تھا۔

دیا: اسلاف کو برا نہیں کہتا، گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا، قضاء و قدر کا قائل ہوں۔ حضرت عطاء نے سنا اور درس میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ آپ نے حضرت عطاء بن ابی رباحؒ جیسے مجمع البحرین محدث سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعیدؓ اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے علوم قرآنی اور حدیث حاصل کئے۔ حضرت امام جب مدینہ شریف پہنچے تو حضرت امام باقرؓ کی خدمت میں استفادے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی اور لوگوں نے آپ کو "قیاسی" مشہور کر دیا تھا۔ جب آپ حضرت امام محمد باقرؓ کے دردولت پر حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: "تم ہی قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو؟" حضرت امام ابوحنیفہ نے جواب دیا: "معاذ اللہ، حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے، پھر آپ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے اور فرمایا:

ابوحنیفہؒ: مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام محمد باقرؓ: عورت۔

ابوحنیفہؒ: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

امام محمد باقرؓ: مرد کا۔

ابوحنیفہؒ: میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ حصہ ملنا چاہئے۔

پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام محمد باقرؓ: نماز۔

ابوحنیفہؒ: اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضاء واجب ہونی چاہئے نہ کہ روزہ کی، حالانکہ میں روزہ کی قضاء کا فتویٰ دیتا ہوں۔

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور مسرت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر حضرت ابوحنیفہ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ حضرت ابوحنیفہؒ ایک مدت تک مدینہ شریف میں مقیم رہے اور حضرت امام محمد باقرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادقؓ سے تحصیل علم کرتے رہے۔ حضرت ابوحنیفہ بڑے ذہین و فطین اور بیدار مغز بزرگ تھے۔ بڑے بڑے علماء، مشائخ، فقہاء اور مجتہدین آپ کے خوشہ چیں تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دو حدیثیں آپ کے متعلق بہت مشہور ہیں۔

۱۔ ابونعیم نے "حلیہ" میں بروایت سیدنا ابوہریرہؓ نقل فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر علم ثریا میں بھی پہنچ جائے تو فارس کے جوانمردوں میں سے ایک اس تک پہنچ جائے گا۔" (حضرت امام کا خاندان فارس کا تھا اور ایرانی نسل کا کوئی شخص آپ سے بڑھ کر صاحب علم نہیں ہوا)

۲۔ علامہ ابن حجر مکی نے روایت کی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ عالم کی رونق ۱۵۰ھ میں اٹھ جائے گی۔ (مفسرین حدیث اس کو حضرت امام کی طرف منسوب کرتے ہیں اس لئے کہ آپ ۱۵۰ھ میں شہید ہوئے)

۳۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہؓ جب روضہ پرنور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر حاضر ہوئے اور عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے زبان سے السلام علیک یا سید المرسلین عرض کیا تو سرکار دوعالم ﷺ نے جواب سے یوں مشرف فرمایا:"وعلیکم السلام یا امام المسلمین"۔

۴۔ایک بار خواب میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا:"اے ابوحنیفہ! اٹھ تجھے اللہ تعالیٰ نے میری سنت ظاہر کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے۔عزلت گزینی چھوڑ دے۔"

۵۔حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں:"بخدا میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا اگر وہ دعویٰ کرتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو عقلی دلیل سے اسے ثابت کرکے دکھاتے۔"

۶۔حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ:"تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؓ کے محتاج ہیں۔"

۷۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا دعویٰ ہے:"امام ابوحنیفہؒ زہد و تقویٰ اور اختیار آخرت میں ایسے مقام پر فائز تھے جسے کوئی دوسرا حاصل نہیں کرسکتا۔"

۸۔حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا، عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کو (محشر میں) کہاں تلاش کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ابوحنیفہ کے جھنڈے کے پاس۔

۹۔مشہور مورخ محمد بن اسحاق تحریر فرماتے ہیں:"علم بر و بحر، مشرق و مغرب، بعد و قرب میں جتنا بھی مدون ہوا ہے (یعنی تحریری شکل میں لایا گیا ہے) وہ امام ابوحنیفہؒ کا مدون کیا ہوا ہے۔"

حضرت امام ابوحنیفہؓ نے تمام عرب و عجم کو اپنے علوم سے اس طرح فیضیاب کرنا شروع کیا کہ ہر جگہ آپ ہی کا چرچا ہونے لگا۔ آپ جہاں تشریف لے جاتے لوگ امڈ پڑتے۔سوائے اسپین کے دنیا کے تمام اسلامی ملکوں سے طلباء کی جماعت جوق در جوق کوفہ میں آپ کی درس گاہ میں پہنچ رہے تھے۔یوں تو آپ کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے۔لیکن مشہور و معروف شاگردوں میں حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ، حضرت امام داؤد طائیؒ، حضرت ذفر بن ہذیلؒ اور حضرت فضیل بن عیاضؒ وغیرہم وہ یگانہ روزگار بزرگ تھے جنہوں نے امام اعظم کے مشن کو مکمل کیا، فقہ حنفی کو بام عروج پر پہنچایا اور اسے اسلامی دنیا کے گوشے گوشے تک پھیلا دیا۔امام اعظم امام ابوحنیفہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو تحریری شکل دی اور اس علم کو مدون فرمایا۔آپ نے تمام علوم اسلامی اور خصوصاً فقہ کی تدوین کا بیڑا اٹھایا۔مولانا عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ اپنے ایک مضمون میں "فتاویٰ سراجیہ" کا حوالہ پیش کرتے ہیں:

"امام ابوحنیفہؓ کے برابر کسی کے تلامذہ نہیں ہوئے۔آپ نے اپنے مذہب کی بنا اجتماعی مشورے پر رکھی۔آپ نے انفرادی طور پر مسائل حل نہیں کئے بلکہ ایک ایک مسئلہ اپنے اصحاب پر پیش فرماتے اور اس پر ان سے گفتگو فرماتے، یہاں تک کہ کوئی ایک قول طے پاجاتا تو امام ابویوسف لکھ لیتے۔"

علامہ مکی "المناقب" میں لکھتے ہیں:"آپ نے اپنے مسلک کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے ٹھونسنی

نہیں جاتی۔ اس سے آپ کا مقصود یہی کاوش اور خدا اور رسول ﷺ سے تعلق خلوص میں امکانی حد تک کوشاں رہنا تھا۔ آپ ایک ایک مسئلہ پیش کر کے تلامذہ کے جواب سنتے تھے پھر اپنا مافی الضمیر بیان فرماتے۔ ضرورت کا تقاضا ہوتا تو ان سے تبادلہ افکار کرتے۔ جب ایک قول پر تحریات ٹھہر جاتی تو امام ابو یوسف اسے "اصول" میں درج کر لیتے۔ اس طرح انہوں نے سب اصول تحریر کر لئے۔"

مختصر یہ کہ تمام اسلامی علوم کو سب سے پہلے تحریری شکل میں لانے کا سہرا حضرت امام ابو حنیفہؓ اور ان کے لائق شاگردوں کے سر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی تصنیف براہ راست حضرت امام کے نام نہیں بلکہ آپ کے شاگردوں نے آپ کی زیر سرپرستی آپ کے اقوال آپ کی زندگی میں لکھے اور امام ابو حنیفہؒ نے کبھی کبھی نظر ثانی بھی فرمائی۔ اس لئے مسلک حنفی کو کتابی شکل امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کتاب لکھنے کا رواج جب پڑا اس وقت آپ کافی ضعیف ہو چکے تھے۔ حضرت ابو زہرہ کا بیان ہے کہ: "ابو یوسفؒ نے "کتاب الخراج" اور فقہ حنفی کی دیگر کتب مدون کیں، پھر امام محمد کا دور آیا تو انہوں نے مکمل فقہ حنفی کو ترتیب دیا۔"

امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں نے فقہ حنفی کو مرتب کر کے صرف کتابی شکل ہی نہیں دی بلکہ وہ دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئے اور فقہ حنفی کی کتابوں کے نقول ہر جگہ پہنچا دیں۔ آج چار ائمہ اہل سنت و الجماعت حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل میں سب سے زیادہ فقہی مواد حنفی مسلک کا پایا جاتا ہے اور حنفی مسلک کو سب سے زیادہ فروغ حاصل ہے۔ عباسیوں کے دور خلافت میں حنفی فقہ کو غالب سرکاری قانون کی حیثیت حاصل تھی۔ جس زمانہ میں اسلامی قلمرو میں عثمانیوں کا ڈنکا بجتا تھا، عدالت کے تمام مناصب پر حنفی مکتبہ فکر کے افراد ہی فائز کئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان ممالک میں جہاں کی اکثریت دوسرے فقہ کو ماننے والوں کی تھی زیادہ تر حنفی علماء فائز کئے جاتے تھے۔ گیارہویں صدی میں ہندوستان میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے جید حنفی علماء کی ایک بڑی فعال کمیٹی بنائی جس نے ظاہر روایات کے تمام فقہی مسائل ایک کتاب میں جمع کر دیے۔ اس کتاب کا نام "فتاویٰ عالمگیری" ہے اور اس کی چھ ضخیم جلدیں ہیں۔ برصغیر میں یہ فقہ حنفی کا مشہور اور اہم ماخذ ہے۔ آج دنیا کی دو تہائی سے زیادہ مسلم آبادی فقہ حنفی ہی کی پیروکار ہے افغانستان، پاکستان، ہندوستان، ترکمانستان، روم، ماوراء النہر اور چین میں غالب اکثریت حنفیوں کی ہے۔

امام اعظم حضرت نعمان ابو حنیفہ کو آل اطہار رسول ﷺ سے انتہائی عقیدت و محبت تھی۔ آپ خلفائے عباسیہ کی روش سے خوش نہ تھے۔ عباسیوں کی سادات اہل بیت سے دشمنی اور ان کے ظلم و ستم سے حضرت امام عاجز تھے۔ آپ ظاہری اور درپردہ حضرات اہل بیت کی حمایت کیا کرتے تھے۔ حضرت امام محمد دیباج اور حضرت نفس ذکیہ کی شہادت کے بعد جب حضرت نفس ذکیہ کے بھائی حضرت ابراہیم نے خلیفہ منصور عباسی کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے انہیں خط لکھ کر اپنی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے لکھا کہ اگر میرے پاس لوگوں کی امانتیں نہ ہوتیں تو میں خود آ کر آپ کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ آپ نے خط کے ساتھ چار ہزار دینار بھی ارسال فرمایا۔ آپ نے اہل بیت کے ساتھ مل کر ظالم حکمران کے خلاف جہاد میں شامل ہونے کا ثواب نفلی حج سے ۵۰ یا ۷۰ گنا زیادہ کا فتویٰ دیا۔ حضرت ابراہیم خلیفہ منصور سے بڑی بہادری سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ منصور نے جنگ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ کو دار الخلافہ طلب کیا اور ۱۴۶ھ میں آپ کو قید میں ڈال دیا۔ آپ چار سال قید کی مشقت جھیلتے رہے اس دوران آپ کو کوڑے بھی لگائے جاتے آخری دنوں میں مسلسل

گیارہ دن کوڑوں سے پیٹا گیا اور آخر زبردستی آپ کے حلق میں زہر کا پیالہ انڈیل دیا گیا۔ جب آپ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ سجدے میں چلے گئے اور عین سجدہ کی حالت میں آپ کی روح پرواز کر گئی۔ آپ نے ستر سال کی عمر میں ۱۵۰ھ کو وفات پائی۔

جب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وصال کی خبر مشہور ہوئی تو پورے شہر بغداد کے لوگ گھروں سے باہر نکل آئے۔ پچاس ہزار افراد آپ کے جنازے میں موجود تھے۔ اس کے بعد بھی لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔ اس دن چھ بار آپ کی نماز جنازہ ہوئی۔ بیس روز تک آپ کی قبر واقع خیزران میں لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔

ہم تمام حنفی مسلک کے مقلدین نماز میں امام کے پیچھے قرات نہیں کرتے۔ الحمد شریف کے بعد آمین زیر لب آہستہ کہتے ہیں۔ رفع یدین نہیں کرتے۔ ہاتھ ناف کے نیچے باندھتے ہیں۔ ہمارے مسلک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد سب سے محترم ہستی حضرت ابوبکرؓ کی ہے، ان کے بعد حضرت عمرؓ کی ان کے بعد حضرت عثمانؓ کی اور ان کے بعد امیر المومنین حضرت علی شیر خداؓ کی۔ اللہ، انبیائے کرام، تمام آسمانی کتابوں، ملائکہ اور آخرت پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ جملہ اہل بیت، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر طرح قابل احترام جانتے ہیں۔ ہم اپنے اسلاف کو برا نہیں کہتے۔ کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ قضاء و قدر پر ایمان رکھتے ہیں۔ اولیائے کرام کی کرامت پر یقین رکھتے ہیں۔ عموماً تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور خصوصاً حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے گناہگار مسلمانوں کے لئے شفاعت برحق ہے۔ حنفیوں کو اپنے اور دوسرے تمام عقائد کو جاننے کے لئے کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

حضرت امام اعظمؒ نے اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ سے فرمایا: "صاحب زادے! ان پانچ احادیث پر پورا اعتماد اور عمل کرو، جن کو میں نے پانچ لاکھ احادیث کے ذخیرے میں سے منتخب کیا ہے۔

۱۔ اعمال کا دار و مدار اور ثواب نیتوں پر ہے۔

۲۔ آدمی کے اسلام کی اچھائی اور خوبی میں سے یہ بات ہے کہ وہ لایعنی (اور فضول) باتوں کو ترک کر دے۔

۳۔ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہ چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۴۔ حقیقت میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

۵۔ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچ گیا تو اس نے دین اور عزت و آبرو کو بچا لیا اور جو شخص ان مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں جا پڑے گا، جیسا کہ کوئی شخص چراگاہ کے گرد جانور چراتا ہو تو قریب ہے کہ وہ کسی وقت بھی چراگاہ میں جا پڑے، سنو! ہر بادشاہ کی کوئی نہ کوئی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھی چراگاہیں اور محرمات ہیں۔ سنو، انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے، جب وہ تندرست ہو تو سارا جسم تندرست رہتا ہے اور جب وہ بگڑا ہوا ہو تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ خبردار وہ دل ہے۔

نقشہ خاندان و اولاد حضرت امام ابوحنیفہؒ
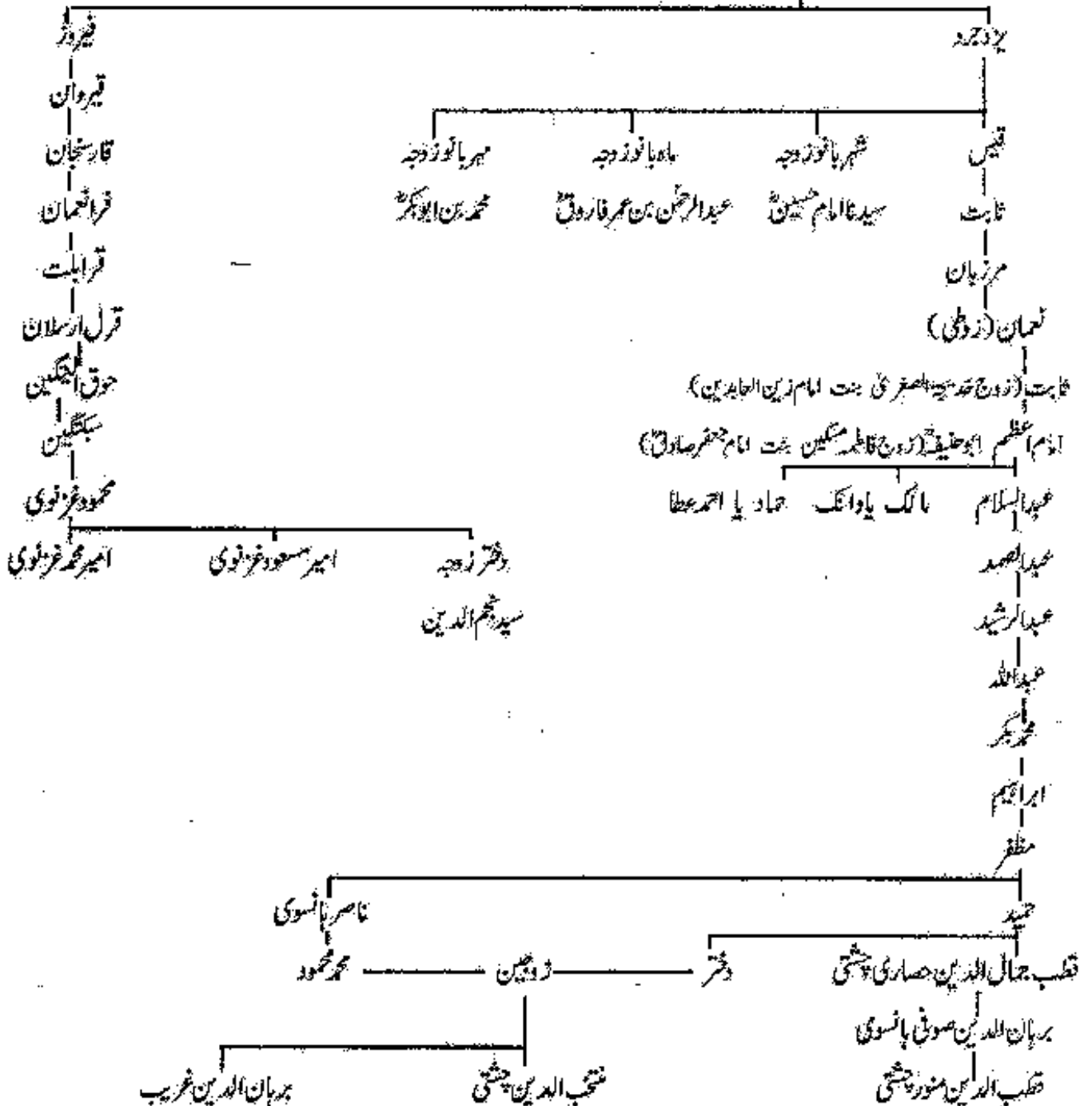
نقشہ اولادِ قطب جمال ہانسوی چشتی (خلیفہ بابا فرید گنج شکرؒ)
برہان الدین صوفی ہانسوی چشتی (خلیفہ نظام الدین اولیاءؒ)
قطب الدین منور چشتی (خلیفہ نظام الدین اولیاءؒ)
قطب نور جہاں چشتی (بہاری)
مخدوم ضیاء الدین صوفی چندھوی
برہان الدین
عبداللہ
بہاء الدین
جلال الدین
علاء الدین
حمید الدین
مخدوم شاہ ابا یزید چندھوی بہاری
شاہ ابو اللیث
شاہ علی حبیب (مرقد موضع کروئی)
شاہ محیا (مرقد موضع کروئی)
شاہ عالم
شاہ چندگی
شاہ عبد اللطیف
شاہ ضیاء اللہ
مرقد موضع کروئی
شاہ روح اللہ
مرقد موضع کروئی
شاہ شریف
مرقد موضع سہار
شاہ عشق اللہ
مرقد موضع کروئی
شاہ وجیہ الدین
شاہ داؤد
شاہ اسکندر
شاہ سلطان
شاہ بڈے
شاہ علاء الدین حافظ مادرزاد
منسوب دختر شاہ دولت منیری
محی الدین
عبد الوہاب
عبد الوحید
بہاء الدین
شریف جہاں
بی بی نور جہاں
بی بی کمال
زوجہ انور بن منور شہید
بن شاہ دولت منیری
یحییٰ (لاولد)
شیخ بھوج

امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام مالک بن انس ؓ عربی النسل تھے، آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب دار الہجرۃ ہے، آپ ۹۵ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ امام اعظم ابوحنیفہ سے چودہ سال چھوٹے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمر بن الحارث بن غیمان بن خثیل بن عمرو بن الحارث بن ذی اصبح۔

آپ کا خاندان یمن کا تھا، آپ کے پردادا ابی عامر یمن سے آکر مدینہ منورہ میں آباد ہو گئے تھے۔ امام مالک سے متعلق اردو میں کتابیں نہیں لکھی گئیں حالانکہ آپ اسلامی دنیا کی ایک مایہ ناز شخصیت ہیں۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی اس سلسلہ میں اپنی کتاب "حیات امام مالک" میں تحریر فرماتے ہیں: "امام مالک ؒ جو فقیہ مدینۃ الرسول، امام دار الہجرۃ اور بانی اول فن حدیث تھے اور مسلک حنفی کے علاوہ فقہ کے تین مذاہب جن کے سلسلہ کی شاخیں ہیں، اردو میں اب تک ان کے متعلق ایک حرف موجود نہیں......... مجھ کو علم حدیث کی ابتدائے طلب سے امام موصوف اور ان کی موطا سے بدرجہ غایت عقیدت رہی ہے، اسی کا اثر تھا جس نے مجھے اس فرض کے انجام پر آمادہ کیا۔ چنانچہ طالب علمی کے زمانہ میں، میں نے اس سلسلہ کو شروع کیا اور جنوری ۱۹۰۷ء کے "الندوہ" میں اس پر ایک مضمون لکھا"۔ یہی مضمون بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ عہد نبوی ﷺ سے ہمیشہ اسلامی علوم کا مرکز رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت تک علمی حیثیت سے مدینہ منورہ کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی۔ بعد میں جب دار الخلافہ کوفہ اور پھر دمشق منتقل ہونے پر اور تبلیغی ضرورت کے پیش نظر علماء، فقہاء اور محدثین کی ایک بڑی تعداد دور دراز علاقوں کو منتقل ہو گئی تو مدینہ منورہ کی وہ سابقہ کیفیت نہ رہی۔ لیکن پھر بھی چونکہ یہ مقام علوم اسلامی کا منبع تھا، اس لئے مدینہ شریف کی اپنی علمی حیثیت باقی رہی۔ حضرت امام مالک نے جب آنکھ کھولی تو مدینۃ النبی ﷺ علوم اسلامی کا مینارہ نور تھا۔ خود آپ کا گھرانہ ایک علمی گھرانہ تھا۔ مسجد نبوی ﷺ میں روضہ رسول ﷺ کے زیر سایہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت نافع بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جیسے امام القراء اور محدث کے علاوہ یگانہ روزگار مشائخ و علماء نے مسند درس بچھا رکھی تھی۔ حضرت امام مالک ؒ نے حضرت نافع بن عبدالرحمان ؒ سے قرأت اور حدیث کا علم سیکھا اور ان کے درس میں بارہ سال شریک رہے۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں حضرت محمد بن منکدر ؒ، حضرت شیخ ابوالاسود، حضرت امام زہری، حضرت سختیانی، حضرت یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہم کے نام بہت مشہور ہیں۔ آپ نے "موطا" میں جن پچانوے شیوخ سے حدیثیں روایت کیں وہ سب مدنی تھے۔

امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک ؒ نے جب خود درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو اسلامی دنیا کے دور دراز علاقوں سے طلباء کی ایک کثیر تعداد آپ کے درس میں آکر شریک ہوئی۔ حجاز، شام، عراق، خراسان، مصر، شمالی افریقہ اور اندلس (اسپین) سے تشنگان علم

کھنچے چلے آتے تھے۔ حضرت امام کا مدرسہ بڑا پرشکوہ تھا، جو پرتکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ تھا۔ حدیث نبوی ﷺ املا کرانے سے پہلے آپ خود وضو یا غسل کرتے، بیش قیمت لباس زیب تن کرتے، کنگھی کرتے اور خوشبو لگاتے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے بیان کے مطابق آپ کے درس میں شان و شکوہ سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا گمان ہوتا تھا۔ امراء، علماء، اور طلباء کے ہجوم، حاضرین کے مودب نشست و برخواست اور سواریوں کی کثرت، دیکھنے والوں پر رعب طاری کر دیتا تھا۔ حضرت امام مالک نے ساٹھ سال تک درس کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ سے علمی استفادہ کرنے والوں کی تعداد کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ سے صرف حدیث روایت کرنے والوں کی تعداد تیرہ سو ہے۔ حضرت ابن جریج، حضرت سفیان ثوری، حضرت امام اوزاعی، حضرت یحیٰ بن یحیٰ اندلسی، حضرت عبداللہ بن مبارک اور حضرت امام شافعی وغیرہم آسمان علم و فضل کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے تربیت یافتہ ہیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی "موطا" روایت صحیح کے لحاظ سے مستند ترین حدیث کی کتاب ہے۔ اسلامی کتب خانہ کی پہلی کتاب ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ یہ ۱۴۳ھ میں تالیف ہوئی ہے۔ حضرت امام شافعی کا قول ہے کہ : "روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد "موطا امام مالک" سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں"۔ علامہ نووی لکھتے ہیں: "ایک کتاب مجھ کو ایسی ملی ہے جو تمام کتابوں سے بہتر ہے اور وہ موطا ہے اور جس کے مصنف کا نام مالک بن انس ہے اور جو تمام محدثین کے شیخ الشیوخ ہیں"۔ حضرت امام شافعی کا یہ قول بھی ہے کہ "اگر امام مالک اور حضرت ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم نیست و نابود ہو جاتا"۔ حضرت علامہ احمد طحطاوی فرماتے ہیں: "اہل سنت کا ناجی گروہ اس وقت چار مذہبوں میں مجتمع ہے۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔ اللہ ان مذہب والوں پر رحمت فرمائے"۔ فقہاء اور محدثین اس حدیث شریف کو آپ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ "فرمایا حضور نبی کریم ﷺ نے قریب ہے کہ لوگ طلب علم میں اونٹ کو مشقت میں مبتلا کریں گے تو انہیں عالم مدینہ سے بڑا عالم کوئی نہ ملے گا۔"

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ جس مکان میں رہتے تھے وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تھا جو کرایہ پر لیا گیا تھا۔ آپ نے اپنا ذاتی مکان نہیں بنایا۔ ہمیشہ کرائے کے مکان میں رہے۔ مسجد نبوی ﷺ میں ہمیشہ اس جگہ بیٹھے جہاں پر حضور نبی کریم ﷺ کے اعتکاف کا بستر ہوتا تھا اور جہاں پر حضرت عمرؓ بیٹھا کرتے تھے۔ جب ستر فقہاء نے اس بات کی شہادت دیدی کہ آپ فتویٰ دے سکتے ہیں تب آپ نے فتویٰ دینا شروع کیا۔

امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک کو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ اور ان کی آل اطہار سے ایسی محبت و عقیدت تھی کہ مدینہ شریف کو ایک لحہ کے لیے چھوڑنا گوارا نہ تھا۔ آپ نے صرف ایک بار حج کیا اور اس کے بعد مدینہ منورہ سے باہر نہ نکلے۔ آپ کی تمنا تھی کہ آپ کا دم مدینہ میں نکلے اور دیار حبیب میں مدفون ہوں۔ دیار رسول ﷺ کا احترام اس حد تک تھا کہ ضرورت کے لیے مدینہ شریف سے باہر تشریف لے جاتے اور فارغ ہونے کے بعد اس خطرے کی بنا پر کہ کہیں حدود مدینہ سے باہر موت نہ آجائے دوڑتے ہوئے واپس لوٹتے تھے۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کے اس عاشق صادق کی لاج رکھ لی اور آپ کا وصال ۱۷۹ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں آسودہ خاک ہوئے۔ راقم السطور سید قیام الدین فردوسی کو دو بار حج کے موقع پر جنت البقیع

میں آپ کے روضہ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ خلفائے بنو عباسیہ کی دشمنی اہل بیت کے خلاف آپ نے آواز بلند کی اور حضرت امام اعظمؓ کی طرح آپ نے اہل بیت کی حمایت اور طرفداری کا فتویٰ دیا۔

جعفر بن سلیمان جو آپ کی اہل بیت سے محبت کی بنا پر غضبناک تو تھا ہی جب آپ نے طلاق جبری سے متعلق اپنا فتویٰ جاری کیا تو اسے مخالفت کا ایک موقع ہاتھ آیا اور اس نے حضرت امام مالک کو قید کر کے ستر کوڑے لگوائے جس سے تمام جسم لہولہان ہو گیا۔ دونوں ہاتھ کندھوں سے اتر گئے۔ اسی حالت میں اونٹ پر بٹھا کر پورے شہر مدینہ میں گھمایا گیا۔ آپ کا جس جس راستے سے گزر ہوتا با آواز بلند فرماتے جاتے تھے کہ ''جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے، جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبری درست نہیں۔''

حضرت امام مالک کی تصانیف میں ''موطا امام مالک'' کے علاوہ درج ذیل کتابیں شامل ہیں: (۱) رسالہ مالک الی الرشید (۲) احکام القرآن (۳) المدونۃ الکبریٰ (۴) رسالہ مالک الی ابن المطرف (۵) رسالہ مالک الی ابن وھب (۶) کتاب الاقضیہ (۷) کتاب المناسک (۸) تفسیر غریب القرآن (۹) کتاب المجالسات عن مالک (۱۰) تفسیر القرآن۔

خلیفہ منصور عباسی آپ کا بڑا معتقد تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی اپنی کتاب ''حیات امام مالک'' میں لکھتے ہیں: ''خلافت کے بعد منصور کے لیے حج کا یہ پہلا موقع تھا۔ شہر کے شرفاء اور علماء اس کے استقبال کے لیے نکلے۔ سفیان ثوری، سلیمان خواص اور امام مالک بھی ملنے کے لیے آئے کہ کل تک تو علم حدیث کی مجلسوں میں ہمارے ساتھ برابر کا شریک تھا۔ دیکھیں اب وہ کس حال میں ہے۔ دربار میں حجاز کے تمام علماء اور فقہاء موجود تھے۔ منصور نے امام صاحب کی طرف روئے خطاب کر کے کہا: ''اے ابو عبداللہ (امام مالک کی کنیت ابو عبداللہ تھی) میں اختلاف فقہی سے گھبرا گیا ہوں، عراق میں تو کچھ نہیں ہے، شام میں صرف جہاد کا شوق ہے، وہاں کوئی بڑا عالم نہیں، جو کچھ ہے حجاز میں ہے اور حجاز کے علماء کے سرخیل آپ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی اس تصنیف (موطا) کو خانہ کعبہ میں آویزاں کر دوں کہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں اور تمام اطراف مملکت میں اس کی نقلیں بھیجوں تاکہ اسی کے مطابق لوگ فتویٰ دیں...... لیکن حضرت امام مالک نے منصور کو ایسا کرنے سے منع کیا''۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ

آپ کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ اور لقب ناصرالسنۃ ہے۔ آپ ۱۵۰ھ کو عسقلان کے دیہات غزہ میں پیدا ہوئے۔ آپ حضور ﷺ کے پردادا ہاشم کے بھائی مطلب بن مناف کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے :

محمد بن ادریس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبداللہ القریشی۔

آپ اپنے پردادا شافع کی نسبت سے شافعی مشہور ہوئے۔ آپ ساتویں پشت پر حضور نبی کریم ﷺ کے قرابت دار ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ کا تعلق یمن سے تھا۔ اس لئے آپ کے بچپن کا کچھ حصہ یمن میں بھی گزرا۔ آپ نے اپنی زندگی میں یمن، مدینہ منورہ، عراق اور مصر کا سفر کیا۔ آپ نے اپنی زندگی کا طویل وقت مکہ مکرمہ اور بغداد میں بسر کیا۔ آپ نے علمی کام اور درس و تدریس کے خدمات زیادہ تر بغداد اور مصر میں انجام دیئے۔

امام ناصرالسنۃ حضرت امام شافعیؒ ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ لیکن قدرت نے ذہانت و فطانت کی دولت عطا ہوئی تھی۔ آپ حافظ قرآن تھے۔ دس سال کی عمر میں ''موطا امام مالک'' بھی زبانی یاد کرلیا تھا۔ اور پندرہ سال کی عمر میں اپنے شیخ مسلم بن خالد زنجی کی اجازت سے فتویٰ دینے لگے۔ آپ ایک کہنہ مشق شاعر بھی تھے۔ آپ نے شاعری کا فن قبیلہ ہذیل میں رہ کر سیکھا تھا۔ حضرت اصمعیؒ جیسے شاعر اسلام آپ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ حضرت اصمعی ادب و لغت میں اپنے وقت کے امام تھے۔ انہوں نے اہل بیت رسول ﷺ کی شان میں بکثرت منقبت کہے ہیں۔ حضرت امام شافعی کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ تیرہ سال کی عمر میں آپ نے خود اعلان فرمایا کہ جو کچھ پوچھنا چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا تھا۔ لیکن حضرت شیخ فریدالدین عطار نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے : ''آپ حافظ نہیں تھے۔ کچھ لوگوں نے خلیفہ سے شکایت کردی کہ امام شافعی حافظ نہیں ہیں تو اس نے بطور آزمائش رمضان میں آپ کو امام بنادیا۔ چنانچہ آپ دن بھر میں ایک پارہ حفظ کر کے رات کو تراویح میں سنایا کرتے تھے۔ اس طرح ایک ماہ میں پورا قرآن حفظ کرلیا۔''

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی تعلیمی زندگی کا آغاز مکہ مکرمہ میں ہوا۔ سب سے پہلے آپ حضرت مسلم بن خالد زنجیؒ مفتی مکہ کے درس میں شریک ہوئے۔ اور تین سال ان سے استفادہ کیا۔ پھر مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریباً ایک سال ان کی شاگردی میں رہے۔ اس دوران آپ نے حضرت امام مالکؒ کو ان کی کتاب ''موطا'' زبانی سنایا جس پر انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ آپ نے جن دوسرے مشائخ کرام کے سامنے زانوائے تلمذ تہ کیا ان میں حضرت سفیان بن عیینہ محدث، حضرت امام محمد بن حسن شیبانی اور حضرت ابن ذئب وغیرہ کا نام بہت مشہور ہے۔ حضرت امام محمد جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید

مجھے ان سے حضرت امام شافعیؒ کا تعلق اور ارتباط بہت گہرا نظر آتا ہے۔ فقہائے اسلام اور مشائخ کرام کے تذکروں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعیؒ نے حضرت امام محمد شیبانی (مرتب فقہ حنفی) سے علمی خزانے کا بیشتر سرمایہ حاصل کیا۔ خود حضرت شافعی فرماتے ہیں: "میں نے جو کچھ امام محمد سے پڑھا، سنا، نقل کیا اور لیا وہ بار شتر کے برابر ہے۔" حضرت امام محمدؒ کو بھی حضرت امام شافعی سے حد درجہ محبت تھی اور ان پر بے انتہا عنایتیں فرماتے تھے۔ حضرت ابوالحسن زیادؒ کا بیان ہے کہ: "میں نے دیکھا کہ جو برتاؤ امام محمد صاحب کا شافعی کے ساتھ ہے وہ کسی اور اہل علم کے ساتھ نہیں ہے۔" ایک بار جب حضرت امام شافعیؒ اہل بیت رسول ﷺ کی محبت اور طرفداری کے الزام میں قید ہو کر پہنچے تو حضرت امام محمدؒ خلیفہ کے دربار میں آئے اور آپ کی گلوخلاصی کرائی۔

امام ناصر السنہ حضرت امام شافعیؒ جب مسند درس و تدریس پر رونق افروز ہوئے تو آپ فقہ جدید کے بانی کی حیثیت سے شہرت کے اس مقام پر فائز تھے کہ تشنگان علم کا قافلہ در قافلہ آپ کے درس میں شرکت کو اپنی نیک بختی تصور کرتا تھا۔ آپ نے حرم کعبہ میں بیٹھ کر درس دیا۔ بغداد کے شہر میں رہ کر فقہ شافعی کی اشاعت کی ابتداء کی پھر مصر کی سرزمین پر پہنچے جہاں علمی خدمات انجام دیتے ہوئے ۵۴ برس کی عمر میں وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے شاگردوں کی صحیح تعداد بتانی مشکل ہے۔ جس طرح آپ کے درس و تدریس کے دو ادوار بتائے جاتے ہیں، اسی طرح آپ کے شاگردوں میں بھی دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جس نے مکہ، مدینہ اور بغداد میں آپ سے استفادہ کیا اور دوسرا طبقہ وہ ہے جو مصر میں آپ کے درس میں شامل ہوا۔ مشہور و معروف شاگردوں میں حضرت امام مزنی، ربیع المرادی، بویطی، حرملہ، یونس بن عبدالاعلیٰ، ابوالولید موسیٰ بن جارود، ابوعلی الزعفرانی، اسحاق بن راہویہ اور امام احمد ابن حنبل جیسے بزرگ ہستیوں کے نام شامل ہیں۔ آپ کے انہی شاگردوں نے آپ کے فقہ کو مدون و مرتب کر کے شائع کیا۔ مصر میں قیام کے بعد سے آپ کے فقہ جدید کا دور شروع ہوتا ہے۔ آپ نے مصر آنے سے قبل جو بھی فتویٰ دیا تھا، ان پرانے آراء و افکار سے رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ آپ کی ہدایت ہے کہ میں اپنی بغدادی تصانیف کی روایت کی اجازت نہیں دیتا۔ ملا علی قاریؒ نے آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۱۳ بتائی ہے۔

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ، حضرت امام شافعیؒ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میرے پاس جس قدر علم ہے اس کے معنی و مطالب سے وہ مجھ سے زیادہ باخبر ہے۔ اور اسی کی خدمت سے مجھے احادیث کے حقائق معلوم ہوتے ہیں۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو ہم علم کے دروازے پر کھڑے ہی رہ جاتے اور فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا اور اس دور میں وہ اسلام کا سب سے بڑا محسن ہے۔ وہ فقہ، معانی اور علوم لغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔"

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ: "امام شافعیؒ کے دور میں ان سے بڑا دانشور اور کوئی نہیں"۔

حضرت بلال خواصؒ کا قول ہے کہ میں نے حضرت خضرؑ سے پوچھا کہ امام شافعیؒ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: "ان کا شمار اوتاد (اولیاء) میں ہوتا ہے"۔

حاکم روم کچھ رقم (خراج) سالانہ ہارون رشید کے پاس بھیجا کرتا تھا۔ لیکن ایک مرتبہ چند عیسائی راہبوں کو بھیج کر یہ شرط لگا دی کہ اگر آپ کے دینی علماء مناظرہ میں ان راہبوں سے جیت گئے تو میں رقم بھیجنا جاری رکھوں گا ورنہ بند کر دوں گا۔ خلیفہ نے تمام علماء کو جمع کر کے

حضرت امام شافعیؒ کو مناظرہ پر آمادہ کرلیا۔ حضرت امام شافعیؒ نے دریا میں پانی پر اپنا مصلیٰ بچھا کر راہبوں کو مناظرہ کی دعوت دی۔ تمام راہب آپ کی یہ کرامت دیکھ کر ایمان لے آئے۔ شاہ روم کو جب خبر ملی تو اس نے کہا۔ یہ اچھا ہوا اگر وہ شخص یہاں آجاتا تو پورا روم مسلمان ہوجاتا۔

آپ نے امام احمد ابن حنبلؒ سے مسئلہ دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک نماز ترک کرنے والا کافر ہوجاتا ہے تو اس کے مسلمان ہونے کی کیا شکل ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نماز ادا کرلے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ کافر کی تو نماز ہی درست نہیں۔ یہ سن کر وہ ششدر رہ گئے۔

حضرت امام شافعیؒ اکثر امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی قبر پر حاضری دیتے اور ان کے وسیلے سے جس بات کی دعا کرتے وہ فی الفور قبول ہوجاتی۔

امام ناصر الدینؒ حضرت امام شافعیؒ نے مرض الموت میں ایک شخص کے لئے وصیت لکھا اور لوگوں کو دیتے ہوئے کہا کہ فلاں شخص سے کہہ دینا کہ وہ مجھ کو غسل دے۔ لیکن وفات کے بہت عرصہ کے بعد وہ شخص آیا تو لوگوں نے تحریری وصیت نامہ دیتے ہوئے زبانی غسل کی وصیت بھی بتائی۔ وصیت نامہ میں لکھا ہوا تھا کہ میں ستر ہزار کا مقروض ہوں۔ اس شخص نے قرض ادا کردیا اور کہا کہ غسل سے آپ کی یہی مراد تھی۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام احمد کنیت ابو عبداللہ، حنبل شیبانی مروزی کے صاحبزادے ہیں۔ جو مرو کے رہنے والے تھے۔ آپ خالص عربی النسل اور قبیلہ شیبان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والدین مرو سے ۱۶۴ھ میں بغداد چلے آئے اور آپ اسی سال بغداد میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے تیسرے سال آپ کے والد کا انتقال ہوگیا اور آپ تین سال کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ بچپن سے تقویٰ و طہارت عبادت و ریاضت اور نجابت و صلاحیت کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت بشر حافی کا قول تھا کہ "امام احمد بن حنبل مجھ سے بدرجہا افضل ہیں کیونکہ میں صرف اپنے ہی واسطے اکل حلال کی کوشش کرتا ہوں لیکن وہ اپنے اہل و عیال کے لئے بھی حلال رزق حاصل کرتے ہیں"۔ حضرت امام کے صاحبزادے حضرت صالح اصفہان کے قاضی تھے۔ ایک دن امام رضی اللہ عنہ کے خادم نے حضرت صالح کے باورچی خانہ سے خمیر لے کر روٹی تیار کی۔ جب روٹی امام صاحب کو پیش کی گئی تو آپ نے پوچھا کہ یہ اتنی گداز کیوں ہے۔ خادم نے پوری بات بتادی۔ آپ نے فرمایا جو شخص اصفہان کا قاضی رہا ہو اس کے یہاں سے خمیر کیوں لیا، یہ روٹی میرے کھانے کے لائق نہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ایک بار خلیفہ متوکل کے حکم پر چند روز اس کے لشکر میں قیام فرمایا، وہاں آپ کو جو پر تکلف کھانا پیش کیا جاتا اس کی قیمت ایک سو بیس درہم روزانہ کے برابر تھی۔ آپ نے اس کھانے کو کسی روز چکھا تک نہیں اور مسلسل روزے رکھتے رہے یہاں تک کہ آپ کافی کمزور ہوگئے۔ اگر کچھ دنوں اور آپ وہاں رہ جاتے تو زندگی بچنی مشکل تھی۔ اللہ کی مہربانی سے آٹھویں روز آپ کی وہاں سے گلوخلاصی ہوئی۔

حضرت امام احمد بن حنبل نے بچپن میں قرآن حفظ کرلیا تھا اور عربی زبان کی تعلیم حاصل کرلی تھی۔ آپ نے جب باضابطہ تعلیم شروع کی تو سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید حضرت امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں علم حدیث کے لئے حاضر ہوئے اور حدیثیں لکھیں۔ اس کے بعد حضرت ہیثم ابن بشیرؒ اور دوسرے محدثین بغداد سے استفادہ کیا۔ آپ نے مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، یمن اور شام کا سفر کر کے مختلف محدثین کی درسگاہ میں شرکت کی۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ "امام احمد کے مجتہد اور فقیہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر ان پر حدیث کا رنگ غالب تھا"۔ حضرت امام احمد بن حنبل کے استادوں میں امام یوسف اور ہیثم بن بشیر کے علاوہ وکیع، یحییٰ بن سعید، قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی کا نام بہت مشہور ہے۔ آپ کی تصانیف میں "کتاب الزھد، کتاب المنسک الکبیر، کتاب المنسک الصغیر، کتاب فضائل الصحابہ، مناقب صدیق اکبرؓ و حسنینؓ، تاریخ تفسیر اور مسند وغیرہ ہیں۔ "مسند امام احمد" سب سے مشہور ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل نے علم حدیث کے حصول کی ابتدا اپنی عمر کے سولہویں سال میں کر دیا تھا اور اسی زمانے سے روایت جمع کرنے کی ابتدا کر دی تھی۔ یعنی آپ نے ۱۹۰ھ سے مسند کی تصنیف کا آغاز کیا اور زندگی کے آخری لمحات تک اس میں مشغول رہے۔ آپ کے بھتیجے حضرت حنبل بن اسحاق کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسند سننے کے لئے جمع ہوئے اور اپنے دونوں صاحبزادوں صالح و عبداللہ کو جمع کر کے ہمارے سامنے مسند کی قرأت کی [illegible] دوسرے کسی نے آپ سے [illegible] پورا [illegible] نہیں سنا ہے۔ پھر ہم سے فرمایا کہ میں نے اسے [illegible] [illegible]

انتخاب کیا ہے۔پس رسول اللہ ﷺ کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اس کتاب کی طرف رجوع کرو۔امام احمدؒ مسند کو مسودہ کی شکل میں چھوڑ کر گئے تھے۔حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا کہنا ہے کہ مسند کی موجودہ ترتیب امام صاحب کے صاحبزادے عبداللہؓ کی ہے۔حدیث کا یہ سب سے بڑا مجموعہ ہے۔

نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں نبوت کا اعلان فرمایا تھا۔امام صاحب نے حضور ﷺ کی سنت کو ادا کرتے ہوئے،جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوگئی تو درس وتدریس کے کام کی ابتداء فرمائی اور درس حدیث دینا شروع کیا۔جلد ہی آپ کے درس میں طلباء کا ایک اژدہام جمع ہونے لگا۔تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ سامعین وطالبین علم کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ ہوا کرتی تھی جس میں پانچ سو صرف لکھنے والے ہوا کرتے تھے۔اس طرح آپ کے شاگردوں کی تعداد بے شمار ہے جس میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ،امام مسلمؒ،امام ابوداؤدؒ،امام ابو زرعہؒ،مطینؒ،اور عبداللہؒ بن امام احمدؒ کا نام مشہور ہے۔

جس زمانہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا نام ایک محدث،مجتہد اور فقیہ کی حیثیت سے عالم اسلامی میں مشہور ومعروف تھا،اس وقت خلیفہ کے دربار میں معتزلیوں کا بڑا زور اور اثر ورسوخ تھا۔ان لوگوں نے عقیدہ خلق قرآن کو کفر وایمان کا درجہ دے رکھا تھا۔خود مامون رشید اس عقیدے کا بڑا حامی اور مبلغ بن بیٹھا تھا۔اس نے علماء سے قرآن کے مخلوق ہونے کا فتویٰ لینے کی کاوش شروع کی۔اس سلسلے میں حضرت امام احمدؒ کا فتویٰ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ان کی طرف سے فتویٰ کا جاری ہونا ضروری تھا۔نتیجے کے طور پر بغداد میں تین دنوں تک آپ سے مناظرہ کیا گیا۔اور آپ کو ہر طرح سے ڈرا دھمکا کر قرآن کے مخلوق ہونے کا فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔اس وقت مامون کا وصال ہو چکا تھا اور معتصم مسند آرائے خلافت تھا۔آخر جب آپ راضی نہ ہوئے تو آپ کو معتصم کے دربار میں پیش کیا گیا۔جہاں آپ کو ۲۸ کوڑے لگائے گئے۔آپ ہر کوڑے پر کہتے میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول ﷺ کی سنت میں سے کوئی دلیل پیش کرو تا کہ میں اس کو مان لوں۔اس کے بعد آپ کو ۲۸ ہفتے قید میں رکھا گیا اور اس دوران چونتیس کوڑے لگائے گئے۔محمد بن اسماعیل بخاریؒ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ امام احمد کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی کو لگتا تو چیخ مار کر بھاگتا۔حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ "تذکرۃ الاولیاءؒ" میں لکھتے ہیں کہ "جس وقت آپ کو کوڑے لگائے جا رہے تھے اتفاق سے آپ کا کمر بند کھل گیا۔غیب سے دو ہاتھ نمودار ہوئے اور کمر بند باندھ کر غائب ہو گئے۔واللہ اعلم بالصواب" مختصر یہ کہ خلیفہ نے ہر جتن کر لیا لیکن آپ نے قرآن کو مخلوق نہیں مانا۔اس طرح حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا اور امت مسلمہ ایک بہت بڑے دینی خطرے سے محفوظ ہو گئی۔

خلق قرآن کا مسئلہ دراصل دشمنان اسلام کی ایک بڑی سازش تھی جو یہودیوں کے زیر اثر تیار کی گئی تھی۔شہادت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ،شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ،شہادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سانحہ کربلا کے بعد یہود ونصاریٰ نے جب دیکھا کہ قتل وغارتگری سے مسلمانوں کی بڑی بڑی شخصیتیں ختم تو ہو جاتی ہیں،لیکن نظریہ اسلام اور اسلام کی حقانیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔تو انہوں نے اپنے بڑے بڑے ولی ، دانشوروں کو جمع کیا اور ان کی رائے طلب کی۔آخر بڑے غور وفکر کے بعد رائے ٹھہری کہ مسلمانوں کی نظر سے قرآن جیسی بے مثل کتاب [illegible] نبی ﷺ کے احترام کو گرانے اور آپس میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت

کے بعد مسلمانوں میں مستقل نفاق کی بنیاد پڑ چکی تھی جس کی انتہا حضرت امام حسین جگر گوشہ رسول ﷺ کی شہادت کی صورت میں سامنے آ گئی یہ تین ہتھیار لے کر یہود و نصاریٰ پہلی صدی ہجری سے ہمارے مقابل کھڑے ہیں۔ اس سلسلے کی دوسری کڑی خلق قرآن کا مسئلہ تھا۔ جس کو حضرت امام احمد بن حنبل نے ناکام بنا دیا۔ اگر آپ قرآن کو مخلوق مان کر فتویٰ پر اپنی مہر ثبت کر دیتے تو قرآن انسان جیسے اشرف المخلوقات کے مقابلے میں کم درجے کی مخلوق ہوتی اور چونکہ کوئی اعلیٰ و اشرف کسی کمتر کا پابند نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن کے احکامات کی انسانوں کے لئے پابندی بھی کوئی ضروری نہ ہوتی۔ آج احترام ختم المرسلین ﷺ کا یہ حال ہے کہ ہم اللہ کے حبیب، دونوں جہانوں کے سردار، وجہ تخلیق کائنات ﷺ کو بس بڑے بھائی کا درجہ دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں پر رحم کرے اور دشمنوں کی سازشوں کو سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین

حضرت امام احمد بن حنبل نے نو روز کی علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو انتقال فرمایا۔ پیٹ کا مرض تھا جس کی وجہ سے پیشاب سے خون آنے لگا تھا۔ معالجین کا کہنا تھا کہ غم و فکر نے ان کے پیٹ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ آپ کے شاگرد مروزیؒ کا کہنا ہے کہ میں نے ان کو وضو کرایا تو تکلیف ہی کی حالت میں ہدایت کی کہ انگلیوں میں خلال کراؤ۔ "تذکرۃ الاولیاء" میں ہے کہ آپ کے صاحبزادے نے طبیعت پوچھی تو فرمایا "بس دعا کرو اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرما دے کیونکہ ابلیس لعین مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تم ایمان سلامت لے جانا میرے لئے باعث ملال ہے اس لئے دم نکلنے سے قبل مجھے سلامتی ایمان کے ساتھ مرنے کی توقع نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرما دے" یہ کہا اور روح پرواز کر گئی۔ جنازہ پر آپ کے ایسا ہجوم تھا کہ تذکرہ نگاروں کے مطابق آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتوں کا مجمع تھا۔

حضرت مخدوم سید آدم صوفی قدس سرہٗ

موضع عالم پور جھلی من مضافات شہر عظیم آباد (پٹنہ) صوبہ بہار میں حضرت مخدوم سید آدم صوفی قدس سرہ کا مزار اقدس پکی درگاہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ قریب ہی چند قدم پر حضرت سید شہاب الدین پیر جگجوت سہروردیؒ کا مزار پرنور معروف بہ پکی درگاہ واقع ہے۔ مخدوم صوفی قدس سرہ کا مزار ایک بڑے احاطہ چہار دیواری کے اندر چند دوسرے مزارات کے درمیان نمایاں اور پختہ بنا ہوا ہے۔

حضرت مخدوم آدم صوفی قدس سرہ کا اپنا خاندانی سلسلہ چشتیہ ہے۔ آپ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد حضرت سید ابراہیم چشتیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ لیکن آپ کو حضرت پیر جگجوت سہروردیؒ سے از حد عقیدت و ارادت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے عالم پور جھلی شریف میں مستقل اقامت اختیار کر کے پیر جگجوتؒ کے حلقہ تعلیم و تربیت میں داخل ہوئے۔ اور پورے انہماک سے سلسلہ کبریہ، سہروردیہ اور فردوسیہ کی تعلیم روحانی حاصل کی۔ ساری زندگی اپنے مرشد کی خدمت میں گذار دی۔ صاحب "مخزن الانساب" مولوی سید کریم الدین بیر وادی مرحوم کے بیان کے مطابق آپ کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے بھی سلسلہ چشتیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔ حضرت صوفی صاحب قدس سرہ کے دادا سید جلال الدین چشتی، مشہد سے بہار کے علاقہ حاجی پور میں اقامت پذیر ہوئے تھے۔ آپ کے دادا سید جلال مشہدی لاہوریؒ کو بیعت و خلافت حضرت عثمان ہارونیؒ سے حاصل تھی۔

حضرت مخدوم سید آدم صوفی قدس سرہ نے اپنے لائق و فائق صاحبزادے حضرت سید حمید الدین چشتیؒ کی شادی اپنے مرشد پیر جگجوت سہروردیؒ کی صاحبزادی مسماۃ بی بی جمال سے کر دی تھی۔ حضرت بی بی جمال حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی قدس سرہ کی سگی خالہ اور اپنے وقت کی ولیہ تھی۔ آپ کے صاحبزادے حضرت مخدوم سید تیم اللہ سفید باز صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ حضرت مخدوم سفید بازؒ کا مفصل تذکرہ "شرفا کی نگری" حصہ اول میں موجود ہے۔ آپ کا مکمل نسب نامہ اور ورثاء کی تفصیل بھی دے دی گئی ہے۔ حضرت سید آدم صوفیؒ کے پوتے حضرت مخدوم سید تیم اللہ سفید بازؒ کے ورثاء کی ایک شاخ موضع کھریہ ضلع پٹنہ میں آباد ہو گئی تھی۔ جس کی تفصیل بحوالہ "مسلم شعرائے بہار" حصہ اول مصنفہ حکیم سید احمد اللہ ندوی مرحوم درج ذیل ہے۔

"ہندوستان میں راقم کے مورث اعلیٰ حضرت مخدوم آدم صوفی ہیں جن کا مزار پرانوار بمقام جھلی مضافات عظیم آباد میں پکی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی مقام میں حضرت سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ کا مزار مبارک بھی واقع ہے اور پکی درگاہ کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ اور یہ دونوں مزار شریف مرجع خلائق ہیں۔ حضرت صوفی آدم کے فرزند حضرت مخدوم سید حمید الدین کی کتخدائی حضرت پیر جگجوت کی چوتھی صاحبزادی بی بی جمال سے ہوئی۔ اس قران السعدین سے جو سلسلہ نسب جاری ہوا اسی سے راقم کا دادیہالی سلسلہ وابستہ ہے۔ راقم کا دادیہالی نسب نامہ یہ ہے۔

سید احمد اللہ بن سید سلامت اللہ بن میر سید اللہ بخش عرف بخشی بن میر سید مصاحب علی (ساکن کھربیہ) بن میر سید واحد علی بن میر سید کریم اللہ بن............بن سید سعد اللہ جھمنیا............بن مخدوم سید تیم اللہ سفید باز بن مخدوم سید حمید الدین بن مخدوم آدم صوفی بن سید ابراہیم بن سید جلال الدین بن سید سلطان حسن بن سید محمود بن سلطان ابراہیم ادھم بلخی بن سید یعقوب بن سید احمد بن سید اسحاق بن زید شہید بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ۔

حضرت سید سعد اللہ جھمنیا کے نام سے پہلے اور بعد کو متعدد نام چھوٹ گئے ہیں جو راقم کو یاد نہیں۔ حضرت سید سعد اللہ جھمنیا کے متعلق بہ روایت راقم کے خاندان میں مشہور ہے کہ چھ من غلہ پکوا کے اور نیاز کرا کے فقراء اور مساکین میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب جھمنیا ہو گیا۔"

میر سید اللہ بخش عرف بخشی کے دو بیٹے تھے۔ سید سلامت اللہ اور سید وجیہ الدین۔ سید وجیہ الدین کی شادی قاضی سید شاہ مبارک حسین قادری کی دختر سے انجھر شریف میں ہوئی۔ جن سے دو صاحبزادے قاضی سید محسن اور ڈاکٹر سید عبد المغنی ہوئے۔ قاضی سید محمد محسن اپنی ننہیال انجھر شریف میں سید شاہ نجم الدین قادری کی دختر سے منسوب ہوئے۔ قاضی سید محمد محسن مرحوم کے پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ پسر اول سید محمد سلطان اختر، پسر دوم سید محمد احسان قادری، پسر سوئم سید محمد عرفان احمد قادری، پسر چہارم سید محمد امیر حمزہ عرف عمران قادری اور پسر پنجم سید محمد طلحہ عرف عدنان قادری۔ لڑکیوں میں سلمٰی خاتون، سکینہ خاتون، شکیلہ خاتون اور چندہ خاتون ہیں۔

محترم جناب سید محمد عدنان قادری کی محل اولی مسماۃ سلمٰی مرحومہ بنت سید محمد سالم ہاشمی ساکن یوسف پور کے بطن سے سید محمد زبیر قادری سلمہ، سید محمد عمیر قادری سلمہ، سید محمد سمیر قادری سلمہ اور ایک بچی لبنٰی سلمہا ہیں۔ عزیزی سید محمد زبیر قادری سلمہ راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کی چھوٹی بیٹی فاطمۃ الزہرا سلمہا سے منسوب ہیں۔ اللہ پاک اس نئے رشتے کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرے۔ دونوں بچوں کو تاحیات خوش و خرم رکھے۔ دونوں خاندانوں میں اخلاص و محبت کو پروان چڑھائے۔ آمین یا رب العالمین۔

سید محمد زبیر قادری سلمہ کو عزیزی فاطمہ کے بطن سے امامہ سلمہا اور سید محمد شہیر قادری سلمہ دو شیر خوار بچے ہیں۔ اللہ تعالی ہمارے ان نونہالوں کو عمر دراز، اقبال مند اور اپنے بزرگوں کا صحیح وارث بنائے۔ آمین

نقشہ اولاد میر سید مصاحب علی (ساکن کھرپیہ)
(یکے از اولاد حضرت مخدوم آدم صوفی قدس سرہ۔ جن کی درگاہ جھلی شریف)
میر سید اللہ بخش (ساکن آبگلہ)
سید وجیہ الدین منسوب از
دختر قاضی سید مبارک حسین قادری۔ انجھر
سید سلامت اللہ
ڈاکٹر سید عبدالمغنی
قاضی سید محمد محسن منسوب
از دختر سید نجم الدین قادری۔ انجھر
حکیم احمد اللہ ندوی
(مصنف مسلم شعرائے بہار)
سید نور اللہ
دختر
دختر
سید محمد سلطان اختر
قادری
سید محمد احسان
قادری
سید محمد عرفان
قادری
سید محمد عمران
قادری
سید محمد عدنان
قادری
سلمیٰ خاتون
زوجہ شہلال قادری۔ انجھر
سکینہ خاتون
شکیلہ خاتون
چندہ خاتون
سید محمد زبیر
منسوب از دختر راقم
سید قیام الدین اورنگپوری
سید محمد خبیر
سید محمد نبیر
لبنیٰ سلمہا منسوب از
عتیق بن احسان قادری
آنسہ اُمامہ
سید محمد شہیر قادری
سید سعید
روحی
سید ٹیپو
سید علی
رابعہ
عروج
سید رضوان
سید خورشید
سید کامران
شبنم
صبوحی
سیمی
صحلی
سید انعام
نوشابہ
سید ریحان
سید فرحان
سید عتیق
نازنین
زرمین
رومی
روبی
سید ہمایوں
سید زمان
سید حسنور
سید شہنواز
سید مون
سید آفتاب
شیریں
نسرین

حضرت سید احمد زیدی واسطی جاجنیریؒ

حضرت امام زید شہید بن حضرت امام علی زین العابدینؓ کی نسل سے بکثرت سادات صوبہ بہار میں آباد ہوئے۔ زیدی واسطی جاجنیری خاندان میں بے شمار صوفیاء کرام، علمائے عظام، سپہ سالار، غازی اور شہداء پیدا ہوئے۔ راقم الحروف سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کو ایک قلمی نوشتہ حضرت سید احمد جاجنیریؒ کے تذکرہ سے متعلق جناب سید عبدالقیوم چوادری سے ملا ہے۔ اس نوشتہ میں لکھا ہے کہ حضرت سید احمد جاجنیریؒ مدینہ منورہ سے واسطہ اور مشہد مقدس ہوتے ہوئے سلطان شہاب الدین غوری کے ہمراہ دہلی تشریف لائے۔ راقم کہتا ہے کہ سید احمد جاجنیری کی ہندوستان اور پھر بہار سلطان غوری کے زمانہ میں آنے کی روایت غلط ہے۔

آگے چل کر اس قلمی نسخے میں لکھا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کے استاد حضرت مولانا شاہ نور قدس سرہ بغرض سیاحت بہار کے علاقہ منگھی سرائے تشریف لائے۔ منگھی سرائے کو اس وقت حبی نگر کہا جاتا تھا۔ یہاں کا فرمانروا راجہ اندرون تھا۔ راجہ اندرون نے حضرت مولانا موصوف اور ان کے ہمراہیوں اور دو مقامی نومسلم خدا بخش اور واجد علی کو بہت تنگ کیا اور قتل کے درپے ہوا۔ جب یہ خبر سلطان دہلی کو پہنچی تو اس نے ایک دستہ فوج کا حضرت سید ابراہیم ملک بیا کی سرکردگی میں راجہ اندرون کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ حضرت سید ابراہیم ملک بیا کے ساتھ تقریباً ساٹھ سادات کرام جن میں سید احمد جاجنیری، سید محمد جاجنیری برادران اور ایک بزرگ حضرت سید شرف الدین بھی تھے بہار تشریف لائے۔ راقم کہتا ہے کہ حضرت سید ابراہیم ملک بیا بھی سلطان شہاب الدین غوری کے بعد کے بزرگ ہیں۔

زیر نظر قلمی نسخے میں لکھا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری سادات مجاہدین کی مدد سے دہلی پر قابض ہوا۔ اور اس نے سادات کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں۔ جن میں سادات کی بارہ شاخیں شامل ہیں اور انہیں شاخوں کو سادات بارہہ کہا جاتا ہے۔ قلمی نوشتہ کے مطابق حضرت سید احمد جاجنیری کو سب سے پہلے جو جاگیر عطا ہوئی اور آپ اپنے جاگیر کے جس علاقے میں سب سے پہلے آباد ہوئے اس کو جاجنیر یا جاج کا نام دیا گیا۔ یہ علاقہ موجودہ کان پور کے قریب واقع تھا۔ جب حضرت سید ابراہیم ملک بیا کی فوج راجہ اندرون کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی تو ایک کاہن دھوبن نے اپنے باطنی علم کی وجہ سے راجہ کو اس کی خبر دی۔ راجہ اپنے افراد خانہ کے ساتھ فرار ہوگیا۔ اس طرح موجودہ علاقہ مونگیر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ جو سادات اس لشکر میں شامل تھے ان میں اکثر مونگیر کے مختلف بارہ گاؤں میں آباد ہوئے۔ جنہیں آج کل بارہ گیاں کہا جاتا ہے۔

قلمی نوشتوں میں حضرت سید احمد اور سید محمد برادران کی جو آمد سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں ظاہر کی گئی ہے یہ ایک تاریخی غلطی ہے۔ اس لئے کہ حضرت سید ابراہیم ملک بیا اور سید احمد جاجنیری، حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد منیری فردوسی قدس سرہ کے ہمعصر تھے اور آپ کا زمانہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری پر محیط ہے۔ خانوادہ زیدی الواسطی کے مورث اعلیٰ حضرت سید ابوالفرح واسطی سب سے پہلے مع اپنے تمام اہل خانہ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور آپ کی اولاد کئی پشتوں تک ضلع ڈیرہ

غازی پچاس کے گاؤں داجل پنجاب میں آباد رہی۔ بعد اس کے واسطی جاجیری خاندان کے افراد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہوتے گئے۔ مصنف ''اشراف عرب'' کے مطابق حضرت سید احمد جاجیری اور سید محمد جاجیری، حضرت سید ابراہیم ملک بیا کے ساتھ ۶۴۲ھ میں بہار تشریف لائے۔

جناب سید عبد القیوم چاوروی صاحب اپنی کتاب ''سادات جاجیری'' میں لکھتے ہیں: ''حضرت سید ابراہیم (ملک بیا) کے ہمراہ جتنے غازی بہار آئے ان میں بیشتر بزرگ سادات تھے۔ان ہی میں حضرت سید احمد جاجیری اور سید محمد جاجیری دو سگے بھائی تھے۔حضرت سید محمد جاجیری راجگیر میں مقیم ہوئے اور ان کی نسل بہار (شریف)، راجگیر، مزھوئی اور مسیاں وغیرہ میں پھیلی۔حضرت سید احمد جاجیری نے مونگیر ضلع کا رخ کیا اور موضع ندیاواں میں قیام فرمایا۔کہا جاتا ہے کہ ندیاواں میں آپ نے بہت بڑی خانقاہ قائم کی تھی ....'' حضرت سید احمد جاجیری موضع ندیاواں مونگیر میں آسودہ خاک ہیں۔

حضرت سید احمد جاجیری اور سید محمد جاجیری دونوں برادران اپنے وقت کے صاحب سیف و قلم بھی تھے اور روحانی پیشوا بھی۔ آپ کے خاندان میں ایک سے ایک جید علماء اور صوفیاء گزرے ہیں۔ جناب سید نجم الحسن، مصنف ''اشراف عرب'' کے مطابق سید محمد جاجیری، حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔راقم سید قیام الدین کہتا ہے کہ سید احمد جاجیری کے صاحبزادے حضرت سید جان، حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔حضرت سید احمد جاجیری کا سلسلہ نسب ''اشراف عرب'' میں اس طرح لکھا ہے۔

سید احمد و سید محمد برادران بن سید بدرالدین بن سید عزیز الدین بن سید ابراہیم بن سید ہدایہ بن سید محمد بن سید علی باتھ بن سید مسعود بن سید ابوالفراش بن سید ابوالفرح واسطی بن سید داؤد بن سید یحیٰی بن سید زید ثالث بن سید عمر بن سید زید ثانی بن سید علی بن سید حسین بن سید عیسیٰ ابو یحیٰی بن سید زید شہید بن امام زین العابدین۔

سید احمد جاجیری کے نسب نامے سے متعلق تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق آپ عسکری حسینی ہیں، جبکہ بعض کے نزدیک آپ زیدی حسینی ہیں۔چونکہ آپ کا نسب نامہ بالاتفاق حضرت حسین شہید رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، اس لئے عسکری اور حسینی کی بحث لاحاصل ہے۔کتاب ہذا کے مختلف مقامات پر سید احمد جاجیری کے مختلف اولادوں کے حالات کے ضمن میں جو نسب نامے دیئے گئے ہیں وہ نسب نامے ان خاندانوں میں مروج و مشہور ہونے کے اعتبار سے ہیں نہ کہ زیر بنائے تحقیق۔بہار میں سادات جاجیر، زیدی الواسطی اور خاص طور سے سید احمد اور سید محمد جاجیری کی اولادوں کے نسب نامے پر بکثرت کتابیں موجود ہیں۔ ''تاریخ حسن، تذکرۃ الابرار، نسب نامہ سادات، ملوک دیسنہ، سادات جاجیری اور اشراف عرب'' دراصل سادات زیدی الواسطی جاجیری ہی پر تصنیف کی گئی ہیں۔ دراصل خاندان پر مفصل اور بیر حاصل مواد ان کتابوں میں موجود ہے۔اس کے علاوہ '' مخزن الانساب، کنز الانساب، اعیان وطن، تذکرہ صادقہ'' اور کراچی میں لوگوں کے پاس ایسے قلمی نسخے بھی موجود ہیں جس میں اس خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد کے نسب نامے تحریر ہیں۔اس لئے میں یہاں تفصیلی نسب نامہ کے بجائے زیدی الواسطی جاجیر خاندان کی مختلف شاخوں کو تحریر کر رہا ہوں۔

بہار میں زیدی الواسطی خاندان کی مختلف شاخیں

سید ابوالفرح واسطی

سید ابوالفوارش عرف محمد فراش | سید زید رابع | سید فضائل

سید ابوالفوارش عرف محمد فراش
سید ابوالفتح/ابوالفرح ثانی
سید علی شیر جاجنیری
سید معز الدین
سید فیض اللہ
سید ناصر ہانسوی
سید خواندہ میر
سید علاء الدین
سید محمد اولیاء
سید قطب الدین اولیاء نگیری
سید مسعود
سید عالم
سید قاسم
سید قطب الدین داد بک تار بکھوری
سید حسن زید
سید وجیہ الدین عرف بولن
سید شاہ محمد احسن
سید شاہ مظفر علی
مخدوم سید شاہ یحییٰ علی جعفی پوری
سید شاہ اشرف علی
سید شاہ حسین علی
سید شاہ محمد واجد خسرو پوری

سید زید رابع
سید محمود
سید مسعود جاجنیری دہلوی
سید زید (بہاری)
سید محمود
سید یحییٰ
سید ہیبت
سید یحییٰ (موضع کاندھا)
مخدوم سید جاہد شہید

سید شاہ ابوالحیات
سید محمد سعید (زوج دختر سید نصیر الدین ساکن چکلا داں)
سید وصی احمد (زوج دختر سید نظام الدین احمد اورنگپوری)

تفصیل کے لیے دیکھیے
"شرفا کی نگری"
حصہ اول

نقشہ اولاد مخدوم سید چاند شہید
سید مانک (موضع مسیاں)
مخدوم سید عمر
سید نظام الدین
سید بہاء الدین
سید غلام محی الدین عرف غلام محمد
مولانا سید عبدالسمیع راجگیری
سید عبدالواجد
سید یار محمد عرف جمن
سید احمد علی
سید حمید علی
سید فضل امام سر بہدی
سید الفت کریم شیخپوروی
سید محمد کریم
سید انوار کریم (زوج نواسی سید مظہر الرحمان گھریا)
سید فضل کریم
(تفصیل صفحہ ٤٨)
سید انور
سید اسد اللہ
سید محمد حفیظ
سید امین اللہ
سید اکبر علی عرف چھرہ
سید عنایت علی
سید اشرف حسین (بانس بیگہ)
سید حبیب الرحمان
سید مجیب الرحمان
سید ظفر امام
سید یوسف امام (کراچی)
سید لطیف الرحمان
سید عطاء الرحمان (اسلام پور)
سید محمد الیاس (کراچی)
بی بی مسعودہ (زوجہ سید جاوید وسیم
نواسہ میر سید امیر الدین اورنگپوری)

سید ابو الفرح واسطی

- سید ابو الفوارس عرف محمد فراش
- سید علی مسعود
- سید علی باگھ
- سید محمد
- سید ہدایہ
- سید ابو الفتح ابراہیم
- سید عز الدین
- سید بدر الدین زید
- سید احمد جاجھیری

شاخ اول

- سید برہان الدین (سانحہ)
- سید جلال الدین خان رہوی
- سید شہاب الدین
- سید بدر الدین
- سید جمال الدین
- سید کمال الدین
- سید قمر الدین
- سید نصر الدین
- سید فخر الدین
- سید امیر الحسن
- میر اکبر علی شہید
- سید عطا علی
- سید مان علی
- سید قدرت اللہ
- سید نوازش علی احمد گنج سانحہ
- سید خواجہ علی
- سید عبد الرحمان بخش
- سید بدر الحسن
- سید نجم الحسن مصنف "ذو شرافت عرب"

شاخ دوم

- سید حیدر باگھ
- سید حاتم رہوی
- سید محمود
- سید محمد
- سید خداوند
- سید شاہ محسن
- سید اللہ داد
- سید غازی خان
- سید سلونی

نقشہ اولادِ سید سلونی
سید احمد علی
سید سکندر
سید فیروز
سید مقیم
سید دھوم
سید شفاعت
سید شجاعت
مولانا سید محمد احسن
حافظ ابو الخیر
علامہ سید مناظر احسن گیلانی
میر سید صابو
میر سید واصل علی
میر ناصر علی
میر افضل علی
سید دائم علی میر گھری
حکیم سید برکات احمد ٹونکی
حکیم سید محمد احمد
حکیم سید محمود احمد برکاتی
حکیم سید مجاہد محمود برکاتی
ناظم بلاک ۱۳
فیڈرل بی ایریا، کراچی
حکیم سید مسعود احمد برکاتی
سید بایزید
سید عبد الوہاب
سید دولت
سید شیر محمد
سید جان محمد
سید نذر محمد
سید سیف علی
سید ریاست علی
سید جواد حسین گیاوی
مصنف
"تاریخ حسن"

نقشہ اولاد سید علی اکبر سعد اللہ خانی زیدی الواسطی

عرف ملا سید سعد زیدی الواسطی

سید محمد دوست — سید محمد سعید خان — میر سید محمد فرح شیر

ساکن ابراہیم پور
متصل مہر بہدہ

سید میر محمد نور بیگی

سید غلام پیران پیر — سید محمد باقر

سید محمد فاضل — نواب عتیق اللہ — عطاء اللہ

سید حبیب اللہ
سید احمد اللہ
سید بقیۃ اللہ
سید امام علی
زوج دختر سید مردان علی

سید محمد باقی
میر سید فتح اللہ

سید ابو المعالی
سید فضل المصطفےٰ
مسماۃ اقلیمہ
زوجہ میر سلامت علی غیورہ

میر فضل اللہ
میر فرزند علی

سید لطف علی — سید راحت علی — سید شجاعت علی — مسماۃ حیاتن

زوجہ امداد علی

خان بہادر امداد علی خان — سید اشہد علی — سید ارشاد علی — سید افتخار علی

زوج حیاتن بنت میر سلامت علی
بن سید دائم علی بن سید محمد منور
نبیرہ (نبانہ) ان سید محمد عرب خنگ سوار

علی احمد — علی قاسم

عبد الکریم — اصغر حسین — بی بی صغرا

زوجہ میر رایت حسین
صدر اعلیٰ آرہ، متوطن سالار پور

نذیر حسین — وحید الدین — سراج الدین — وصی احمد — رفیع احمد

منشی سید وحید الدین — منشی نجم الدین — سید فرید الدین

محی الدین
لطف الرحمان

از محل اولی — ازمحل دوم بیگم صاحبہ — از محل چہارم شیعہ

امداد امام اثر — یوسف امام — دختر — دختر — آل امام — فضل امام — رشید النساء

جعفر امام
سید اشرف امام
سید حیدر امام
زوجہ محمد یحییٰ وکیل پٹنہ

ام حبیبہ — حبیب النساء — غضنفر امام — شوکت امام — خورشیدہ — نزہت

اردو کی پہلی ناول نگار خاتون مسماۃ رشید النساء بنت مفتی سید وحید الدین (کرائے پر سرائے)
زوجہ ملک محمد یحییٰ وکیل
مسٹر محمد سلیمان
بیرسٹر
غلام مولیٰ
غلام مرتضیٰ
لاولد
غلام وارث
زوج دختر شفیع داؤدی
قسیم النساء
زوجہ محمد ہاشم ہاڑہ
نثار فاطمہ
زوجہ سر عبدالرحیم
جج کلکتہ ہائی کورٹ
نثار کبریٰ
زوجہ سید رضا کریم
بن سید عمر کریم
بن سید علی کریم
مجاہد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء
کلثوم
زوجہ نجم الحسن
نوری کٹرہ
حاجرہ
زوجہ احمد حسین
دختر
غلام امام
صفدر امام
اظہر امام
جمال وارث
یحییٰ وارث
طیب
سلطانہ
اصغری
عائشہ
محمد
مہدی علی
دختر
زوجہ
حسین شہید سہروردی
سابق وزیر اعظم پاکستان
دختر
زوجہ کیپٹن انعام
زیڈ۔اے۔رحیم
بیرسٹر لاولد
جے۔اے۔رحیم
جنرل سکریٹری پی پی پی
قیصر رحیم
انجینئر
سید محمد کریم
ضلع جج
سید انوار کریم
سید شوکت کریم
کینیڈا
بیگم انیس امام
زوجہ سر سید علی امام
دختر
زوجہ ڈاکٹر ولی احمد
سول سرجن
ڈاکٹر اقبال حسین
ماہر تعلیمات
افضل حسین
لاولد
دختر
بیگم اختر سلیمان
شاہدہ جمیل
وزیر قانون
حکومت پاکستان
۲۰۰۱ء

نقشہ اولاد میر سید نظام الدین زیدی الواسطی (ساکن میساں)
میر سید بہاء الدین
سید انور
سید اسد اللہ
سید محمد احمد اللہ
سید محمد حفیظ
زوجین
مسماۃ صفیہ
سید شاہ ولی
سید امین اللہ
سید اکبر علی عرف چھرو
زوجین
مسماۃ عائشہ
سید عنایت علی
سید اشرف حسین
سید حبیب الرحمان
سید لطیف الرحمان
سید قمر الرحمان
سید مجیب الرحمان
سید ولی الرحمان
دختر
دختر
سید حسن امام
سید ظفر امام
صفیہ خاتون
رشیدہ خاتون
یوسف امام
احمد امام
از محل سوم
دوم
محل
از
از محل اولی دختر شاہ فرزند علی ابدالی
مسماۃ شمسہ
مسماۃ محمودہ
مسماۃ حسنہ
سید امیر حسن
سید منظور
سید شاہ عطاء الرحمان
زوجہ سید عبد اللطیف مکی
لاولد
لاولد
اسلام پور
سید محمد عباس
مسماۃ زینب
مسماۃ ساجدہ
یوسف
اسماعیل
ابراہیم
سید محمد الیاس
مسماۃ عابدہ
ظہیرا
مسعودہ

نقشہ اولاد سید یار محمد عرف جھن زیدی الواسطی، راجگیری
سید احمد علی
سید امید علی
سید فضل امام (سربہدہ)
سید ارادت کریم (شیخپورہ)
سید الفت کریم (شیخپورہ)
مسماۃ کنیز فاطمہ — زوجین — سید محمد کریم
سید انوار کریم
دختر
دختر
سید اختر کریم
زوج عظیم النساء
بنت سید شاہ علیم الدین
ساکن کوپا
سید فضل کریم
سید احمد کریم
سید اسرار کریم
نفیسہ خاتون
سید اشرف علی
سید احمد حسین
سید غلام صدیق
سید غلام محمد
مسماۃ کلثوم
مسماۃ امامی
مسماۃ عمدہ
ساکن شیخپورہ
سید محمد نعیم
سید محمد سمیع
دختر
دختر
دختر
دختر
زوج دختر
عنایت کریم
ساکن برجھو
زوج دختر
سید حسن امام
بہورہ
حسن سمیع
علی سمیع
مصطفے سمیع
دختر
دختر
سید احمد نعیم
سید محمد نعیم
سید علی نعیم
سید حسن نعیم
اقبال نعیم
اشہد نعیم
ارشد نعیم
سید محمد نور عالم
سید محمد ظہور عالم
سید محمد محمود عالم
مسعود عالم
زوج اشرف النساء
بنت اعجاز حسین ابدالی
زوج دختر سید محمد یٰسین
داروغہ میرداد
راشد نعیم
انور نعیم
اشرف نعیم
محمد نعیم
ڈاکٹر سمیع
نعیم فاطمہ
سعدیہ نعیم
زوجہ پروفیسر حسن امام
ساکن بی بی پور، کاکو
حسن علی نعیم
یوسف علی نعیم
سارہ نعیم
علی امام
سعد امام

سید احمد حسین راجگیری
سید غلام محمد قاسم
سید غلام صدیق
عرف سید محمد یوسف زوج
دختر وزیر علی خان منیر، بہار
سید مقصود عالم
زوج دختر شیخ نور الحق
سید محمد مسعود عالم
زوج دختر شاہ
محمد ہارون فریدی پھلواروی
سید محمد نور عالم
سید محمد ظہور عالم
ابدالی، مرادپور، بہار شریف
سید محمد محمود عالم
زوج دختر سید محمد یسین
ام حبیبہ
انجہری
شرف النساء
زوجہ امیر الحسن
سیوان
سید اختر الدین
سیوان
عذرا
زوجہ شمس الباری
محی الدین پوری
اسماء
زوجہ عبد الرشید خان
سیوان
سید محمد اظہار عالم
زوج دختر سید محمد محسن
محی الدین پوری
سید انوار عالم
محمد اسماعیل
محمد اسحاق
اشفاق عالم
عرف محمد یعقوب
ابراہیم
عرف عبد اللہ طارق
سعد اللہ
اسد اللہ
وعد اللہ
کلثوم
رقیہ
فردوسیہ
قدسیہ
ڈاکٹر عمر
فرحانہ
سائرہ

نقشہ اولاد سید محمد ظہور عالم
سید منظر عالم
سید مظہر عالم
سید علی شرفی
سید حسن شرفی
سید رضی شرفی
مجرد
زبیدہ خاتون
نسیمہ خاتون
زوجہ سعید ہاشمی
واحد فاطمی
فخر الزماں
شمس الزماں
قمر الزماں
بدر الزماں
رضیہ
مانو
آسمہ
روزی
شمس الحسن
نجم الحسن
شہلا
غزالہ
نبیلہ
ولیہ
جاوید
مسرور
شہزاد
خرم
فری
اقبال
ریاض
نواز
یٰسین
شاہین
عزیز احمد
عرف قیصر
وصی احمد
قمر احمد
افسر احمد
نسیم احمد
انیس فاطمہ
عرف منی

حضرت سید فضل اللہ عرف سید گوسائیںؒ

حضرت سید فضل اللہ عرف گوسائیں قدس سرہ سلسلہ قادریہ کے بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ آپ بیتاً قادری، نسباً حسنی الحسینی سادات اور حضرت سید قطب الدین محمد کڑئی قادری کی اولاد امجاد سے تھے۔ جن کا سلسلہ نسب مولوی کریم الدین مرحوم نے اپنی کتاب "کنز الانساب" میں بحوالہ "تذکرۃ السادات" اور "تاریخ آئینہ اودھ" تحریر کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

سید فضل اللہ عرف گوسائیں بن سید نصیر الدین گنج علم بن سید حسن بن سید علی شاہ بن سید امیر بڑا مجذوب بن سید قیام الدین بن سید صدر الدین بن سید رکن الدین بن سید نظام الدین بن میر سید قطب الدین محمد کڑئی بن سید رشید الدین احمد غزنوی بن سید یوسف جمال بن سید عیسیٰ زندہ دل بن سید حسن بن سید ابوالحسن بن سید ابوجعفر بادل بن سید قاسم غازی بن سید عبداللہ بن حسن النقیب کوفہ بن محمد اصغر الثانی بن عبداللہ اشتر الکابلی بن محمد النفس الزکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنی بن سیدنا امام حسنؓ۔

حضرت میر سید قطب الدین محمد کڑئی جیلان سے بغداد، غزنی اور دہلی ہوتے ہوئے الہ آباد کے علاقہ کڑا مانک پور میں آکر مقیم ہوئے۔

جناب شیخ احمد اکبر آبادی مرحوم اپنی کتاب "رسالہ تذکرۃ السادات" میں "ملفوظ قطبیہ" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حضرت میر سید قطب الدین محمد بعد از مراجعت از مقام دہلی بمار رسیدہ چنیں است کہ چوں حضرت از مقام دہلی مع فرزندان و توابعان نصرت توامان مراجعت بجانب مشرق کردند از آنجا تفحص زمین صالح و تفتیش ارض مطبوع کنان منزل بمنزل کوچ میفرمودند کہ ہر جا کہ زمین صالح و مطبوع باشد رایات اقامت الی یوم القیامت آنجا نصب کنیم چوں بر زمین خاک پاک کوڑہ کہ قریب قصبہ ہنسوہ بمسافت نیم فرسنگ واقع است رایات عالیا رسید مقام دلکش در طبع شریف برائے استقامت تا قیامت پسندیدہ و مطبوع نمود۔"

حضرت مخدوم سید فضل اللہ عرف سید گوسائیں قادری قدس سرہ کا خاندان تو پشتیں یعنی حضرت میر سید قطب الدین کڑئی سے آپ کے والد میر سید شاہ نصیر الدین گنج علم تک کڑا مانک پور میں رہا۔ حضرت مخدوم گوسائیں قدس سرہ العزیز کڑا مانک پور سے نقل مکانی کر کے صوبہ بہار کے تاریخی شہر بہار شریف کے محلہ دائرہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ آپ کی دو شادیاں ہوئیں اور دونوں محل حضرت شاہ قطب الدین بینائے دل قادری جون پوریؒ کی صاحبزادیاں تھیں۔ آپ کو حضرت شاہ قطب الدین بینائے دل جون پوریؒ سے بیعت و خلافت بھی تھی۔ اور آپ نے اپنے خسر اور مرشد سے علم ظاہری و باطنی بھی حاصل کیے۔ جب آپ کی محل اولی حضرت بی بی راضیہ نے وصال فرمایا تو دوسری شادی حضرت بی بی امینہ سے ہوئی۔ دونوں اہلیہ بہار شریف محلہ دائرہ میں آپ کے قریب ہی مدفون ہیں۔ اس سلسلہ میں سید شاہ افضل حسین اصدقی شیر پوری گیاوی اپنی کتاب "تحقیق الاقوام" میں لکھتے ہیں:

"آپ کی دو زوجہ بی بی رضیہ و بی بی امینہ دونوں حضرت شاہ قطب الدین بینائے دل جون پوری کی دختر تھیں۔ حضرت رسول اکرم

ﷺ نے حضرت شاہ قطب الدین بینائے دل جون پوری کو خواب میں فرمایا کہ فلاں نامی فلاں جگہ کا یہاں آئے گا اس سے اپنی لڑکی کو بیاہ دینا۔ چنانچہ ویسا ہی کیا۔ شب عروس کو حضرت فضل اللہ ذکر میں مشغول ہوئے۔ آپ کی اہلیہ اول نے بعد فراغت ذکر فرمایا، ہمارے والد تو اس طرح ذکر کرتے کہ نفی میں موجود کی ان کے نفی ہوتی تھی۔ اور اثبات میں موجود ہوتے تھے۔ چنانچہ ویسا ہی ذکر (اہلیہ نے) کر کے دکھایا۔ اس روز سے آپ نے ان کو مرشد بنایا کہ جس کی وجہ سے یہ فرمایا کہ ہماری قبر اہلیہ کے پائینتی کی طرف ولی رہے چنانچہ ویسا ہی ہے۔ (یعنی آپ کی قبر اہلیہ اولی کے پائینتی محلہ دائرہ، بہار شریف میں ہے) ۔ اول سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ دوسری سے اولاد اور آل ماشاء اللہ بکثرت ہیں۔ آپ بڑے صاحب کمال ہوئے اور آپ کو خلافت حضرت شاہ قطب الدین بینائے دل جون پوری سے ملی۔"

حضرت سید فضل اللہ عرف میر گوسائیں قدس سرہ سے متعلق "رسالہ تذکرۃ السادات" میں جناب شیخ احمد اکبر آبادی مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم شاہ قطب الدین بینائے دل قادری جون پوری کی صاحبزادی سے منسوب ہونے کے بعد بہار و بنگال کے علاقہ کو وطن بنایا اور وہاں کے مشاہیرین میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ صوبہ بہار کا ایک راجہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ اس لئے کہ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ نے اس کو ایک اولاد نرینہ عطا کیا اور صاحب اولاد ہوا۔ لہٰذا راجہ اور اس کے اقرباء تعظیماً آپ کو گوسائیں کہنے لگے جو لقب کی صورت اختیار کر گیا۔ اور آپ "سید گوسائیں" کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ حضرت ایک صوفی بزرگ تھے۔ شاہ قطب الدین بینائے دل جون پوریؒ کے داماد اور خلیفہ تھے۔ بہار شریف کے محلہ دائرہ میں سلسلہ قادریہ قطبیہ کی خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور رشد و ہدایت کا کام شروع کیا۔ آپ تمام علوم اسلامیہ اور علوم باطنی سے مرصع تھے۔ آپ کی خانقاہ سے علوم اسلامیہ کی تعلیم پھیلی اور روحانی سلسلہ قادریہ کو بڑا فروغ ہوا۔

جناب ڈاکٹر سید محمد طیب ابدالی اسلام پوری مدظلہ اپنی کتاب "جادۂ عرفان" میں حضرت مخدوم میر سید فضل اللہ عرف گوسائیں قدس سرہ کی خانقاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بہار شریف کے محلہ بارہ دری میں سلسلہ قادریہ اور قلندریہ کے مشہور بزرگ حضرت میر فضل اللہ گوسائیں، حضرت قطب الدین بینائے دل جون پوری کے داماد و مرید و مجاز ہیں جن کی عظمت و بزرگی کا چرچا تھا۔ ان کی خانقاہ رشد و ہدایت کے لئے اتنی مشہور و معروف ہوئی کہ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ قلندریہ کا فیضان خاص اس خانقاہ سے صوبہ بہار کے اکثر خانقاہوں میں پہنچا۔ آپ کا فیضان حضرت منعم پاکباز کو پہنچا ہے۔ اور اسلام پور، خسرو پور، شیخ پورہ، بہار شریف، داناپور، رام ساگر، گیا کی خانقاہوں میں سلسلہ قادریہ کا فیضان آپ ہی کے واسطے سے پہنچا ہے۔"

"اذکار الابرار" میں مولانا شاہ محمد تقی حیدر کاکوروی تحریر فرماتے ہیں: "علاوہ سلسلہ عالیہ قلندریہ کے آپ سے سلسلہ قادریہ سہروردیہ و مداریہ بھی جاری ہوا۔ چنانچہ اجازت اس سلسلہ کی آپ کے صاحبزادہ حضرت سید محمود کو تھی اور ان سے حضرت سید نصیر الدین کو اور ان سے شیخ ابراہیم قادری کو اور ان سے خواجہ معز الدین کرجوی کو اور ان سے حضرت شاہ مجیب اللہ قلندر (قادری) پھلواروی کو ("اعیان وطن" مصنف حضرت حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی میں تفصیل موجود ہے۔ قیام) اور ان سے حضرت شاہ نعمت اللہ قلندر کو اور ان سے حضرت شاہ ابوالحسن فردؒ کو اور ان سے حضرت شاہ علی حبیب نصر کو اور ان سے حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کو۔"

آج بھی حضرت میر سید فضل اللہ عرف میر گوسائیں قدس سرہ کا فیضان بسلسلہ قادریہ ہندوستان و پاکستان میں جاری و ساری ہے۔

آپ کا سلسلہ حضرت سید محمد تقی درویش بے ریا، حضرت سید نظام الدین قادری قطبی، حضرت دیوان سید محمد جعفر بارہ، حضرت سید خلیل الدین قادری قطبی، حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاک پٹنہ اور حضرت مخدوم شاہ حسن علی پٹنہ سے ہوتا ہوا حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی خسرو پوری جن کی خانقاہ صفی پور، ضلع پٹنہ میں ہے کو پہنچی۔ حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی کے ذریعے سلسلہ قادریہ قطبیہ حضرت سید شاہ ولایت علی کو خانقاہ اسلام پور، حضرت شاہ جمال علی کو خانقاہ شعیبیہ شیخپورہ مونگیر اور حضرت جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی کو خانقاہ معظم بہار شریف وغیرہ پہنچا۔ حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی کی اولادوں میں حضرت حکیم حافظ سید شاہ ابوالحیات علیہ الرحمۃ اور محترمی و مکرمی جناب سید شاہ ولایت علی اصلاحی مدظلہ سلسلہ قادریہ قطبیہ کے فیوض و برکات صوبہ بہار سے پاکستان کے شہر کراچی لائے۔

حضرت حکیم حافظ سید شاہ ابوالحیات قادری منعمی علیہ الرحمۃ کے مریدوں اور معتقدوں کی ایک بڑی تعداد کراچی میں موجود ہے۔ آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت ڈاکٹر حافظ سید شاہ محمد سمیع کو اپنا جانشین کر کے تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ حضرت حافظ سید شاہ محمد سمیع قادری منعمی نے وصال سے قبل اپنے چھوٹے بھائی حضرت سید شاہ محمد اصغر حسین زیدی قادری منعمی کو اپنا جانشین و خلیفہ کیا۔ اور حضرت سید شاہ محمد اصغر حسین زیدی قادری منعمی نے اس ناچیز قیام الدین نظامی قادری فردوسی کو اپنے تمام خاندانی سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرما کر ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپی ہے۔ نقل تحریری اجازت و خلافت کی درج ذیل ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللّٰھم صلِّ علیٰ محمد عبدک و حبیبک و رسولک النبی الامی و علیٰ آلہ و بارک وسلم۔ بعد حمد و ثنا اللہ بزرگ و برتر و درود و سلام نبی آخر الزماں حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ راقم السطور سید شاہ اصغر حسین زیدی قادری ابوالعلائی منعمی ابن حکیم سید شاہ ابوالحیات قادری ابوالعلائی منعمیؒ، جاروب کش آستانہ حضرت مولانا و مخدومنا سید شاہ یحییٰ علی قادری قدس سرہ و نور مرقدہ، صفی پور شریف (نزد خسرو پور نوآبادہ، ضلع پٹنہ۔ بہار۔ حال مقیم کراچی) کہتا ہے کہ میں مرید اپنے والد علیہ الرحمۃ کا ہوں اور اجازت و خلافت اپنے بڑے بھائی عارف کامل تجلی واصل حضرت ڈاکٹر سید شاہ محمد سمیع علیہ الرحمۃ سے تمام سلاسل قادریہ، فردوسیہ، ابوالعلائیہ اور منعمیہ وغیرہ کا رکھتا ہوں۔ اس وقت کہ میں ضعیف العمر اور بیماریوں سے کمزور و نحیف ہو چکا ہوں .... ایسے نازک موڑ پر میں نے دور و نزدیک نظر دوڑائی تو میری نگاہ عزیزم سید قیام الدین نظامی فردوسی سلمہ پر پڑی جو میرے علم کے مطابق تصوف اور صوفیوں سے لگاؤ اور عقیدت رکھتے ہیں۔ جس کا ثبوت ان کی کتاب "شرفا کی نگری" ہے۔ موصوف، حضرت مولانا سید شاہ محمد مصطفیٰ حسن ... شطاری فردوسی قدس سرہ کے چہیتے مریدوں میں ہیں۔ اپنی کتاب میں عزیز موصوف نے ہمارے خاندان کے بزرگوں کا ذکر بڑے خلوص و محبت اور قلبی لگاؤ سے کیا ہے اور اس ناچیز سے بھی انتہائی محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے میں اپنے تمام سلاسل خصوصاً قادریہ، فردوسیہ، ابوالعلائیہ اور منعمیہ کا مجاز کرتا ہوں اور اجازت و خلافت سے سرفراز کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عزیزم سید قیام الدین سلمہ کو اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی طاقت

اور ہمت عطا فرمائیے۔ آمین یارب العالمین............"

دستخط گواہان — دستخط

۱۔ پسر اوسط حضرت شاہ صاحب — تاریخ

۲۔ برادر زادہ حضرت شاہ صاحب

۳۔ برادر زادہ حضرت شاہ صاحب

جناب سید احمد سجاد مرحوم کی بیاض (قلمی) میں تحریر ہے کہ حضرت مخدوم میر سید فضل اللہ عرف سید گوسائیں قدس سرہ العزیز نے ۵ جمادی الثانی ۹۲۵ھ کو وصال فرمایا۔ "فخر آدم" سے تاریخ وصال نکلتی ہے۔ آپ صوبہ بہار کے مشہور شہر بہار شریف کے محلہ دائرہ میں آسودہ خاک ہیں۔ راقم سید قیام الدین نظامی قادری منعمی الفردوسی ۱۹۹۷ء کو حضرت کے روضۂ اقدس کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔

شجرہ عالیہ خلافت قادریہ منعمیہ بسلسلہ حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علیؒ خسرو پوری :

راقم سید قیام الدین کو حضرت سید شاہ محمد اصغر حسین زیدیؒ سے ان کو اپنے بڑے بھائی حضرت حافظ سید شاہ محمد یحییٰؒ سے ان کو اپنے والد حضرت حکیم حافظ سید شاہ ابوالحیاتؒ سے ان کو اپنے والد حضرت سید شاہ محمد واجدؒ سے ان کو اپنے بڑے بھائی حضرت سید شاہ محمد قاسمؒ سے ان کو اپنے والد حضرت سید شاہ حسین علی سے ان کو اپنے والد حضرت سید شاہ اشرف علی عارف سے ان کو اپنے والد حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علیؒ سے ان کو حضرت مخدوم شاہ حسن علیؒ سے ان کو حضرت مخدوم شاہ منعم پاکؒ سے ان کو حضرت سید خلیل الدین ساکن باڑھ سے ان کو حضرت سید محمد جعفرؒ باڑھ سے ان کو حضرت سید شاہ اہل اللہؒ باڑھ سے ان کو حضرت سید نظام الدین قادری قطبیؒ سے ان کو حضرت سید تقی الدین سے ان کو حضرت سید نصیر الدین سے ان کو حضرت سید محمود سے ان کو حضرت مخدوم سید فضل اللہ عرف سید گوسائیں قدس سرہ سے ان کو حضرت شاہ قطب الدین بینائے دل جونپوری سے۔

نقشہ اولاد حضرت سید فضل اللہ گوسائیں
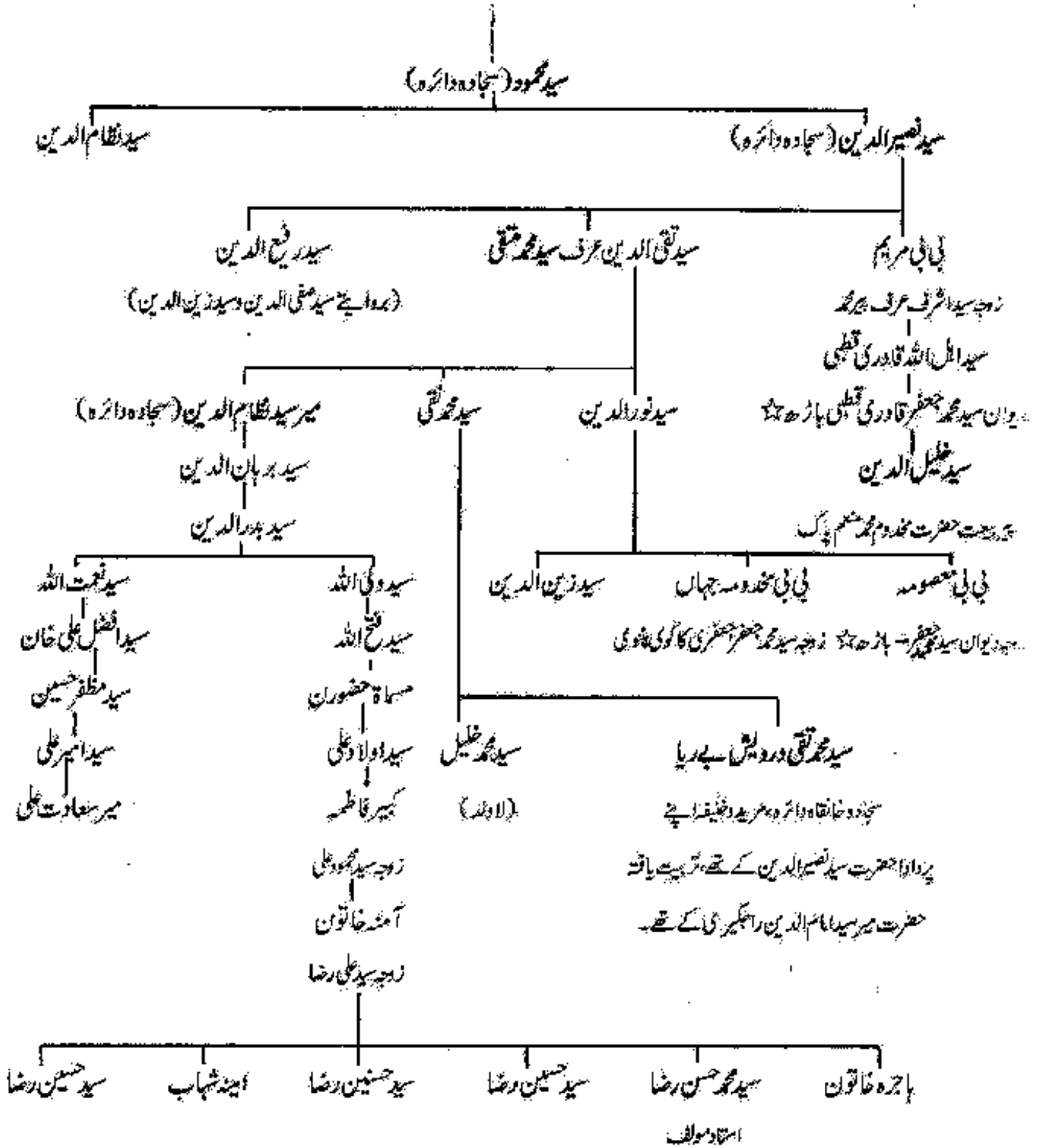
حضرت مخدوم منجھن قتال بخاری سہروردیؒ

برصغیر پاک وہند میں صوبہ بہار ایک مردم خیز خطہ بہت مشہور ومعروف ہے۔قدیم مورخین اور تذکرہ نگاروں نے صوبہ بہار کی تہذیب وتمدن کا موازنہ قدیم یونانی تہذیب وتمدن سے کیا ہے۔پانچ سو سال قبل مسیح صوبہ بہار کا دارالخلافہ سمراٹ چندر گپت موریہ کے زمانہ میں پاٹلی پترا تھا۔جس کی حکومت بہار سے ملے کر پاکستان کے علاقہ ٹکسیلا تک پھیلی ہوئی تھی۔موجودہ پٹنہ (سابقہ پاٹلی پترا) اس وقت بھارت کے صوبہ بہار کا دارالخلافہ ہے۔اس صوبہ کا ایک مشہور شہر بودھ گیا ہے۔اس شہر کو مہاتما گوتم بدھ اور ان کی مذہبی تحریک بدھ مت کی وجہ کر بڑی شہرت حاصل ہے۔اسی صوبہ میں شہر منیر اور بہار شریف اسلام کا مرکز بنا۔جہاں تاج فقیہی خاندان کے چشم وچراغ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری فردوسی قدس سرہ کو تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔صوبہ بہار میں اسلام کی ابتدا ۵۷۶ھ مطابق ۱۱۷۸ء میں حضرت امام محمد تاج فقیہہ زبیری الہاشمیؒ اورحضرت مخدوم عارف مومن یمنیؒ کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کے بعد ہر زمانہ میں بکثرت صوفیائے کرام اور مشائخ عظام یہاں تشریف لاتے رہے اور تبلیغ کے کام کو آگے بڑھاتے رہے۔

صوبہ کے دارالخلافہ پٹنہ کو شہر گیا سے ملانے والی ریلوے لائن پی جی ریلوے لائن کہلاتی ہے۔اس ریلوے لائن کے دونوں جانب بکثرت مسلم بستیاں آباد ہیں۔پٹنہ سے جاتے ہوئے شہر گیا کے قریب اور ضلع گیا کے حدود میں ٹیہٹہ اسٹیشن ہے۔اسٹیشن پر اترتے ہی قریب ترین کئی مسلم بستیاں ہیں جن میں مخدوم پور ریلوے لائن کے دائیں جانب اور میران بیگہ ریلوے لائن کے بائیں جانب دو کلومیٹر پر مشہور بستی ہے۔میران بیگہ کا اصل نام نیلم پور حجرہ عرف میران بیگہ ہے۔اس گاؤں میں چشتیہ سہروردیہ سلسلہ کے ایک مشہور صوفی بزرگ حضرت مخدوم منجھن قتال بخاری قدس سرہ العزیز کا مقبرہ مرجع خلائق ہے۔آپ کا مزار اقدس پختہ بڑے سے چبوترے پر ایک مسطح اور کھلے میدان میں ہے۔جہاں ہر سال آپ کے عرس میں صوبہ اور صوبہ کے باہر سے زائرین کی ایک کثیر تعداد حاضری دیتی ہے۔اس موقع پر ہر مذہب وملت کے لوگ جمع ہوتے ہیں،ایک بڑا میلہ لگتا ہے،فاتحہ خوانی،چادر پوشی ہوتی ہے اور محفل سماع کی مجلس سجتی ہے۔اب اس بستی میں نہ تو کوئی خانقاہ ہے۔اور نہ ہی آپ کی اولادوں میں سلسلہ سجادگی کا رواج ہے۔آپ کے ورثا میں صرف چند نفوس میران بیگہ میں باقی رہ گئے ہیں،جن کی چادر عرس کے موقع پر سب سے پہلے چڑھائی جاتی ہے۔میران بیگہ کے قرب وجوار میں بکثرت بستیاں ملک برادری کی ہیں۔جنہیں حضرت مخدوم منجھن قتال سے انتہائی عقیدت ومحبت ہے اور تقریباً ہر بستی سے چادر لاکر مزار اقدس پر چڑھائی جاتی ہے۔برادرم سید ممتاز احمد صاحب کا بیان ہے کہ حکومت صوبہ بہار کی طرف سے بھی ایک چادر آتی ہے۔راقم الحروف سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی جب ۱۹۹۷ء میں ہندوستان گیا تو پہلی ملاقات برادرم سید ممتاز احمد صاحب میران بیگوی سے محلہ شاہ کی املی پر مکان سید عبد الودود ہوئی اور انہوں نے حضرت مخدوم کے مزار اقدس

ن چادر کا ایک ٹکڑا تحفتاً عنایت فرمایا جس کے لئے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

حضرت مخدوم منجھن قتال بخاری سہروردی قدس سرہ کا اصل نام سید خامد ہے۔ لیکن بہار میں آپ سید شاہ منہاج الدین عرف مخدوم منجھن قتال کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا آبائی وطن اور مولد موضع تسلیم پور حجرہ، اوچ شریف علاقہ ملتان ہے۔ آپ ۹۲۵ھ مطابق ۱۵۱۸ء سلطان ظہیر الدین محمد بابر کے دور حکومت میں ملتان سے بہار تشریف لائے اور موضع میران بیگہ میں اقامت گزیں ہوئے۔ آپ نے اپنے سابقہ وطن کی یاد کو تازہ رکھنے کے خیال سے اس بستی کا نام بھی سلم پور حجرہ رکھا۔ آپ جب بہار تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر مبارک ننانوے سال تھی۔ آپ نے دو سال تک یہاں تبلیغی کام سر انجام دیئے۔ اور ایک سو ایک سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے بعد آپکے صاحبزادے حضرت سید حافظ مقبول بخاری چشتی سہروردی علیہ الرحمۃ مسند رشد و ہدایت خلق پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت حکیم سید محمد شعیب پھلواروی اپنی کتاب ''تجلیات انوار'' قلمی مملوکہ خانقاہ مجیبی پھلواری شریف میں حضرت مخدوم منجھن قتال بخاری قدس سرہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> ''حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد امجاد سے ہیں۔ بڑے عارف کامل اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ صاحب تصرف و کرامات، مدتوں ملتان میں مسند افاضہ و استفاضہ پر رونق افروز رہے۔ ۹۲۵ھ مطابق ۱۵۱۸ء میں ملتان سے بعمر ۹۹ سال ہندوستان صوبہ بہار تشریف لائے اور رشد و ہدایت جاری فرمایا۔ اور ضلع گیا کے موضع میران بیگہ جس کا پرانا نام حجرہ سلم پور تھا۔ آباد ہوئے۔ دو سال زندگی کے مبارک لمحات ہدایت میں صرف کر کے ۹۲۷ھ مطابق ۱۵۲۰ء میں رحلت فرمائی اور اسی موضع کے ایک میدان میں مدفون ہوئے۔ مزار مبارک ٹہٹہ اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔ مزار چہار دیواری کے اندر ہے۔'' (راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کہتا ہے کہ اب چہار دیواری باقی نہیں ہے۔)

کتاب ''تحقیق الاقوام'' مصنفہ سید شاہ افضل حسین فریدی اصدقی قادری نے صفحہ نمبر ۹۵ پر حضرت مخدوم کا نسب نامہ تحریر کیا ہے۔ اسی صفحہ کے حاشیہ پر تحریر ہے ''ایں بزرگ در عمر نود سال در حجرہ مسلم پور موسوم بہ سلم پور عرف میران بیگہ است از صوم ملتان مدند''

جناب خواجہ سید عبد الماجد صاحب مرحوم ساکن محلہ بارہ دری، بہار شریف کی بیاض کی فوٹو کاپی ان کے صاحبزادے خواجہ اظہر صاحب نے راقم کو لا کر دیا ہے۔ جس میں حضرت مخدوم منجھن قتال قدس سرہ کو حضرت صدر الدین راجو قتال کی اولاد لکھا ہے۔ جبکہ حضرت حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی نے اپنی کتاب ''تجلیات انوار'' قلمی میں اور محترم جناب سید عبد الودود صاحب مرحوم شاہو بگھوی کے تیار کردہ شجرے میں حضرت مخدوم کو حضرت جہانیاں جہاں گشت کی اولاد بتلایا ہے۔ نسب نامہ درج ذیل ہے:

مخدوم منجھن قتال بن سید ذکی الدین ثانی بن سید نظام الدین بن سید ذکی الدین بزرگ بن سید ناصر الدین محمود (عرف ناصر شاہ) بن سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت بخاری۔

جناب ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم اپنی کتاب ''حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت'' میں ایک جگہ مخدوم جہانیاںؒ کی اولادوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مخدوم فضل الدین (مخدوم جہانیاں کے پوتے) کی اولاد میں رکن الدین ابو الفتح بہت مشہور ہوئے۔ان کے بیٹے مخدوم محمد کیمیا تھے۔ان کے بیٹے حامد بڈھا (بڈھ یا بڈھن) تھے جو شاہ حسین ارغون کے خوف (ظلم) سے اوچ سے کوچ کرکے عیسیٰ خیل (ضلع میانوالی) کی طرف چلے گئے اور ان کے بیٹے محمد راجن اپنے باپ کے جانشین ہوئے۔ ان کے بعد ان کے پوتے مخدوم حسن جہانیاں........''

ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق حضرت حامد بڈھا ،حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے چھٹے پشت کے پوتے ہیں۔یعنی حامد بڈھن بن مخدوم محمد کیمیا بن رکن الدین ابو الفتح بن فضل الدین بن ناصرالدین محمود بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت۔دوسری طرف حضرت حامد منجھن جو بہار میں مخدوم منجھن قتال کے نام سے مشہور ہیں بھی حضرت جہانیاں جہاں گشت کے چھٹی پشت کے پوتے ہیں۔ یعنی حامد منجھن بن سید ذکی الدین ثانی بن سید نظام الدین بن سید ذکی الدین بزرگ بن سید ناصرالدین محمود بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت۔راقم قیاس کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت مخدوم حامد منجھن بہاری اور حضرت حامد بڈھن عیسیٰ خیلوی ایک ہی بزرگ ہوں۔ہوسکتا ہے کہ مخدوم حامد بڈھن عیسیٰ خیلوی کو شاہ حسین ارغون نے میانوالی کے علاقہ میں بھی تنگ کرنے کی کوشش کی ہو اور آپ نے اوچ شریف سے عیسیٰ خیل اور پھر وہاں سے بہار ہجرت کی ہو۔(واللہ اعلم بالصواب)

حضرت مخدوم سید حامد عرف منجھن قتال بخاری بہاری قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت سید حافظ مقبول بخاری رحمۃ اللہ علیہ مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔حضرت سید حافظ مقبول نے مسلسل دس سال یعنی ۹۲۷ھ سے ۹۳۷ھ تک رشد وہدایت خلق کا کام انجام دیا۔سید عبد الودود صاحب مرحوم کی تحریر کے مطابق حضرت مقبول بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مورخہ ۱۲ ذوالحجہ ۹۳۷ھ کو وصال فرمایا اور اپنے والد کے پائتیں موضع میران بیگہ ضلع گیا میں آسودۂ خاک ہیں۔آپ کی نسل صوبہ بہار میں کثرت سے پھیلی۔اور قرب وجوار کی مختلف بستیوں میں بسلسلۂ ازدواج آباد ہوئی۔اس سلسلہ میں حضرت حکیم سید شاہ شعیب پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ ''تجلیات انوار'' میں لکھتے ہیں:

''الغرض آپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد سے ہیں۔ان کی اولاد صوبہ بہار میں میران بیگہ ،اورنگپور پکورہ ،کراچی اور شہباز پور من محلات ضلع گیا (وپٹنہ) میں موجود ہے۔کراچی و شہباز پور تو اب ۱۹۴۷ء میں غارت ہوگیا۔بقیہ چند مواضعات میں ان کی اولاد ہے۔''

راقم سید قیام الدین نظامی الفردوسی کے والد حضرت سید نظام الدین احمد اورنگپوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ان کے بچپن کے زمانہ میں ایک بزرگ جناب سید اسماعیل صاحب جو نابینا تھے اور میران بیگہ کی اقامت ترک کرکے رانچی میں آباد ہوگئے تھے۔عرس مخدوم کے موقع پر رانچی سے میران بیگہ آیا کرتے تو اورنگپور راقم کے گھر ضرور تشریف لاتے تھے۔والد بزرگوار کا کہنا تھا کہ جناب سید اسماعیل میران

بجھوی ان کے جدی رشتہ سے چچا ہوتے تھے۔

حضرت مخدوم منجھن قتال بخاری چشتی سہروردی قدس سرہ کا پدری نسب نامہ بہار کے تذکرہ نگاروں کے مطابق اور مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں میں اس طرح ہے۔

حضرت مخدوم منجھن قتال بن سید ذکی الدین ثانی بن سید نظام الدین بن سید ذکی الدین بزرگ بن سید ناصر الدین محمود (عرف ناصر شاہ) بن سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین بزرگ سرخ بخاری بن سید ابوالمؤید علی سہروردی بن سید جعفر خراسانی بن سید فصیح سیف اللہ بن سید مختار بن سید احمد بزرگ بن سید عبداللہ علی اصغر بن سید علی اکبر بن سید مرتضیٰ جعفر ثانی بن امام ہادی النقی بن امام محمد تقی بن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن امام حسین شہید دشت کربلا بن حضرت سیدۃ النساء بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بنت حضرت نبی کریم ﷺ

برادرم سید ممتاز احمد صاحب ساکن موضع میران بیگہ ضلع گیا کا کہنا ہے کہ ہمارے خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ حضرت مخدوم منجھن داوا نے اپنی اولادوں کے لئے یہ نصیحت و وصیت فرمائی تھی کہ میرے ورثاء اپنے مکانوں پر پختہ چھت نہ ڈالیں اور بلند و بالا پرشکوہ عمارتوں میں رہائش اختیار نہ کیا کریں۔ حضرت کی وصیت کے مطابق آج بھی میران بیگہ میں حضرت کے کسی ورثا کا مکان پختہ چھتوں کا نہیں ہے۔ اگر کسی نے بھی آپ کی نصیحت کے خلاف اپنے مکان پر پختہ چھت ڈالنے کی کوشش کی وہ عتاب کا شکار ضرور ہوا۔

محترم جناب سید عبدالودود صاحب بخاری شہباز پوری مرحوم کا خاندانی روایت کے حوالے سے بیان ہے کہ حضرت مخدوم منجھن قتال قدس سرہ کی ملاقات بہار میں حضرت سید شاہ مبارک پنچوروی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی اور آپ سید صاحب کے بڑے معتقد ہوگئے۔ حضرت سید شاہ مبارکؒ موضع پنچورہ ضلع گیا میں رہائش پذیر تھے۔ موضع پنچورہ، موضع میران بیگہ سے تقریباً تین میل کی دوری پر ہے۔ حضرت مخدوم روزانہ ایک مخصوص وقت پر حضرت سید صاحب سے ملنے موضع پنچورہ ضرور جاتے تھے۔ ان دونوں بستیوں کے درمیان سے چھوٹی جمنا ندی بہتی تھی۔ لیکن حضرت مخدوم ہر موسم میں یہاں تک کہ موسم برسات میں جب ندی پورے شباب پر ہوتی آپ بغیر کشتی دریا پار کر جاتے نہ آپ کا کپڑا گیلا ہوتا اور نہ ہی آپ کی جوتی کو مٹی وغیرہ خراب کرتے۔ حضرت مخدوم نے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے سلسلہ کی اجازت وخلافت بھی لی تھی۔ ایک بار جب حضرت منجھن قتال قدس سرہ پنچورہ گئے تو موسم برسات تھا۔ پورا علاقہ سیلاب میں ڈوبا ہوا تھا حاضرین مجلس اور شاہ صاحب نے آپ سے دریافت کیا کہ آخر آپ کس طرح اس موسم میں بحفاظت آجاتے ہیں کچھ ہم لوگوں کو دکھائیں۔ آپ اٹھے اور دریا کی طرف روانہ ہوئے شاہ صاحب اور احباب ساتھ ہوگئے۔ حضرت مخدوم دریا کے قریب پہنچے اور اسی طرح دریا میں داخل ہوگئے جیسے انسان زمین پر چلتا ہے۔ لیکن جب آپ بیچ دریا میں پہنچے تو ڈوب گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آپ کا بے جان جسم نمودار ہوا اور دریا کی بہاؤ پر بہہ چلا۔ حضرت سید شاہ مبارکؒ نے دیکھا تو دریا کو حکم دیا کہ

آپ کے جسم کو میران بیگہ کی طرف لے جاکر پہنچا دے۔دریا نے اپنی بہاؤ کا رخ موڑ دیا اور آپ کا جسم اطہر دریا کے کنارے آلگا۔اللہ جل شانہ نے آپ کی لاج رکھتے ہوئے شہادت کی موت عطا کی۔راز کے افشا ہونے کے بعد آپ نے پردہ فرمالیا۔

راقم السطور کے خیال میں جناب سید عبد الودود صاحب مرحوم کی بیان کردہ روایت درست نہیں۔اس لئے کہ حضرت مخدوم تجھن قتال سہروردی چشتی قدس سرہ ۹۲۵ھ میں بہار تشریف لائے جب کہ حضرت سید شاہ مبارک ؒ کے صاحبزادے حضرت سید شاہ درویش اشرف ؒ کی ۹۰۲ھ تاریخ وصال ہے اور حضرت سید شاہ مبارک پچوروی اپنے صاحبزادے حضرت سید شاہ درویش بتھوی کی زندگی ہی میں وصال کر چکے تھے۔ممکن ہے کہ حضرت مخدوم تجھن قتال قدس سرہ کو حضرت سید شاہ مبارک پچوروی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت رہی ہو اور آپ میران بیگہ سے پچورہ حضرت شاہ صاحب کے مزار اقدس کی حاضری کے لئے تشریف لاتے ہوں اور باطنی طور پر دونوں بزرگوں کے روابط رہے ہوں۔اور حضرت مخدوم کے تعلقات شاہ صاحبان بتھو اور پچورہ سے برادرانہ استوار ہو گئے ہوں۔(واللہ اعلم بالصواب)

بقول عبدالودود صاحب مرحوم حضرت مخدوم تجھن قتال کے مزار اقدس کے پائنتی کچھ فاصلہ پر ایک ٹیلا ڈیڑھ دو فٹ اونچا ہے۔اس ٹیلے میں ایک بل کے اندر ایک سانپ صدیوں سے رہ رہا ہے۔زائرین تبرکات کی شیرنی اس بل میں رکھ دیتے ہیں۔اگر کوئی شخص اپنے فاتحہ کی شیرنی بل میں رکھنا بھول جاتا ہے اور واپس لوٹتا ہے تو سانپ راستہ میں آکر اپنے حصہ کی یاد دہانی کراتا ہے۔میران بیگہ کا علاقہ شدید گرم ہے اس لئے اس علاقے میں بچھوؤں کی بہتات ہے۔لیکن آج تک کسی زائر نے اس بات کی شکایت نہیں کی کہ اسے سانپ یا بچھو نے گزند پہنچائی ہے۔

(از تحقیق الاقوام مصنفہ سید افضل حسین فریدی)
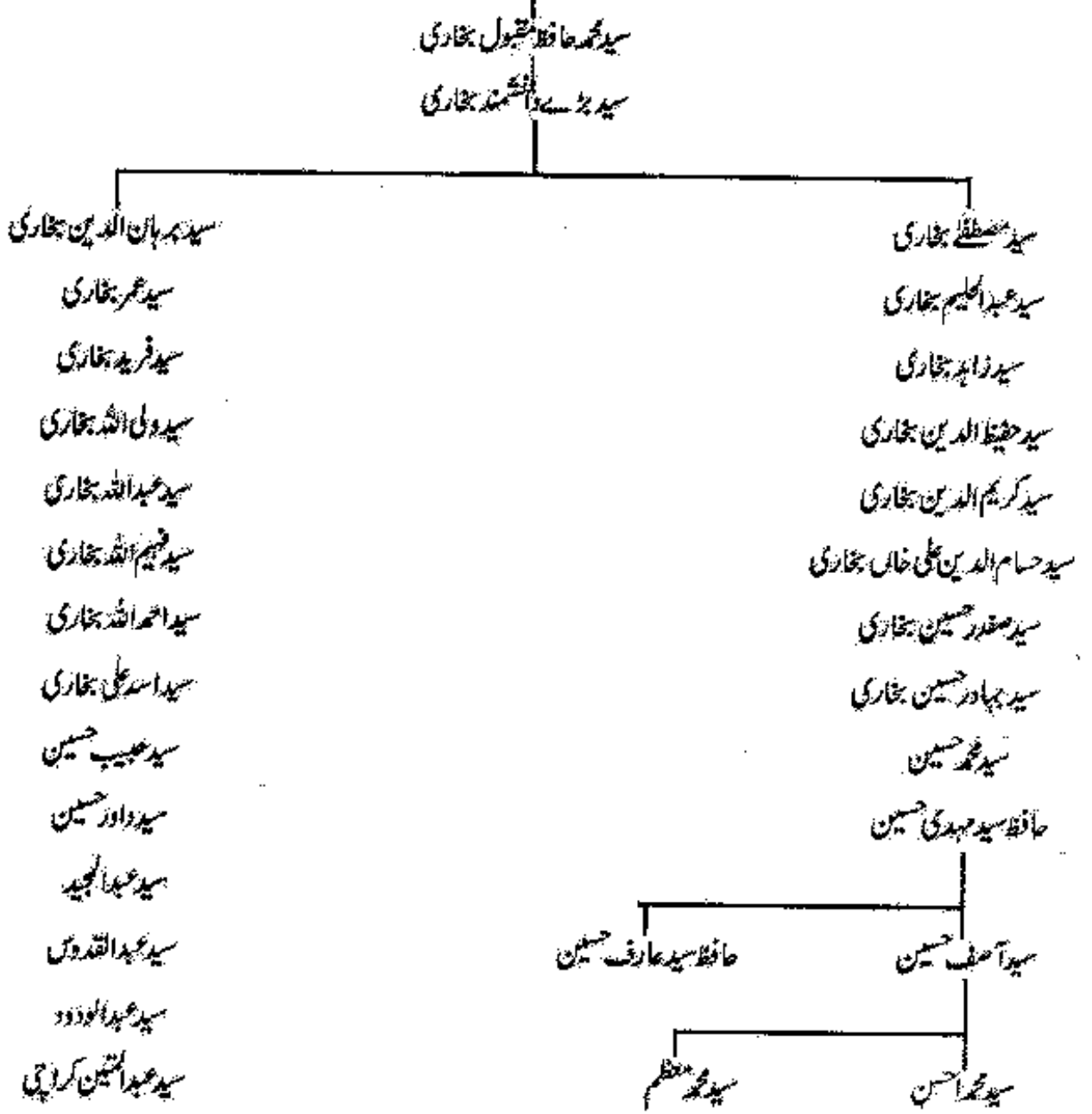
(از بیاض سید عبدالودود صاحب شاہو بھکوی)

مخدوم منجھن قتال بخاری رح
سید محمد حافظ مقبول بخاری
سید بڑے دانشمند بخاری
سید مصطفےٰ بخاری
سید عبدالحلیم بخاری
سید زاہد بخاری
سید حفیظ الدین بخاری
سید کریم الدین بخاری
سید حسام الدین علی خان بخاری
سید صفدر حسین بخاری
مسماۃ ساجن
زوجہ بہادر شیر
دختر
دختر
سید بہادر حسین بخاری
مسماۃ لطیفن
زوجہ سید گدا علی
عنایت شیر
واحد شیر
مسماۃ واسن
محبوب شیر
حیات متوفی ۱۲۸۵ھ
قاسم شیر
شریف النساء
عزیز النساء
صالحہ خاتون
راقم سید قیام الدین نظامی
ندیم احمد نظامی
مومن احمد نظامی
فاطمہ
حمایت علی
رحمن بی بی
سید شرافت علی
وجیہۃ الفاطمہ
خواجہ عبدالماجد
غلام امام
سید احمد امام
سید اظہر امام
سید اطہر امام
سید مظفر امام
(امام باڑہ، بہار کالونی)
فضل امام
سید مظہر امام
سید علی امام
سید حسین امام
سید امیر علی امام
(عرف چندو)
وغیرہ
کراچی
خواجہ مظہر
خواجہ اظہر
خواجہ ریاض
روشن آراء

سید صفدر حسین بخاری کے خویش سید گدا علی کے خاندان موضع آبگلہ کی تفصیل
سید محمد رضوی عرف میناں مشہدی
سید عارف
سید معروف
سید بڑے
سید محمد اسحاق
سید محمد صالح
زوجین
دختر
سید محمود رضوی
قاضی سید رفیق اللہ
قاضی سید برہان الدین (عرف مہدی حسن بوڑھن آبگلوی)
کرامت علی
نجابت علی
شرافت علی
شہامت علی
عنایت حسین
امانت حسین
حکیم عبدالسبحان وارثی
(عرف فرید شاہ)
حکیم ابوالخیر فضل الرحمان
مولانا یحییٰ ندوی
محمد ظ
سید محمد یونس مشہدی
قاضی سید عبدالاحد عرف قاضی بڑے
ہمت علی
احمد علی
امجد علی
اقبر علی
اسد علی
اشہد علی
لاولد
لاولد
سید ولایت حسین
سید گدا علی
منسوب دختر
سید صفدر حسین بخاری
بی بی بہارن
زوجہ سید اللہ بخش ساکن کھریا
بی بی کبیرن
بی بی بدلن
زوجہ میر مصاحب علی
سید وجیہ الدین ساکن اجھر
سید سلامت اللہ ساکن آبگلہ
مسماۃ رمضانی
مسماۃ قدیرن
مسماۃ تمیسن
میر عبدالسبحان
سید محمد محسن
ڈاکٹر عبدالمغنی
سلیم شہزاد
نور اللہ
احمد اللہ ندوی
مؤلف "مسلم شعرائے بہار"
ایوب
یعقوب
یعسوب
یوسف
اکبرین بی بی
فریدن بی بی
سید محمد عدنان قادری
محمد عمران
محمد عرفان
محمد احسان
محمد سلطان اختر
سلمیٰ
حکینہ
شکیلہ
چندہ
سید محمد زبیر
منسوب از فاطمہ بنت راقم
پسر قیام الدین اورنگپوری
سید محمد عمیر
سید محمد سمیر
لیلیٰ سلمیٰ
ابو صالح رضوی
ابوالانعام
ابوالکلام

نقشہ اولاد لطیفن بنت سید صفدر حسین بخاری
زوجہ سید محمد اعظم آنگاوی
سید فضل امام
سید غلام امام
سید حمایت علی
سید احمد امام
سید محمد امام
سید اصغر امام
دختر
مسماۃ رحمن
میر تصدق حسین
لاولد
زوجہ سید بشارت علی
اقبال حسین
سید مظہر امام
(یا مظاہر امام)
سید قیوم امام
ڈاکٹر سید اکرم امام
رفیق الزہرا
زوجہ فرزند علی
سید بشارت علی
سید شرافت علی
سید ریاست علی ندوی
راشدہ خاتون (یا مسعودہ)
سید اظہر امام
سید افضل امام
سید منظور امام
سید غنی امام
دختر
دختر
محمد حسین
علی حسن
ابوالحسن
احمد حسن
وجیہۃ الفاطمہ
زوجہ خواجہ عبدالعزیز
دختر
دختر
مسماۃ سلمیٰ
زوجہ خواجہ عبدالماجد
سید رضا حسین
سید مشرف رضا
سید اشرف رضا
خواجہ عبدالمجید
لاولد
خواجہ عبدالماجد
زوج مسماۃ سلمیٰ
میمونہ
اختر
احسن
نور
خواجہ منظر
خواجہ اظہر
روشن آرا
زوجہ ابو مسعود
خواجہ ریاض
زوج دختر ڈاکٹر عبدالمعید عرف تمنا
لاولد
سعدیہ
شاہد
خالد
شائستہ
زوجہ
عبدالرب ابدالی
شگفتہ
زوجہ
فاروق ستار
اشتیاق
امتیاز
غزالہ
اشفاق
عروسہ
عنبرین
ثمرین
اقبال
تسنیم
سلمان
عزیزہ
نسرین
تزئین
ناہید

نقشہ اولاد سید غلام امام بن مسماۃ لطیفن
بنت سید صفدر حسین بخاری زوجہ سید گدا علی
سید احمد امام
سید محمد امام عرف وحید امام
سید اصغر امام
سید صفدر امام
ناظر امام
مناظر امام
منظر امام
مظاہر امام
قیوم امام
لاولد
ڈاکٹر اکرم امام
مسماۃ رفیق النساء
مسماۃ زاہدہ
مسماۃ سعیدہ
مسماۃ محمودہ
مسماۃ وحیدہ
مسماۃ عابدہ
زوجہ ثانی بشارت علی زوجہ ریاست علی ندوی
بشارت علی
مظفر امام
ظفر امام
حیدر امام
سروری خاتون
مولانا ریاست علی ندوی
مصنف و محقق
اسد علی
ارشد علی
اشہد علی
امجد علی
شوکت علی
از محل اولی
مسماۃ آمنہ
مسماۃ صغریٰ
از محل دوم
مقبول امام
وارث امام
شفیع امام
مسماۃ کبریٰ
از محل سوم
مسماۃ شاکرہ
مسماۃ صغیرہ
جلیل امام
وکیل امام
ممتاز امام

نقشہ اولاد احمد امام بن غلام امام
یعنی اولاد بی بی لطیفن بنت سید صفدر حسین بخاری
سید اطہر امام
سید افضل امام
سید منظور امام
سید غنی امام
نظیر النساء
بی بی منا
لاولد
لاولد
دختر
مسماۃ حمیدن
مسماۃ مجیدن
بدر الحسن
صدر الحسن
رسولن
از بطن جاریہ
سید احسن امام
حافظ محمد شرف الدین
دختر
پروفیسر صدر
بدر
لاولد
محمد امام
رحیم النساء (لاولد)
از محل اولی
از محل دوم
از محل سوم
حسن امام (حسنو)
اشرف امام
جمیلہ خاتون
حبیبہ خاتون
فضل امام
مظہر امام
مظفر امام
شکیلہ خاتون
معیزہ خاتون
اطہر امام
کنیز فاطمہ زوجہ شیخ محمد عمر
رئیس مین
مسماۃ حسنہ
بتول فاطمہ زوجہ عطاء الرحمان زیدی
اسلام پور
شاہ محمد الیاس ابدالی
مسعودہ
زوجہ جاوید نسیم موضع گوپا
نواسہ میر سید امیر الدین (اورنگپور)
زہرا
زوجہ ولی الرحمان
منصور سلمہ

نقشہ اولاد سید اطہر امام بن سید اظہر امام
اشرف امام
امینہ خاتون
منظر امام
صادق امام
رابعہ خاتون
ظفر امام
مظفر امام
محمد امام
دختر
نور فاطمہ
انور امام
نزہت آرا
منور امام
راشد امام
نجم النساء
روح النساء
اختر امام
نصر امام
دختر
قمر امام
قیصر امام
شوکت امام
نگہت سلطانہ
زوجہ اختر امام
نسیمہ خاتون
شمیمہ خاتون
مطیع الامام
مشرف امام
کاشف امام
صوبیہ
عاطف امام
آصف امام
حیدر امام
ریحانہ تاج
سلطانہ ناز
صفدر امام
ارشد امام
شاہینہ ناز
فرحانہ ناز
سرمد امام
عمرانہ ناز
اسعد امام
رضوانہ ناز
رومانہ تاج

حضرت مخدوم پیر سرمست تیغ آویزاں رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم ابو فتح ہدیۃ اللہ پیر سرمست تیغ آویزاں قدس سرہ ابن حضرت شیخ محمد قاضن علاء شطاری ۸۸۲ھ کو صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ حضرت فرزند علی صوفی فردوسی منیری نے اپنی کتاب "ذریعہ دولت" میں آپ کا قطعہ تاریخ پیدائش "ہادی سرمست محمدی" لکھا ہے۔ آپ کا نام نامی ہدیۃ اللہ تھا۔ والد نے ابو فتح کا لقب عطا کیا۔ پیر سرمست سے شہرت پائی۔ آپ چونکہ ہر وقت ہتھیار بند رہا کرتے تھے اس لئے تیغ آویزاں کہے جاتے ہیں۔ آپ حضرت امام محمد تاج فقیہ کی اولاد سے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے عم محترم حضرت زبیر ابن عبدالمطلب تک منتہی ہے۔

حضرت مخدوم ہدیۃ اللہ پیر سرمست بن شیخ محمد قاضن شطاری عرف شیخ محمد علاء ترہتی بن شیخ عالم بن شیخ جمال بن شیخ علی بن شیخ سلیمان بن شیخ صلاح الدین بن شیخ محمد اسماعیل منیری ترہتی بن امام محمد تاج فقیہ "فاتح بہار"۔ حضرت امام سے آگے کی تفصیل "شرفا کی نگری" حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مخدوم ابو فتح ہدیۃ اللہ پیر سرمست تیغ آویزاں قدس سرہ کی والدہ حضرت سید زاہد بن سید بڈے چشتی بن حمزہ بن مرزا بن جلال کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت سید زاہد چشتی رہنے والے قصبہ سارن صوبہ بہار کے تھے اور مزار اقدس بھی حضرت کا اسی قصبہ میں ہے۔ آپ بڑے عابد و زاہد تھے، ہر لحظہ سر جھکائے مراقبے کی حالت میں رہا کرتے تھے اور آنکھیں گریاں کناں رہا کرتی تھیں۔ حضرت مخدوم پیر سرمست قدس سرہ اپنے تمام بھائی بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔ منجھلے بھائی حضرت شیخ عبدالرحمان اور چھوٹے شیخ معروف عرف مخدوم شہید تھے۔ ایک ہمشیرہ حضرت بی بی دولت تھیں جو حضرت میر سید علی عرف منجھن دانشمند راجگیری سے منسوب تھیں۔

حضرت مخدوم پیر سرمست تیغ آویزاں قدس سرہ نے بارہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری کی تکمیل اپنے والد حضرت مخدوم شیخ قاضن شطاری سے کی۔ والد بزرگوار کے حکم کے مطابق بعد فراغ تعلیم دو سال طلبا کو درس دیا۔ والد کی طرف سے آپ کے حصے میں تقریباً پانچ سو کتابیں آئیں۔ تمام کتابیں آپ نے علماء اور طلباء میں تقسیم کر دیں اور والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اب مجھے علم باطنی کا شوق ہے اور میرے دل میں شوق الٰہی کا جذبہ مجھے بے چین رکھتا ہے۔ اس لئے علم ظاہری میں مشغولیت ممکن نہیں ہے۔ حضرت مخدوم شیخ قاضن شطاری نے آپ کے جذب و شوق کا اندازہ کرتے ہوئے آپ کو "طے" کے روزے رکھنے کا حکم دیا (طے کے روزے میں افطار صرف تین گھونٹ پانی سے کیا جاتا ہے اور اس کے بعد دوسرے دن کے روزے کی نیت کر لی جاتی ہے)۔ حضرت پیر صاحب قدس سرہ نے والد سے دریافت کیا کہ کتنے دنوں "طے" کا روزہ رکھوں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا: "اس وقت تمہاری عمر چودہ سال کی ہے اس لئے چودہ دن کی نیت سے شروع کرو"۔ جس زمانے میں آپ روزے رکھ رہے تھے۔ سلطان حسین شاہ شرقی حضرت مخدوم شیخ قاضن شطاری کی خانقاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت پیر سرمست تیغ آویزاں قدس سرہ ایک پایہ سے ٹیک لگائے دنیا سے بے خبر باادب والد بزرگوار کے قریب کھڑے تھے۔ بادشاہ کی نظر آپ پر پڑی۔ آپ کافی نحیف و کمزور اور لاغر ہو گئے تھے۔

بادشاہ نے خادموں سے دریافت کیا کہ یہ لڑکا کون ہے۔خادموں نے بتایا کہ حضرت شیخ کے صاحبزادے ہیں "طے" کے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور آج گیارھواں روزہ ہے۔بادشاہ حسین شاہ شرقی بڑا پریشان ہوا اور عرض کیا: "حضرت! اس کمسنی میں ایسی سخت ریاضت نقصان کا باعث ہوگا"۔حضرت شیخ قاضن نے جواب دیا کہ یہ ریاضت نقصان نہیں کرتی بلکہ باطنی قوت کا ذریعہ ہوتی ہے۔"طے" کے روزے مکمل ہونے کے بعد حضرت پیر سرمست قدس سرہ تین دنوں تک حجرہ میں چلہ کش رہے اور اس دوران اپنے والد حضرت مخدوم شیخ محمد قاضن شطاری سے ارشاد و تلقین باطنی پائی۔تین دنوں کے بعد حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے۔والد بزرگوار نے کہا تمہارا کام بہت کم مدت میں مکمل ہو گیا۔اور آپ کو "ابو فتح" کا خطاب عطا کیا۔

حضرت مخدوم ابو فتح ہدیۃ اللہ پیر سرمست تیغ آویزاں قدس سرہ کی عمر جب اٹھارہ سال کی ہوئی تو حضرت شیخ محمد قاضن شطاری نے آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔آپ نے اپنی ساری زندگی شمالی بہار کے علاقے میں تبلیغ دین اور رشد و ہدایت خلق کا کام انجام دیا۔حضرت پیر صاحب کے مشہور خلفاء میں حضرت حاجی حمید الدین حضورؒ اور آپ کے بھتیجے حضرت مخدوم شاہ علی شطاری قدس سرہما کا نام بہت مشہور ہے۔حضرت سید محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ مرید خاص حضرت حاجی حضورؒ نے بھی حضرت پیر سرمست قدس سرہ سے تربیت باطنی حاصل کی۔اس روحانی تعلق کا نتیجہ تھا کہ حضرت سید محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ کو عموماً تمام مشائخ بہار اور خصوصاً بزرگان سلسلہ فردوسیہ اور شطاریہ ساکن بہار سے بے انتہا عقیدت کا لگاؤ رہا ہے۔حضرت مخدوم جہاں فردوسی منیری قدس سرہ کے "مکتوبات" سے متعلق آپ کا درج ذیل قول مشہور ہے:

"اگر مرشد حاضر نہ باشد مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری مطالعہ کنید تا فریب نفس و وسواس خناس در یابد"

۹۴۳ھ میں سلطان نصیر الدین ہمایوں بادشاہ ہند پٹھانوں پر فتح حاصل کر کے بنگال پر قابض ہوا اور آپ کی خدمت میں حاضری دی۔بادشاہ کے ہمراہ آپ قصبہ حاجی پور، علاقہ مظفر پور تشریف لائے۔اور ہمیشہ کے لئے حاجی پور میں مقیم ہو گئے۔۹۴۵ھ میں آپ کا وصال ہوا اور حاجی پور کے قریب قصبہ شکول میں دریا کے کنارے مدفون ہوئے۔"تو تجلیات الٰہی" تاریخ وصال ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کو اپنے پردادا حضرت سید معین الدین قتالؒ کے مزار اقدس جون پور میں بشارت ہوئی اور آپ کوڑ میں حضرت پیر سرمست تیغ آویزاں قدس سرہ کے پاس پہنچے اور ان کی خدمت میں رہ کر ظاہری و باطنی علوم سے فیض یاب ہوئے۔حاجی پور کے قریب سرمست پور ایک شہر آپ ہی کے نام سے آباد ہے اور کثرت استعمال سے مستی پور کہا جانے لگا ہے۔

نقشہ شجرۂ خاندان حضرت پیر سرمست قدس سرہٗ
حضرت مخدوم شیخ قاضن شطاری
مخدوم حبیب اللہ
پیر سرمست قدس سرہٗ
شیخ عبدالرحمان
بی بی معصومہ
شیخ معروف عرف مخدوم شہید
شاہ علی ساکن جندہا
شاہ علاءالدین
بی بی دولت زوجہ
میر سید علی عرف محسن دانشمند حسنی
مورث اعلیٰ
سادات راجگیر
سادات محسن پور
سادات میاں وتار کہ
شاہ عثمان عرف شیخ گدائی
شیخ مراد
شیخ غلام حسین عرف گلاب
شیخ دوست محمد
رمضان علی
محمد پناہ
شیخ خدا بخش
شیخ ولی محمد
دختر
دیوان مولا بخش
(زوج بی بی قادرہ)
امیر حسن خان
محمد حسن خان
محمد ہادی حسن خان
محمد مہدی حسن خان
محمد ابوالحسن
محمد ریاض حسن خان
لاولد
محمد اعجاز حسن خان
لاولد
دختر
محمد ممتاز حسن خان
محمد احمد حسن خان زوج
دختر زوجہ محمد ذکی حسن خان
ذکیہ خاتون دختر سید سعید الدین اشرف عرف چھمی
محمد مظہر
محمد بشیر
محمد اصغر
نفیسہ
عطیہ
عائشہ
ریحانہ
شاہ قطب الدین
شاہ معین الدین
دیوان شاہ رکن الدین احمد
(داماد شاہ محی الدین)
آپ پیر امام الدین راجگیر اور میر
سید محمد اسلم جعفری کے پیر و مرشد ہیں۔
شاہ محی الدین
شاہ زین الدین
شاہ فرید
شاہ عبدالباقی
شاہ نعمت اللہ
شاہ قائم علی
شاہ حسین علی شطاری
شاہ بندہ علی
داماد مخدوم امیر الدین فردوسی
بڑی خانقاہ بہار شریف
دختر زوجہ فدا علی منعم
بی بی قادرہ زوجہ
خان بہادر نجم الہند دیوان
مولا بخش رسول پوری مظفر پور
محمد محبوب حسن خان
محمد ذکی حسن خان
دختر

حضرت ملا شیخ بڈھ صوفی بہاریؒ

حضرت شیخ بڈھ بہاری پٹھان دورِ حکومت کے بڑے مشہور جید عالم دین اور صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی قدر و منزلت دربارِ شاہی تک تھی۔ شیر شاہ سوری آپ کی جوتیاں سیدھی کیا کرتا تھا۔ آپ نے اپنے آبائی وطن موضع استھواں ضلع گیا میں ایک خانقاہ اور مسجد کی بنیاد ڈالی تھی جواب باقی نہیں ہے۔ آپ سلسلہ قادریہ کے بزرگ تھے۔ آپ نے زندگی کے آخری لمحات درس و تدریس میں صرف کئے۔ جناب شاہ محمد شمس الدین صاحب مرحوم نے رسالہ "بصائر" میں مختلف کتابوں اور نوشتوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ "یہاں (یعنی موضع استھواں۔ صوبہ بہار میں) آپ کی مسند درس بچھی ہوئی تھی۔ جو ان دنوں علم کا مرکز تھا۔ دور دراز ملکوں سے طلباء آ کر آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ شیخ حسن ابن طاہر جونپوری متوفی ۹۰۹ھ کے والد ماجد شیخ طاہر ملتانی بھی تحصیل علم کے شوق میں ملتان سے چل کر بہار پہنچے تھے اور مع اہل و عیال سکونت پذیر ہو کر شیخ کے درس میں شریک ہوئے تھے......... شیخ بڈھ بہاری کے علمی تعلقات اس عہد کے ممتاز اہل علم قاضی شہاب الدین دولت آبادی متوفی ۸۴۹ھ سے قائم تھے۔ اور شیخ نے ان کی تحریک پر چند کتابیں بھی لکھی تھیں......... شیخ بڈھ بہاری دانشمند بے و طبیب حاذق بود کہ شیر شاہ سوری از غایت اعتقاد کفش پائے اوی نہاد......... چنانچہ مفہوم گردیدہ کہ آنحضرت ہم استھواں مسکن پذیر بودہ است و آنحضرت ہم صاحب تصنیف و ہم صاحب طریق بود بعض نسخہ مصنفہ حضرت کہ ذکر اذکار و اشغال قادریہ بودہ است از کتب کہنہ بہ نصیبہ فقیر در رسیدہ از فحوائے تحریرش شخصیت او سلوک او در طریقہ عالیہ است و وے رحمۃ اللہ علیہ قادری بود........."

حضرت ملا شیخ بڈھ بہاری رحمۃ اللہ علیہ عثمانی نسبت رکھتے تھے۔ آپ کے خاندان کا ازدواجی تعلق خاندان صدیقی موضع استھواں اور خاندان عثمانی خانقاہ کبیریہ سہسرام سے زمانہ دراز سے چلے آتے ہیں۔ لیکن افسوس مجھے کسی کا مکمل نسب نامہ حاصل نہ ہو سکا۔ بہرحال ان خاندانوں کے ازدواجی تعلقات سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ موضع استھواں اور خانقاہ کبیریہ سہسرام سے تعلق رکھنے والے افراد ایک ہی خاندان کی مختلف شاخیں ہیں۔ اور ماضی میں علوم اسلامی اور روحانی دنیا کے درخشندہ ستارے تھے۔ خاندانی نوشتوں، سلطان دہلی کے فرامین اور اسناد جو اصلی حالت میں اب تک شیخ کے ورثاء کے پاس ہندوستان اور پاکستان میں موجود ہیں، پتہ چلتا ہے کہ موضع استھواں کی خانقاہ، مسجد اور مدرسے کے انتظام و انصرام اور اخراجات کے لئے حکومت وقت کی طرف سے جاگیریں عطا ہوتی رہی تھیں۔ یوں تو حضرت شیخ بڈھ بہاری بکثرت کتابوں کے مصنف ہیں۔ لیکن آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے "ارشاد قاضی" پر ایک عمدہ شرح لکھی تھی۔ لیکن افسوس ان کے ورثا اور مسلمانوں کی بے توجہی سے تمام علمی کارنامے زمانہ کے ہاتھوں برباد ہوئے اور جو کچھ ان کے ورثا کے پاس باقی بچ رہا ہے۔ وہ بھی الماریوں اور صندوقوں کی زینت بنے کیڑوں کی نظر ہو رہی ہیں۔ آپ کی علمی صلاحیت کے قائل شیر شاہ اور سلیم شاہ دونوں باپ بیٹے تھے۔

ملا شیخ عبداللہ سلطان پوری کے شیخ الاسلامی کا دور تھا۔ وہ اور دوسرے درباری علماء جب شیخ علائی کے جان کے درپے ہوئے شیخ علائی کے خلاف سازش کا جال پھیلایا اور بادشاہ سے ان کے قتل کا مطالبہ شروع کیا تو سلیم شاہ نے انہیں شہر بدر کر دیا۔ لیکن محلاتی سازشوں کے ذریعہ تنبیہ

گرفتار کر کے پھر دہلی لایا گیا۔ بادشاہ شیخ علائی کے خون سے اپنا ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر اس نے شیخ علائی کو ملا شیخ بڈھ بہاری کے پاس بھیج دیا اور ان کے فیصلہ کا منتظر رہا۔ ایک زمانہ تھا کہ شیخ بڈھ کے جسم و دماغ میں جب تک طاقت باقی تھی دربار شاہی میں درباری سازشوں کا مقابلہ کرتے رہے تھے اور حق کی آواز بلند کرتے رہے تھے۔ لیکن عمر کے آخری حصہ میں جب آپ کافی ضعیف ہو چکے تھے، عاجز ہو کر بادشاہ کی اجازت سے بہار واپس چلے آئے اور اپنی زندگی موضع اعقوآ جیسے گمنام دیہات میں گوشہ تنہائی میں گزارنے لگے۔ وہ دہلی میں علمائے سو کے اثر و رسوخ اور درباری سازشوں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر آئے تھے۔ جس زمانہ میں شیخ علائی بہار بھیجے گئے اس وقت ملا شیخ بڈھ بہاری کی عمر سو سال سے تجاوز کر گئی تھی۔ آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ دماغی طاقت بھی ماند پڑ چکی تھی۔ چلنے پھرنے کی طاقت جسم میں باقی نہ رہی تھی۔ ایسی حالت میں انہوں نے کیا فتویٰ لکھوایا اور یاروں نے بادشاہ کو کیا لکھ بھیجا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اس واقع کو بیان کرتے ہوئے بعض تذکرہ نگاروں نے خوب اچھالا۔ لوگوں کو موقع ہاتھ آیا اور ملا شیخ بڈھ بہاری کی شان میں ایسے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے اور تعصب و نفرت کا شدید اظہار کیا گیا۔ ایسی ایسی بہتان ترازیاں کی گئیں کہ اللہ دے بندہ لے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ جن علماء نے بیمار شیخ علائی کو جس بیدردی سے قتل کیا۔ ان کی نعش کو ہاتھی سے روندوایا، یہاں تک کہ جسم کو چیروا کر دو ٹکڑے کروایا۔ ان کے خلاف تذکرہ نگاروں کے قلم کو وہ جنبش نہ ہو سکی جیسی ہونی چاہئے تھی۔

جو افراد خاندان ملا شیخ بڈھ بہاری کے وارث ہوئے یا ان کی سجادہ نشینی پر جلوہ افروز ہوئے وہ اپنے آپ کو ورثا اور جانشین تو لکھتے ہیں لیکن انہوں نے وراثت یا سجادہ نشینی کس حیثیت سے حاصل کی اس کی تفصیل کہیں نہیں ملتی۔ نہ تو شیخ کے آباء و اجداد کا صحیح ذکر ملتا ہے اور نہ ان کے بیٹے بیٹیوں کی تفصیل ملتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے زمین و جائیداد کے چکر میں علمی خزانے بھی تباہ و برباد کر دیئے اور ان کے حقیقی اولاد ذکور کو بھی گوشہ نشینی اور گمنامی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ شیخ کی پیدائش اور وفات کی تاریخ سے ان کے ورثاء نے لاعلمی کا اظہار کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ شیخ بڈھ کے کارناموں کے ساتھ ساتھ ان کے خاندان، ان کے آل و اولاد اور خود ان کی زندگی پر بھی دبیز پردہ پڑ چکا ہے جو شاید ہی کبھی ہٹ سکے۔ شاہ محمد شمس الدین مرحوم نے رسالہ ''بصائر'' کراچی میں جو مضمون لکھا ہے۔ اس میں حضرت شیخ بڈھ بہاری صوفی کے ورثا اور سجادہ نشینوں کا نام خاص طور پر لکھا ہے وہ درج ذیل ہیں لیکن ان افراد کی شیخ سے کیا رشتہ داری تھی کس حیثیت سے وہ وارث ہوئے اور ان کا کیا خونی رشتہ تھا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ شمس الدین صاحب مرحوم کی تحریر ہے کہ

۱۔ ''حضرت شیخ بدھ صوفیؒ اور ان کے ورثا اور جانشین ملا محمد کریم اللہ، شیخ احمد فرید، شیخ ابو السعادات، شیخ یعقوب اور شیخ ظہیر الدین ہیں جن کے اخراجات کے لئے شاہجہاں و اورنگ زیب نے اور دیگر سلاطین نے ان کی مساجد و خانقاہ کی تعمیر کے لئے فرامین جاری کئے تھے۔''

۲۔ ''جن کا سلسلہ وراثت بواسطہ شیخ محمد صابرؒ ولد شیخ محمد شاکرؒ جانشین شیخ بدھ صوفیؒ کے جانشین تھے۔''

۳۔ ''ملا محمد فائق ولد محمد صادق قدوۃ السالکین مخدوم بدھ صوفی کے ورثا میں تھے۔ حضرت موصوف مولانا شفیع علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر شیخ محمد بدیع کے خسر تھے۔''

۴۔ ''شیخ غریب اللہ جو شیخ بدھ صوفی کے جانشین اور قاضی محمد شاکر کے برادر بھی تھے سے متعلق متعدد فرامین اور اسناد ہیں۔''

۵۔"حضرت قاضی محمد شاکر حضرت شیخ بدھ صوفی و حضرت ملا کریم اللہ کی اولاد سے تھے۔"

وغیرہ وغیرہ

حضرت ملا محمد شفیع عثمانیؒ :

جب سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر نے "فتاویٰ عالمگیری" کی تالیف و تدوین کا قصد کیا تو ملک کے طول و عرض سے بڑے بڑے علمائے وقت کو دعوت دے کر دہلی طلب کیا۔ یہ ایک بڑا دینی اور تاریخی اہمیت کا حامل کام تھا۔ جس کو اورنگ زیب عالمگیر جیسے اسلام پسند سلطان نے اپنے دور حکمرانی میں مکمل کرایا۔ اس کو "فتاویٰ عالمگیری" اور "فتاویٰ ہندیہ" بھی کہتے ہیں۔ اس کتاب کو برصغیر کے جید علمائے وقت کی ایک کمیٹی نے باہمی مشاورت اور اجتماعی کوششوں سے مرتب کیا۔ اس کام کے لئے صوبہ بہار سے بھی علماء کی ایک بڑی جماعت کو دہلی بلایا گیا۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں :

۱۔ ملا محمد شفیع عثمانی	ساکن موضع استھواں۔ ضلع گیا
۲۔ مولانا نظام الدین	ساکن موضع استھواں۔ ضلع گیا
۳۔ ملا سید محمد فائق	ساکن موضع استھواں۔ ضلع گیا
۴۔ مولانا عنایت اللہ	ساکن ضلع مونگیر
۵۔ مولانا شیخ رضی الدین	ساکن ضلع بھاگلپور
۶۔ ملا محمد فصیح الدین جعفری	ساکن پھلواری پٹنہ
۷۔ ملا محمد اکرم بہاری	

مولانا محمد شفیع عثمانی علیہ الرحمہ اپنے وقت کے جید عالم دین اور ماہر خوش نویس تھے۔ اسناد سلاطین اور فرامین شاہی میں آپ کو مولوی ومعنوی جیسے خطابات سے مخاطب کیا گیا ہے۔ آپ بحیثیت معلم واتالیق دربار دہلی سے بھی منسلک رہے۔ اور عہدہ قضاء پر بھی فائز کئے گئے۔ آپ کا مشغلہ درس و تدریس تھا۔ موضع استھواں کی مسجد سے متصل ایک حجرہ میں طلباء کو عربی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ کو بیعت و خلافت حضرت شیخ براہیم بن شیخ عبدالباری مراد آبادی سے سلسلہ قادریہ میں تھی۔ چونکہ شاہان مغلیہ کو مولوی و معنوی حضرت مولانا محمد شفیعؒ سے خاص عقیدت تھی س لئے شاہزادگان آپ کے آستانہ پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے عہد حکومت کے گیارہویں سال میں تالیف و تدوین ور جمع فتاویٰ عالمگیری کے لئے علما کی جو کمیٹی بنائی تھی اس میں آپ بھی شامل تھے۔ حضرت مولانا شفیع علیہ الرحمۃ کے اجداد میں ایک بزرگ حضرت خواجہ محمود غزنویؒ بغداد سے غزنی آکر آباد ہوگئے تھے۔ بعد میں غزنی سے سرہند اور دہلی ہوتے ہوئے صوبہ بہار تشریف لائے اور موضع جگت جہد نزد موضع فیروزی و کاکو متوطن ہوئے۔ آپ حضرت سید محمد گیسودراز قدس سرہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت خواجہ کا مزار موضع جگجوری میں ہے۔ حضرت مولانا محمد شفیع علیہ الرحمۃ کا مکمل نسب نامہ راقم السطور سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کو کہیں سے حاصل نہ ہوسکا۔ رسالہ "بصائر" کراچی میں چند نام درج ہیں وہ اس طرح ہیں :

محمد شفیع بن شریف محمد بن خواجہ تاج الدین بن خواجہ حسن بن خواجہ بڑے صوفی بن خواجہ بایزید بن خواجہ احمد بن خواجہ محمود غزنوی العثمانی"۔

شاہ محمد شمس الدین پاشا مرحوم "بصائر" میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ "گنج رشیدی کے مصنف حضرت عبدالرشید مشہور ولی کامل و صوفی جونپوری نے اپنے ملفوظات میں تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے میر مہدی ولد محمد باقر پٹنہ کی تقریب شادی میں ملا محمد شفیع ولد شریف محمد کو دیکھا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو سال تھی۔"

حضرت مولانا محمد شفیع علیہ الرحمۃ کی پرپوتی بی بی رحمانی بنت شیخ محمد اسلم بن قاضی بدیع الزماں کی شادی شیخ محمد صابر سے ہوئی تھی جو شیخ حبیب الحسنینؒ ساکن موضع استھواں کے والد تھے۔ اس طرح شاہ صاحبان استھواں دو سری مولانا کی دختری اولاد ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ شاہ محمد شمس الدین پاشا مرحوم، پروفیسر ڈاکٹر شمس الضحیٰ مرحوم اور ڈاکٹر شفیق حیدر ساکنان کراچی۔ پروفیسر ڈاکٹر کلیم الدین احمد، ڈاکٹر قیام الدین احمد، شاہ محی الدین، شاہ طلحہ اور شاہ قیام الدین وغیرہ ساکنان پٹنہ شیخ حبیب الحسنین استھوی کی اولاد سے ہیں۔

نقشہ اولاد ملا محمد شفیع و شیخ حبیب الحسنینؒ ساکنان موضع استھواں

خواجہ محمود غزنوی عثمانی

خواجہ احمد

خواجہ بایزید

خواجہ بڑے صوفی

خواجہ حسین

خواجہ تاج الدین

شیخ شریف محمد ساکن استھواں

شیخ محمد رضا — پیر محمد متوکل — ملا محمد شفیع

ملا محمد شفیع ← قاضی بدیع الزماں

قاضی بدیع الزماں ← قاضی رفیع الزماں — شیخ محمد اسلم

شیخ محمد اسلم ← بی بی رحمانی

قاضی محمد (شریف) عرف بھکھیہ صدیقی

قاضی ابو یوسف

قاضی محمد شاکر

قاضی محمد صابر ——— زوجین ——— بی بی رحمانی

شیخ حبیب الحسنین ساکن استھواں

شیخ ارادت حسین — شیخ نوازش حسین

شیخ ارادت حسین ← دختر — محمد حسین — فیاض الدین

دختر / محمد حسین ← عبدالصمد — محمد احسن

فیاض الدین ← واعظ الدین

حکیم نعیم الدین احمد — ڈاکٹر عظیم الدین احمد

حکیم نعیم الدین احمد ← ڈاکٹر قیام الدین احمد

ڈاکٹر عظیم الدین احمد ← ڈاکٹر کلیم الدین احمد

شیخ نوازش حسین ← شیخ جمیل حسین

شیخ جمیل حسین ← شاہ احمد حسین — شاہ ظہور الحسن — شاہ نور الحسن

شاہ احمد حسین ← شاہ شرف الدین ← شاہ احسن الدین

شاہ ظہور الحسن ← فضل اللہ ← پروفیسر شمس الضحیٰ

شاہ نور الحسن ← شاہ فرید الدین ← شاہ شمس الدین

شجرہ و نقشہ اولاد شیخ حبیب الحسنین استھوی
قاضی محمد شریف عرف بھیکہ صدیقی
قاضی ابو یوسف
قاضی محمد شاکر
قاضی محمد صابر
شیخ حبیب الحسنین
شیخ نوازش حسین
شیخ ارادت حسین
شیخ اجمل حسین
شیخ تجمل حسین
شیخ ولایت حسین
دختر
فیاض الدین
محمد حسین
واعظ الدین
شاہ نور الحسن
شاہ ظہور الحسن
شاہ احمد حسین
قدیر الحسن
بشیر الحسن
شاہ شرف الدین
محمودہ
خدیجہ
عائشہ
شاہ احسن الدین
فضل اللہ
جمال اللہ
خلیل اللہ
محی الدین
ساکن ہمری ضلع آرہ
ڈاکٹر شمس الضحیٰ
ڈاکٹر شفیق حیدر
کراچی یونی ورسٹی
جناح ہسپتال کراچی
آسمہ
لائقہ
نجمۃ النساء
وحیدۃ النساء
فخر النساء
افتخار امام
قیام الدین
فیاض الدین
زوجہ عبدالحفیظ لاجی
زوجہ قمر الباری
شیر گھاٹی
زوج زاہدہ بنت
سید شاہ خلیل الرحمان رضوی
ساکن پٹنہ سٹی محلہ مغلپورہ
فرید الدین یکتا
بدیع الدین
معین الدین
دختر
دختر
دختر زوجہ
عبدالحافظ لاجی
عطاء الحق
شمس الدین پاشا
قمر الدین
دختر
دختر
شہلا پروین
آفتاب عالم
شکیل احمد
خورشید احمد
اشرف الدین
شہناز
یاسمین
شاہین
بے بی
انوری خاتون
جہاں آراء زوجہ
ڈاکٹر جعفر حسن بہار
خورشید زوجہ
مجتبیٰ احسن بہار
اجمل
معراج الحسن

حضرت شیخ فرید الدین بڈھن دیوان فردوسیؒ

حضرت شیخ فرید الدین عرف مخدوم شاہ بڈھن دیوان فردوسیؒ ابن قاضی شیخ مبارک، حضرت قاضی شیخ بوڑھن شہرگؒ کی اولاد سے تھے۔ آپ اصل رہنے والے موضع روح علاقہ بہار کے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ سوم امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ جناب شاہ محمد شمس الدین مرحوم نے سہ ماہی رسالہ "بصائر" کراچی اکتوبر ۱۹۷۰ء کے اپنے مضمون میں، اور سابق صدر شعبہ تاریخ، پٹنہ یونیورسٹی اور معروف محقق و دانشور پروفیسر ڈاکٹر قیام الدین احمد مرحوم نے اپنے تیار کردہ شجرہ نسب میں اور شاہ صاحبان سمری علاقہ سہسرام ضلع شاہ آباد آرہ کے نوشتہ "شجرہ نورانیہ" میں حضرت مخدوم شاہ بڈھن دیوان فردوسیؒ کو عثمانی شیخ ہی لکھا ہے۔ مکمل شجرہ نسب درج ذیل ہے۔

شیخ فرید الدین بڈھن دیوان بن قاضی شیخ مبارک بن شیخ ابو محمد بن شیخ محمود بن قاضی شیخ بوڑھن شہرگ بن شیخ بدر الدین بن شیخ صدر الدین بن شیخ عبد العزیز بن شیخ سلیمان بن شیخ منصور بن شیخ حاجی ابو کمال بغدادی بن شیخ موسیٰ مجذوب بن شیخ اویس سیلانی بن شیخ شعیب خورد بن شیخ اسماعیل بن شیخ ابراہیم بن شیخ محمد اسحاق بن شیخ محمد مہدی بن شیخ زکریا بن شیخ حاجی سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ نوح بن شیخ ادریس بن حضرت عبد اللہ الاصغر بن حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔

حضرت مخدوم شاہ فرید الدین بڈھن دیوان قدس سرہ کا خاندان قصبہ روح میں آباد تھا۔ اور آپ کے اجداد عہدہ قضاء پر مامور ہوتے چلے آئے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد جب مغلیہ حکومت مائل بہ زوال ہوئی تو ہندوستان کے طول و عرض میں بغاوت و بدامنی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہندوؤں اور مرہٹوں نے مسلم حکومت کے خاتمہ کے لئے سرتوڑ کوششیں شروع کر دیں۔ تمام صوبہ داروں خصوصاً بنگال، اودھ اور دکن کے صوبہ دار مرکز سے دور اور علیحدہ ہوتے چلے گئے۔ موضع روح، بہار کے علاقہ کا ہندو راجہ عموماً تمام مسلمانوں اور خصوصاً قاضیان موضع روح سے دشمنی اور عناد رکھتا تھا۔ ایک رات حملہ آور ہوا اور پورے خاندان کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ اس قتل و غارت گری میں حضرت بڈھن دیوان کے چھڑ دادا قاضی شیخ بوڑھن اس وقت کم سن تھے۔ آپ بری طرح زخمی ہوئے۔ چونکہ شہ رگ نہیں کٹی تھی اور آپ زندہ بچ گئے تھے۔ آپ کی دایہ نے آپ کو نیم جان حالت میں آپ کے ننھیال پہنچا دیا۔ خاندانی نوادرات اور شاہی فرامین اور دستاویزات بھی آپ کے ننھیال والوں کے سپرد کیں۔ بعد میں جب آپ رو بصحت ہوئے تو شیخ بوڑھن شہرگ کے نام سے مشہور ہوئے۔ موضع روح اب ایک غیر آباد علاقہ ہے جہاں خاندان کے ایک بزرگ قاضی شیخ مبارک کا مزار موجود ہے۔

حضرت مخدوم فرید الدین بڈھن دیوان فردوسی قدس سرہ سترہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری کی تکمیل کر کے علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ بزرگوں کی اجازت سے اپنے اوقات فقراء اور صوفیاء کی صحبتوں میں گزارنے لگے۔ آپ نے حضرت شاہ ابو الخیر فردوسیؒ سے بیعت کی اور سلسلہ فردوسیہ کی اجازت و خلافت حاصل کی۔ آپ ہی سے سلسلہ فردوسیہ بڈھن شاہی صوبہ بہار میں جاری ہوا۔ جناب شاہ محمد شمس الدین پاشا مرحوم

سہ ماہی رسالہ ''بصائر'' میں حضرت بدھن دیوان فردوسی قدس سرہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت شاہ بدھن دیوان کے خوارق عادات و واقعات بسیار ہیں۔ جن میں ایک واقعہ خمیدہ دیوار کا ہے۔ جو آپ کے استقبال میں خمیدہ ہو گئی تھی......... آپ ہمراہی چالیس اولیائے کرام و مریدان شاہ ارزاں، شاہ مومن چپ، شاہ کرامت، و شاہ نعمت و یک دستہ مریدان گرامی حضرت شمس الحق فردوسی قادری......... و دیگر اولیا عنانی دنیا کی سیر کرتے ہوئے دیوار قہقہہ پہنچے۔ یہاں عجائبات اور غرائب دیوار کی سیر کی۔ اثنائے سیر و سیاحت دور دراز ملکوں میں سلسلۂ فردوسیہ کی تلقین فرمائی۔ تقارہ فردوسیہ سے کفار مخوف ہوئے۔ اکثر رؤسائے ملک خرقۂ خلافت سے مشکور و ممنون ہوئے۔ بالآخر آستانہ (روضۂ اقدس) مخدوم جہاں شیخ شرف الدین منیری پر واپس ہوئے۔ ولایت پر مامور ہو کر سہسرام (واپس) آئے۔ سلسلۂ فردوسیہ کی تلقین فرمائی اور یہیں (سہسرام) میں مدفون ہوئے۔''

سہسرام ایک تاریخی شہر ہے۔ اس شہر کو سلطان الہند شیر شاہ سوری کا مولد و مدفن ہونے کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اسی علاقہ میں رہتاس گڑھ کا قلعہ ایک بلند پہاڑی پر ہے۔ اس قلعہ کی سیاحت کو آنے والے پیچ در پیچ پہاڑی راستوں کے علاوہ بذریعہ ریل گاڑی بھی آتے ہیں۔ رہتاس گڑھ کا قلعہ جس پہاڑی پر واقع ہے اس کی ترائی میں پٹھانوں کی ایک قدیم تاریخی بستی آباد ہے۔ جس کا نام اکبر پور ہے۔ ریل گاڑی سے جو سیاح قلعہ رہتاس گڑھ جاتے ہیں، اکبر پور کے اسٹیشن پر اترتے ہیں۔ رہتاس گڑھ کی پہاڑی پر متعدد برساتی چشمے ہیں۔ پہاڑی پر ایک ندی بھی ہے۔ جس میں تھوڑی تھوڑی دور پر متعدد کنڈ ہیں۔ ان چشموں اور کنڈوں میں ایک چشمہ بدھن دیوان کا چشمہ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت مخدوم شاہ بدھن دیوان فردوسی قدس سرہ اکثر چلہ کشی ہوا کرتے تھے۔ یہ جگہ بڑی پر فضاء ہے اور دلکش منظر پیش کرتی ہے۔ راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کے بچپن کے زمانہ میں میرے چھوٹے پھوپھا سید محمد حنیف صاحب مرحوم اکبر پور کے ہسپتال میں ملازم تھے۔ میں اپنی چھوٹی پھوپھی کے ساتھ کئی ماہ اکبر پور میں مقیم رہ چکا ہوں اور قلعہ رہتاس گڑھ کی سیر کر چکا ہوں۔

خانقاہ سہسرام اور مخدوم شاہ کبیر درویش رحمۃ اللہ علیہ:

ڈاکٹر پروفیسر قیام الدین احمد مرحوم سابق صدر شعبۂ تاریخ پٹنہ یونیورسٹی، بہار کے مشہور و معروف مورخ، محقق اور دانشور تھے۔ تاریخ پر بے شمار مضامین، مقالے اور کتابیں آپ نے تحریر کی ہیں۔ آپ کا نسبی تعلق حضرت مخدوم شاہ بدھن دیوان فردوسی اور حضرت مخدوم شاہ کبیر درویش دونوں بزرگوں سے ہے۔ آپ کا نوشتہ (انگریزی میں) جو شجرۂ نسب راقم سید قیام الدین نظامی الفردوسی کو خود پروفیسر صاحب نے عنایت فرمایا ہے۔ اس میں آپ نے حضرت مخدوم شاہ کبیر درویش کو عثمانی النسب اور خانقاہ سہسرام کا بانی لکھا ہے۔ آپ کے الفاظ ہیں:

"HAZRAT SHAH KABIR DARWESH (FOUNDER AND SAJJADANASHIN OF SHASSARAM KHANQAH)"

اور حضرت شاہ کبیر درویش کے پردادا کا نام مخدوم شاہ جمال الدین عثمانی لکھا ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شک اور شبہ کی بات نہیں رہتی کہ خانقاہ سہسرام کے اصل بانی حضرت مخدوم شاہ کبیر درویش قدس سرہ ہیں۔ کئی پشتوں کے بعد بسلسلہ ازدواج خانقاہ کی سجادہ نشینی حضرت مخدوم شاہ بدھن دیوان فردوسی قدس سرہ سے [illegible] منتقل ہوئی۔

حضرت مخدوم شاہ کبیر درویشؒ مرید و خلیفہ حضرت شاہ نجم الدین کے تھے۔ اور آپ نے سلسلہ قادریہ کی بنیاد ڈالی تھی اور اسی سلسلہ کو خانقاہ سہسرام میں جاری رکھا تھا۔ شاہ صاحبان سمری دیوہ علاقہ سہسرام ضلع آرہ کے ایک قلمی شجرہ نسب کی فوٹو کاپی راقم السطور کو محترم جناب سید شاہ قیام الدین سمروی مقیم پٹنہ سٹی سے ملا ہے۔ جس میں ایک جگہ لکھا ہے کہ: "شیخ کبیر درویش عثمانی بودند۔ اصل ایشاں از موضع رسول پور ڈیہرا علاقہ پرگنہ تو بت پور بلیا ضلع پٹنہ مضافات صوبہ بہار است۔ بزرگان ایشاں دراں موضع بودند و شاہ جمال یکے از بزرگان نامی ایشاں دراں موضع آسودہ مستند۔ شیخ علی پدر شاہ کبیر درویش در عظیم آباد محلہ جھاؤ گنج کنارہ دریا در گدام آسودہ مستند۔ دریں زمان ہم آستانہ شاں در گدام بدازہ متصل چمنی گھاٹ است۔ صاحب گدام بجناب ایشاں ارادت دارد۔ از ایں معلوم شد کہ راجہ جھاؤ لال عظیم آبادی بجناب ایشاں رجوداشتہ محلہ جھاؤ گنج نذر ایشاں کردہ تا زمانہ شاہ شمس الدین در دخل ایشاں بود۔ شاہ کبیر الدین (بن غلام محمد سجادہ پنجم خانقاہ سہسرام) فروخت نمودند"

محترم جناب شاہ محمد شمس الدین پاشا صاحب مرحوم نے "بصائر" کراچی میں لکھا ہے کہ مخدوم شاہ کبیر درویش کی شادی ہمشیرہ شاہ بڈھن دیوان سے ہوئی تھی۔

جناب سید ابو ہریرہ ہاشمی مرحوم اپنی کتاب "سلسلہ اشرف الانساب" میں حضرت شاہ کبیر درویش قدس سرہ کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

"........ کبیر الدین المعروف حضرت کبیر الدین درویش کا شمار اٹھارہویں صدی عیسوی کے مشہور بزرگوں میں ہوتا ہے........ خانقاہ کبیریہ سہسرام اور مدرسۃ الاسلام کبیریہ سہسرام آپ کے نام نامی اسم گرامی سے موسوم ہے۔"

خانقاہ سہسرام کے افراد کے ازدواجی تعلقات موضع امتھوا ضلع پٹنہ کے خاندان حضرت شیخ بڈھ صوفی بہاری العثمانی، قاضی شیخ حبیب الحسینی صدیقی اور ملا محمد شفیع عثمانی یکے از مرتبین "فتاویٰ عالمگیری" سے بڑے دیرینہ چلے آتے ہیں۔ مجھے ان تینوں بزرگوں کے مکمل نسب نامے حاصل نہ ہو سکے۔ پروفیسر ڈاکٹر قیام الدین احمد مرحوم اور شاہ صاحبان سمری دیوہ کے شجروں اور شاہ محمد شمس الدین پاشا مرحوم کے تحریر کردہ مضمون رسالہ "بصائر" کراچی سے جو کچھ حاصل ہو سکا تحریر کر دیا ہے۔ ان معلومات اور نسب ناموں کی روشنی میں قرین قیاس ہے کہ ان تمام بزرگوں کے ورثاء ایک ہی خاندان کی مختلف شاخیں ہیں۔

نقشہ اولاد حضرت شاہ کبیر درویش و حضرت شاہ بڈھن دیوان فردوسیؒ

حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی ؒ

حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی جعفری الحسینی نسباً چشتی النظامی مشرباً صوبہ بہار کی مشہور بستی کاکو میں بڑے جلالی بزرگ گزرے ہیں۔ آپ بارہ شریف سے صوبہ بہار تشریف لائے اور موضع کاکو ضلع گیا میں اقامت گزیں ہوئے۔ جس زمانہ میں آپ یہاں پہنچے اس وقت حاجی الحرمین شیخ بدر الدین و شیخ صدر الدین برادران اس بستی میں رہائش پذیر تھے۔ حضرت حاجی الحرمین شیخ بدر الدین علیہ الرحمۃ کاکو کی جامع مسجد شیر شاہی کے امام و خطیب تھے۔ حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمشیرہ حضرت شیخ بدر الدینؒ مسماۃ خدیجہ سے نکاح کیا۔ شاہ غفور الرحمان حمد کاکوی مرحوم اپنی کتاب ''آثار کاکو'' میں لکھتے ہیں کہ ''کچھ جاگیر شیر شاہ سوری نے حضرت ابراہیمؒ کو عطا کی تھی وہ جاگیر آج تک ''چک خدیجہ'' کے نام سے مشہور ہے اسی طرح ایک دوسری جگہ آپ کے فرزند محمد عمر کے نام سے ''چک عمر'' مشہور ہے۔'' جناب سید حسن سجاد جعفری محلہ مجل پر بہار شریف کے نوشتہ نسب نامہ میں آپ کے کسی فرزند محمد عمر کا نام نہیں بلکہ آپ کے ایک پرپوتے سید عمر کا نام موجود ہے۔ ممکن ہے چک عمر ان ہی بزرگ کے نام سے مشہور ہو۔ حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکویؒ کی اہلیہ ثانی موضع برگبہ علاقہ تلہاڑا کی رہنے والی تھیں جن کے بطن سے تین بیٹے تھے۔ اہلیہ اولیٰ مسماۃ بی بی خدیجہ سے صرف ایک صاحبزادے سید محمد عبد الباقی جعفری تھے جن کی اولاد میں شہر بہار شریف کے محلہ مجل پر کے جعفری افراد ہیں۔ اس خاندان کے ایک بزرگ سید عبد المجید سجاد جعفری مرحوم سے راقم سید قیام الدین نظامی القادری الفردوسی کی ملاقات ۱۹۸۷ء میں حضرت مخدوم جہاں شرفا بہاری قدس سرہ کے عرس کے موقع پر ان کے مکان محلہ مجل پر ہوئی تھی۔ جناب حمد کاکوی مرحوم نے ''آثار کاکو'' میں لکھا ہے کہ سید محمد یونس اور ڈاکٹر سید عبد الشکور برادران ولد حاجی میر تبارک حسین کاکوی بھی حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکویؒ کی اولاد سے ہیں۔ لیکن راقم السطور کو میر تبارک حسین مرحوم کاکوی کا مکمل نسب نامہ اب تک حاصل نہ ہو سکا ہے۔

حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی رحمۃ اللہ علیہ کے نسب نامہ کے سلسلہ میں مولوی سید کریم الدین صاحب میر داوی اپنی کتاب ''مخزن الانساب'' میں تحریر کرتے ہیں: ''حضرت سید شاہ غلام جعفر بن سید شاہ محمد اسلم بن بندگی حضرت میر سید محمد جعفر ساکن دیوان محلہ پٹنہ بن سید شاہ ابوالحسن بن سید شاہ مبارز کاکوی بن سید شاہ محمد عبد الباقی بن مخدوم ابراہیم زندہ دل کاکوی رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔ نسب نامہ بالاتر از حضرت مخدوم ابراہیم زندہ دل کاکوی بخاندان حضرت مخدوم موجود نبود۔ بباعث حادثہ روزگار تلف گردیدہ۔'' ۱۹۸۷ء میں جب میری ملاقات ڈاکٹر سید عبد المجید سجاد جعفری مرحوم سے ہوئی تو ان کے پاس بھی کوئی مکمل نسب نامہ موجود نہ تھا۔ مجھے جو قلمی نسخہ کی فوٹو کاپی ملی ہے وہ جناب سید حسن سجاد مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس نسخے میں حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان ورثاء کی تفصیل ہے جو دیوان محلہ پٹنہ اور شہر بہار شریف کے محلہ مجل پر آباد تھے۔ حضرت زندہ دل کاکویؒ کے اوپر کا شجرہ نسب تحریر نہیں۔

جناب نجم الحسن مصنف ''اشراف عرب'' نے جو نسب نامہ سید امام حیدر رضوی سکر پچوی کی بیاض سے نقل کیا ہے وہ کسی طرح درست نہیں۔ وہ نسب نامہ اس طرح ہے:

مخدوم سید ابراہیم بن سید محمد حامد عرف سید چاند بن سید محمود عرف پیارے بن سید اکبر علی بن سید محمد بن سید ضیاء الدین بن سید احمد بن سید شہاب الدین بن سید عبدالرزاق بن سید عبدالرحمان بن سید عبدالعزیز بن میران سید حسین خنگ سوار (تارا گڑھ۔ اجمیر) بن سید برہان الدین بن سید ابوالموید بن سید ابراہیم بن امام محمد تقی بن امام علی موسیٰ رضا۔

شہر بہار شریف کے محلہ مجل پر کے افراد پشتہا پشت سے اپنے آپ کو نسبی طور پر جعفری الحسینی اور مشرباً چشتی نظامی لکھتے چلے آرہے ہیں۔ اس خاندان کے خاندانی نوشتوں میں بھی کہیں رضوی یا نقوی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے۔ جبکہ زیر نظر شجرہ حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ سے منتہی ہے۔ اس لئے اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

''آثار کاکو'' کے مطابق آپ نے کاکو میں ایک مسجد تعمیر کرائی جو اس وقت بستی میں قدیم ترین مسجد مانی جاتی ہے۔ آپ نے یہاں ایک خانقاہ کی بھی بنیاد ڈالی تھی۔ لیکن آپ کی اولاد کے سجادہ نشینان جب شہر پٹنہ کو اپنا تبلیغی مرکز بنا کر آباد ہوئے تو موضع کاکو میں آپ کی خانقاہ کی عمارت مسمار ہوگئی اور اس وقت اس کے کھنڈرات کے صرف نشانات باقی رہ گئے ہیں۔ جناب شاہ غفور الرحمان حمد کاکوی مرحوم نے ''آثار کاکو'' میں حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی رحمۃ اللہ علیہ کو جلالی بزرگ لکھا ہے۔ اور اس سلسلے میں چند واقعات تحریر کئے ہیں۔

''آپ کے ایک فرزند ارجمند جب کبھی سفر کے لئے باہر جاتے تو ادباً گھر سے گھوڑے پر سوار نہیں ہوتے بلکہ کچھ دور جا کر سوار ہوتے۔ اسی طرح جب واپس آتے تو گھر سے دور ہی گھوڑے سے اتر جاتے اور پاپیادہ گھر تک آتے۔ ایک دن حسب معمول سفر پر گئے۔ واپس آرہے تھے کہ والد ماجد مسجد کے سامنے ایک پتھر پر بیٹھے تھے۔ چند لوگ اور بھی موجود تھے۔ دور سے دیکھا کہ کوئی گھوڑے پر آرہا ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ دیکھو کون آرہا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا، آپ کے فرزند آرہے ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ سوار کا سر نظر نہیں آرہا ہے۔ آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا اور صاحبزادے کا سر جسم سے جدا ہوگیا اور گھوڑا بے سر جسم لئے گھر پہنچا۔ حضرت نے فرمایا جب سوار نہیں تو گھوڑا کیا ہوگا۔ معاً گھوڑا بھی گر کر دم توڑ گیا۔''

''ایک دن آپ اپنی دستار اور تسبیح جائے نماز پر رکھ کر کسی ضرورت سے باہر گئے۔ اتنے میں آپ کی اہلیہ بی بی خدیجہ آئیں پگڑی اپنے سر پر اور تسبیح اپنے ہاتھ میں لے کر آپ کے مصلے پر بیٹھ گئیں (غالباً بی بی صاحبہ نے مذاق میں ایسا کیا ہوگا)۔ آپ جب واپس آئے تو غضبناک نظروں سے اپنی اہلیہ کو دیکھا جس سے ان کے بدن میں آگ لگ گئی۔''

جناب حمد کاکوی مرحوم اپنا ایک چشم دید واقعہ تحریر فرماتے ہیں: ''میر یوسف حسین عرف بیتھو آپ کی اولاد ذکور میں سے تھے۔ ان کے داماد مسمی محمود میاں ساکن موضع فیروزی آپ کے (حضرت سید صاحب کے) مزار اقدس سے متصل مکان بنوانے گئے۔ بنیاد بجو مستری

کھود رہا تھا۔ دو چار دنوں کے بعد اچانک دونوں کے دونوں مرض جذام میں مبتلا ہو گئے۔ رنجو مزدور نے تو رو دھو کر اور دست بہ دعا ہو کر اپنے قصور کی معافی چاہی اور وہ تندرست ہو گیا......... مگر محمود میاں نے اپنی بدنصیبی کے باعث عذر خواہی نہ کی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ مرض بڑھتا گیا اور وہ اسی مرض میں جاں بحق ہو گئے۔ خود رنجو مستری نے راقم (محمد کاکوی) سے بیان کیا کہ ہم دینی باغ کے بزرگوں کے مزارات کی ہر سال مرمت اور کہگل (سفیدی) کیا کرتے تھے۔ یہ سوچ کر کہ شاید کوئی بے ادبی وہاں ہوئی ہے جس کی سزا ملی۔ وہاں جا کر خوب روئے اور معافی چاہی۔ خواب میں یہ ارشاد ہوا کہ تم نے سید ابراہیم کی جناب میں بے ادبی کی ہے۔ یہ اسی کی سزا ہے۔ جاؤ وہیں معافی مانگو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور خدا کے فضل و کرم سے شفا ہوئی۔"

جناب شاہ غفور الرحمان حمد کاکوی "آثار کاکو" میں حضرت مخدوم سید ابراہیم کے دو صاحبزادوں سید محمد عمر اور سید اسماعیل کا پتہ دیتے ہیں جن کی اولاد میں سید محمد یونس اور سید عبد الشکور برادران بن حاجی میر تبارک حسین کاکو میں تھے۔ "مخزن الانساب" میں سید شاہ محمد عبد الباقی بن مخدوم سید ابراہیمؒ کا نام ملتا ہے۔ اور سید حسن سجاد جعفری مرحوم کے تیار کردہ نسب نامہ میں سید محمد عبد الباقی کے نام کے ساتھ فرزند کلاں لکھا ہے۔

حضرت مخدوم سید ابراہیم زندہ دل کاکویؒ کا سال وفات معلوم نہیں۔ خاندانی نوشتوں میں صرف تاریخ ۳ رمضان المبارک تحریر ہے۔ آپ قصبہ کاکو میں اپنی بنا کردہ مسجد سے متصل آرام فرما ہیں۔ آپ کی تعمیر کردہ قناتی مسجد اور آپ کا مزار پختہ اور چہار دیواری اب تک موجود ہے۔ آپ کے مزار اقدس اور اس کی چہار دیواری کو سید محمد یونس صاحب مرحوم نے اپنے ذاتی خرچ سے ۱۴۱۳ھ میں نئے سرے سے تعمیر کرایا تھا۔ سید محمد یونس صاحب کے ورثاء میں کچھ لوگ کراچی میں موجود ہیں۔ جن میں سید محمد جاوید بن سید ضیاء الدین کاکوی مع برادران النور سوسائٹی میں رہائش پذیر ہیں۔

سید شاہ محمد عبد الباقی جعفری کاکوی: حضرت مخدوم سید ابراہیم زندہ دل کاکویؒ کے وصال کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ محمد عبد الباقی جعفری قدس سرہ آپ کی سجادگی پر بٹھائے گئے۔ آپ کی شادی آپ کے ماموں شیخ صدر الدین کاکوی کی دختر سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادے سید مبارز جعفری تھے۔ حضرت سید شاہ محمد عبد الباقی جعفری کاکوی کا وصال ۲ جمادی الثانی کو ہوا۔ آپ موضع کاکو میں آسودہ خاک ہیں۔

سید شاہ مبارز جعفری کاکوی: آپ خانقاہ چشتیہ نظامیہ ابراہیمیہ موضع کاکو کے دوسرے سجادہ تھے۔ آپ کی شادی موضع سنگر پانواں کے شیخ پھول کی دختر سے ہوئی۔ آپ نے ۴ رمضان المبارک ۳۶-۱۰۳۵ھ کو وصال فرمایا اور کاکو میں مدفون ہیں۔ آپ کی سجادگی پر آپ کے صاحبزادے سید ابوالحسن جعفری متمکن ہوئے۔

سید شاہ ابو الحسن جعفری کاکوی: آپ موضع کاکو میں حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکویؒ کی قائم کردہ خانقاہ کے تیسرے سجادہ تھے۔ آپ کی شادی مساۃ بی بی رقیہ بنت سید ہیبت ساکن موضع مخلولی سے ہوئی۔ آپ نے ۱۱ محرم الحرام ۵-۱۰۴۴ھ کو شہر بہار پور میں

ـحال فرمایا۔

میر کبیر سید شاہ محمد جعفر جعفری پٹنوی: آپ خانقاہ چشتیہ نظامیہ ابراہیمیہ موضع کاکو میں اپنے والد سید شاہ ابو الحسن جعفری قدس سرہ کی سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔ آپ حضرت دیوان جیو شیخ محمد رشید جون پوری کے تربیت یافتہ اور خلیفہ تھے۔ آپ مرشد کے حکم سے کاکو کی اقامت ترک کرکے دیوان محلہ، پٹنہ سٹی میں مقیم ہوئے۔ آپ کی شادی حضرت مخدوم سید فضل اللہ عرف گوسائیں قدس سرہ کے خاندان میں سید نور الدین کی دختر سے ہوئی۔ آپ نے ۳ رمضان المبارک ۱۱۰۵ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار اقدس شائستہ آباد، پٹنہ میں ہے۔ آپ کے آستانہ ابراہیمی الجعفری کے چھ سجادہ نشینان اور تین متولی مسجد و خانقاہ شیخ غلام یحیٰی قدس سرہ پٹنہ میں تبلیغ دین کا کام انجام دیتے رہے اور روحانیت کی شمع روشن رکھا۔

سید شاہ حسین علی جعفری: سید شاہ حسین علی جعفری بن سید جعفر علی بن سید عنایت کریم جعفری بن سید علی ابراہیم جعفری بن سید مخدوم جعفر جعفری بن سید محمد اسلم جعفری بن امیر کبیر سید محمد جعفر جعفری آستانہ ابراہیمی پر اپنے عم محترم سید شاہ سجاد علی جعفری قدس سرہ کے سجادگی پر بٹھائے گئے۔ حضرت سید شاہ سجاد علی جعفری قدس سرہ کی تین شادیاں ہوئیں۔ زوجہ سوم دختر میر سید محمد مائلی بن سید خیر الدین عرف چھکن بن سید محمد ہاشم بن سید ارشد الدین عرف برخوردار بن سید قطب الدین بن سید محمد عثمان علی بن سید محی الدین ثانی خدا شناس بن حضرت مخدوم سید محمد پیر دمڑیا پٹنہ کی تھیں۔ لیکن آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے آپ نے اپنے بھتیجے سید حسین علی جعفری کو اپنا سجادہ کیا۔ سید شاہ حسین علی جعفری کی پہلی شادی شہر بہار شریف محلہ محل پر دیوان منشی سید کریم بخش بغدادی کی دختر سے ہوئی اور آپ اپنی سسرال بہار شریف میں آباد ہوئے۔ آپ نے ۱۰ رجب ۱۳۰۳ھ کو انتقال فرمایا۔

نقشہ اولاد حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی
از محل اولیٰ
از محل ثانی
سید عبدالباقی جعفری
سید محمد طلحہ
سید منصور
سید عبدالغفور
سجادہ
سید مبارز جعفری
سید یٰسین
دختر
دختر
دختر
سید یوسف
سید محمد
دختر
دختر
دختر
دختر
دختر
سجادہ
سید غلام ابراہیم
غلام محی الدین
سید اسماعیل
دختر
سید ابوالحسن جعفری
سید عمر
سجادہ
عزیز اللہ
سعد اللہ
دختر زوجہ
دختر زوجہ
دختر زوجہ
سید محی الدین عرف موجا کاکوی
سید اسماعیل پھلواروی
نعمت اللہ
عشق اللہ
سید محمد علی
مخدوم سید جنید ثانی پھلواروی
عرف نجم علی خان متوفی ۱۱۶۶ھ
امیر کبیر سید محمد جعفر جعفری
سجادہ وخلیفہ دیوان
پیر شیخ محمد رشید عثمانی جون پوری
(کاکو سے شہر پٹنہ کو منتقل ہوئے)
دختر مسماۃ جمائی
زوجہ شیخ دانیال عثمانی
ساکن مدنی پور
محمد احسن
لاولد
سید محمد اسلم جعفری
سجادہ
محمد فضل اللہ
لاولد
سید محمد باقر
محمد مہدی
سید احمد
محمد تقی
حکیم علی تقی
احمد علی
مسماۃ رحیمن
غلام محمد
مسماۃ سودہ
مسماۃ صالحہ
مسماۃ مکہ
مسماۃ مائیدہ
پسر

نقشہ اولاد سید محمد اسلم جعفری
سید غلام جعفر جعفری
سجادہ
سید علی ابراہیم جعفری
اسماعیل جعفری عرف کبیر میاں
دختر
لطف علی
سجادہ
علی اعظم
سراج علی
مبارز علی
سید عنایت کریم جعفری
نجم علی
مسماۃ سیدن
مسماۃ حلیمن
زوجہ میرزا عبدالغنی کاکوی
مسماۃ شمودن
بزوجیت
الطاف جونپوری
حکیم ابن حسن
سجادہ
سید جعفر علی جعفری
دختر
دختر
دختر
سید سجاد علی جعفری
سجادہ آستانہ ابراہیمی پٹنہ و متولی خانقاہ و مسجد
شیخ غلام یحییٰ تکیہ ٹولہ۔ پٹنہ سٹی
زوج اول موضع کاندھا خاندان ہمدانی
زوج دوم دختر شاہ حمید راجگیری
زوج سوم دختر سید محمد ماکلی بن سید خیرالدین
عرف بیگین بن سید محمد ہاشم بن ارشدالدین
عرف سید برخوردار بن سید قطب الدین بن
سید عثمان علی بن سید یحییٰ الدین ثانی خداشناس بن
حضرت مخدوم سید محمد عرف بڑے درگاہ پٹنہ۔ لاولد
سید حسین علی جعفری
سجادہ آستانہ ابراہیمی پٹنہ و متولی
خانقاہ و مسجد شیخ غلام یحییٰ
آپ پٹنہ سے منتقل ہو کر شہر
بہار میں مقیم ہوئے
دختر
سید فضل سجاد جعفری
سید احمد سجاد جعفری
سبحان احمد
محمد یٰسین سجاد
دختر
دختر — زوجیت — سید محمد سجاد جعفری
سجادہ
امیر سجاد
وحید سجاد
احسن سجاد
دختر
دختر
دختر
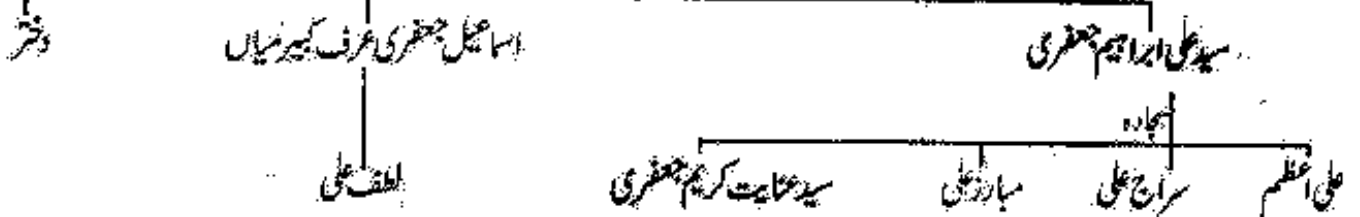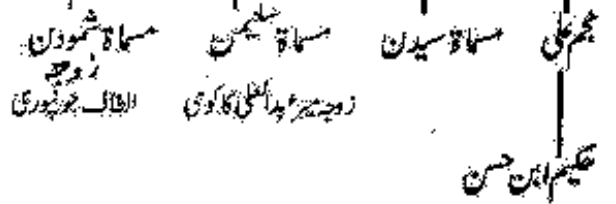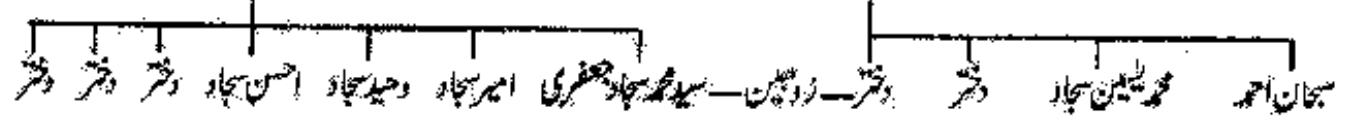
نقشہ اولاد سید محمد سجاد جعفری
سید ابراہیم سجاد
اشرف سجاد
حسن سجاد
سید حسین سجاد جعفری
جعفر سجاد
باقر سجاد
دختر
غلام معین الدین
لاولد
لاولد
ارشد سجاد
اسعد سجاد
لاولد
لاولد
تقی سجاد
نقی سجاد
مسماۃ مدینہ
مسماۃ زیب النساء
عابد سجاد
زاہد سجاد
مسماۃ محمودہ
لاولد
ہاشم سجاد جعفری
مسماۃ عالیہ خاتون
عرف عائشہ
احمد سجاد جعفری
مسماۃ نور الصباح
مسماۃ آسیہ
مسماۃ بارکہ
زوجہ سید سعادت حسین
عبداللطیف بن الطاف
حسین آزم پوری بن امجد
علی بن سید کرامت حسین بن
میر سید رفیع الدین اورنگپوری
عزیز الفاطمہ
اسماعیل سجاد
لاولد

نقشہ اولاد سید محمد یٰسین بن سید فضل سجاد بن سید حسین علی جعفریؒ

از محل اولیٰ دختر دوم سید لطافت حسین خسرو پور — از محل دوم دختر خورد سید لطافت حسین خسرو پور

محمد ظہ — امام باقر ہدیٰ — محمد طیب — محمد طاہر — محمد نور النبی — محمد مہدی — محمد عباس — صفیہ خاتون — میمونہ خاتون — رابعہ خاتون

امام باقر ہدیٰ: زوجہ اشرف سجاد
صفیہ خاتون: زوجہ سید احمد ضمیر، پھلواری
میمونہ خاتون: زوجہ سید بدر الدین، وکیل، صدر گلی، پٹنہ
رابعہ خاتون: زوجہ نواب واجد حسین، خسرو پور

محمد مہدی ← رشیدہ خاتون
محمد نور النبی ← اشرف النبی

رابعہ خاتون ← خلیل حسین
میمونہ خاتون ← فیاض الدین احمد — فصیح الدین احمد

محمد طاہر ← محمد صادق — محمد حامد — مسماۃ احمدی

صفیہ خاتون ← محمد یٰسین (ایڈیٹر یونٹی انگریزی) — مسماۃ قریشہ — حبیب رضا مرحوم (کراچی)

محمد طیب ← حبیبہ خاتون — محمد حبیب — حنیفہ خاتون — امامہ خاتون — محمد زکریا

امام باقر ہدیٰ ← ارشد (لاولد) — اسعد (لاولد)

مسماۃ زینب — محمد نجیب

حضرت مخدوم بدر عالم قادری شہباز پوریؒ

حضرت مخدوم سید بدرالدین بدر عالم قادری قدس سرہ بہار میں سلسلہ قادریہ کے بہت ہی مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کا اصل وطن جونپور تھا۔ آپ اور آپ کے والد حضرت میر سید صدرالدین صدر جہاں عرف میر عالم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید محمد قیض قادری قدس سرہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم بدر عالم قادری قدس سرہ کو اپنے والد حضرت صدر جہاںؒ سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔ سلطان وقت کے حکم سے حضرت سید محمد قیض قادریؒ جب بنگال تشریف لائے تو آپ دونوں بزرگ بھی ساتھ تھے۔ پیر نے دونوں بزرگوں کو بہار کی ولایت سپردکی اور رشد و ہدایت خلق کا کام انجام دینے کا حکم دیا۔ حضرت حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی علیہ الرحمۃ اپنی مایہ ناز کتاب "اعیان وطن" میں لکھتے ہیں کہ "یہ بزرگ دسویں صدی ہجری کے وسط ۹۵۴ھ میں اپنے پیر و مرشد حضرت سید محمد قیض قادری قدس سرہ کے ہمراہ اپنے والد اور تمام اہل و عیال کے ساتھ جونپور سے بہار تشریف لائے تھے۔" آپ کا سلسلہ نسب سید فتح اللہ مبارزی، سید ابوالفرح واسطی اور حضرت سید یحییٰ شبیہ رسول اللہ ﷺ سے ہوتا ہوا حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ جناب حکیم شعیب پھلواروئیؒ نے "اعیان وطن" میں جو نسب نامہ تحریر کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

> حضرت سید بدرالدین بدر عالم بن میر سید صدر جہاں میر عالم بن میر سید شاہ بن سید شہاب الدین بن سید بدرالدین بن سید کریم الدین بن سید نورالدین بن سید مومن بن سید تاج الدین بن سید بہاء الدین بن سید فتح اللہ مبارزی بن سید ابوالفتح بن سید ابوالفرح الواسطی بن سید داؤد بن سید عیسیٰ مشترکوف بن سید محمد بن سید ابوالحسن زید بن سید حسین بن سید اکبر بن سید منصور بن سید عدنان بن سید عمر بن سید یحییٰ شبیہ رسول اللہ ﷺ بن سید حسن ذوالدمعہ بن امام ابوالحسن زید شہید بن امام علی زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ عنہ۔

حضرت مخدوم سید بدرالدین بدر عالم قادری شہباز پوری قدس سرہ کے پیر و مرشد حضرت سید محمد قیض قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی بہار و بنگال میں تبلیغ دین کے کاموں میں بسر کی اور ۹۹۲ھ میں بنگال میں وصال فرمایا۔ آپ کا جنازہ بنگال سے مقام ساڈھورہ لایا گیا۔ جہاں آپ آسودہ خاک ہیں۔ اثنائے راہ جب آپ کے جنازے کو بہار شریف میں جس مقام میں رکھا گیا۔ وہاں پر یادگار چلہ گاہ اب تک موجود ہے۔ بہار میں ایک گاؤں آپ کے نام سے قیض پور آباد ہے۔ حضرت مخدوم بدر عالم شہباز پوری قدس سرہ اپنے پیر کے خلیفہ تھے۔ اور آپ اپنے والد کے بھی سجادہ تھے۔ آپ کی غذا جو کا آٹا اور پوشاک کملی تھا۔ اس لئے حضرت مخدوم کا خطاب "کشک نوش" اور "پشمینہ پوش" تھا۔

راقم الحروف کو حضرت مخدوم بدر عالم قادری قدس سرہ کے مکمل کوائف حاصل نہ ہوسکے اور نہ ہی موضع شہباز پور سے تعلق رکھنے والے آپ کے کسی ورثا سے ملاقات ہوسکی۔ یہ مختصر تذکرہ حضرت مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروئیؒ کی کتاب "اعیان وطن" کی مدد سے مرتب کیا گیا

ہے۔ حضرت حکیم صاحب کے مطابق ""آپ تاعمر موضع شہباز پور (نزد پھلواری شریف و موضع عیسیٰ پور) میں قیام پذیر رہ کر رشد و ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ ۱۵ شعبان ۱۰۱۳ھ میں رحلت فرمائی اور شہباز پور ہی میں مدفون ہوئے۔""

""اعیان وطن"" کے مطابق حضرت مخدوم کے والد حضرت میر صدر الدین صدر جہاں میر عالمؒ کا مزار بھی شہباز پور ہی میں ہے۔ اس وقت موضع شہباز پور آپ کی اولادوں سے مکمل طور پر خالی ہو چکا ہے۔ آپ کا روحانی سلسلہ قادریہ قمیصیہ بدریہ فیاض المسلمین حضرت مولانا شاہ بدر الدین قادری پھلواروی قدس سرہ، حضرت سید شاہ محی الدین احمد رضوی پھلوارویؒ، حضرت شاہ محمد عبد اللہ اور حضرت شاہ محمد سلیمان قادری پھلوارویؒ کو پہنچا۔ آپ کے خلفاء میں پانچ بزرگوں کے نام مشہور ہیں۔ حضرت شاہ محمد اسماعیلؒ، حضرت شاہ محمد اسحاقؒ، حضرت شاہ محمد یوسفؒ برادران (ساکنان پھلواری شریف)، حضرت سید شاہ ابوالفتح قادری شہباز پوریؒ (حضرت مخدوم کے داماد اور ہم جد تھے) اور حضرت حاجی عبد اللہ سیاح خیر آبادیؒ۔

""تجلیات انوار"" میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم بدر عالم قادری قدس سرہ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ آپ ہمیشہ کھلی آنکھوں سے مراقبہ کیا کرتے تھے۔ اور اپنے مریدوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیتے تھے۔ آپ کے ایک مرید نے کہا کہ دوسرے طریقہ میں لوگ آنکھ بند کر کے مراقبہ کیا کرتے ہیں۔ اس طرح یکسوئی رہتی ہے اور خیالات منتشر نہیں ہوتے۔ آپ نے اس مرید سے کہا کہ میں جب آنکھ بند کر کے مراقبہ کرتا ہوں تو میری آنکھیں شعلہ بار عشق بن جاتی ہیں۔ اور اس حالت میں آنکھ کھول کر کسی شے پر نگاہ ڈالوں تو وہ جل جائے گی۔ آزمائش کے لئے ایک کمہار کو کہا گیا کہ وہ اپنے مٹی کے کچے ظروف کا پزایہ تیار رکھے لیکن اس میں آگ نہ ڈالے۔ جب کمہار کے مٹی کے کچے ظروف کا پزایہ تیار ہو گیا تو آپ صبح کو اس پزایہ کے قریب تشریف لائے اور مراقبہ کے بعد اس پزایہ پر پہلی نظر ڈالی۔ جس کے اثر سے کمہار کے تمام کچے برتن پک گئے۔

""تذکرۃ الصالحین"" میں لکھا ہے کہ ""آپ اپنے زمانہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور سلسلہ قمیصیہ میں خاتم الکاملین تھے۔ مزار آپ کا (شہباز پور میں) بر آمد حاجات کے واسطے بہت پر اثر ہے۔"" آپ کے عرس کا سلسلہ آپ کی خانقاہ کے آخری سجادہ اور خلیفہ حضرت سید شاہ غوثی اقبال علی علیہ الرحمۃ تک جاری رہا۔ جب حضرت غوثی صاحب کا ۱۰ شعبان ۱۲۹۵ھ میں وصال ہو گیا۔ اور شہباز پور صرف آپ کی اولادوں ہی سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا تو عرس کا یہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا۔ آپ کے ورثا میں کچھ افراد موضع پھلواری شریف میں آباد ہوئے۔ جن کا تذکرہ اور نسب نامہ ""اعیان وطن"" میں موجود ہے۔

نقشہ شجرہ سادات شہباز پور نزد پھلواری

سید نور الدین ہجویری

سید کریم الدین	سید محسن الدین
سید بدر الدین	سید حسین
سید شہاب الدین	سید محمد
میر سید شاہ	سید ابوالفتح شہباز پوری
میر سید صدر جہاں شہباز ہجویری عرف میر عالم	سید داؤد
مخدوم سید بدر الدین بدر عالم قادری	سید شاہ کریم
دختر زوجہ (سید ابوالفتح)	سید محمد
سید داؤد	سید شاہ فضل اللہ عرف شاہ کالن

اولاد سید شاہ کالن قادری قیصی شہباز پوریؒ

سید شاہ فضل اللہ عرف شاہ کالن

(یکے از اولاد حضرت مخدوم بدر عالم شہباز پوریؒ)

از محل اولیٰ — علی حسن، علی حسین، علی رضا، علی جعفر، کلثوم زوجہ (شاہ صفدر علی راسخ پھلواروی)

از محل ثانی — عصمت علی، عزت علی

علی حسن ← نور الحسن عرف شاہ نورا ← دختر زوجہ شاہ محمد بن نعمت اللہ پھلواروی

عصمت علی ← مظہر احمد، مظہر علی

مظہر علی ← دختر زوجہ شاہ محمد یحییٰ پھلواروی

مظہر احمد ← منشی اقبال علی ← ظہور احمد، نجم الدین، دختر، دختر، دختر، دختر زوجہ شاہ لطیف علی عرف میاں جانؒ سجادہ تکیہ حضرت عشق۔ پٹنہ

شاہ لطیف علی عرف میاں جانؒ ← شاہ امجد حسینؒ سجادہ ← شاہ حمید الدین عرف شاہ محمدؒ سجادہ ← شاہ شاہد حسینؒ سجادہ عرف شاہ درگاہی

عزت علی (زوج دختر مخدوم شاہ آیت اللہ) ← سید شاہ آل یٰسین، دختر، دختر، دختر

سید شاہ آل یٰسین ← سید شاہ ہدایت حسین

(تفصیل کے لئے دیکھئے "اعیان وطن" مصنفہ حکیم سید شاہ محمد شعیبؒ)

حضرت سید شاہ شہباز محمد بھاگلپوریؒ

محی السنہ، ماحی البدعہ حضرت مولانا سید شاہ شہباز محمد دیوروی بھاگل پوری قدس سرہ کے والد ماجد حضرت سید محمد خطابؒ اصلاً رہنے والے بخارا کے تھے۔ آپ حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے۔ بعد حج مع اہل و عیال ۹۵۶ھ کو موضع دیورہ، پرگنہ اردب، ضلع گیا، صوبہ بہار تشریف لائے۔ اور اسی سال ۱۵۴۲ء کو بہ زمانہ ہمایوں بادشاہ حضرت مولانا سید شاہ شہباز محمد قدس سرہ موضع دیورہ بہار میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب "تذکرہ صادقہ" میں آپ کا جو نسب نامہ تحریر کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

مولانا سید شہباز محمد بن مولانا سید محمد خطاب بن مولانا حاجی سید خیرالدین بن سید علی اصغر بن سید علی اکبر بن سید اسماعیل بن سید اسحاق بن سید سعدی بن سید یعقوب بن سید محمد بن سید محمود بن سید مسعود بن سید احمد لاہوری بن سید خدا بخش بن سید جلال بن سید یوسف بن سید ملا ابراہیم بن سید عبداللہ بن سید کمال الدین کرمانی بن سید احمد بن سید علی بن امام جعفر صادقؓ بن امام محمد باقرؓ بن امام علی زین العابدین بن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ۔

اس نسب نامہ کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید شہباز بھاگلپوری قدس سرہ کا خاندان بخارا سے کرمان اور لاہور ہوتا ہوا بہار پہنچا ہے۔ آپ موضع دیورہ میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم مکمل کی اور زندگی کا ایک بڑا حصہ اسی موضع میں گزارا۔ آپ نے علوم ظاہری حضرت شاہ محمد عباسی دیورویؒ سے حاصل کی اور علوم باطنی میں حضرت میر سید یٰسین سامانیؒ مقیم بہار سے فیض یاب ہوئے۔ بیعت و خلافت بھی آپ کو حضرت میر یٰسین سامانی رحمۃ اللہ علیہ ہی سے حاصل تھی۔

"مرآۃ الکونین" مصنفہ مولوی غلام نبی فردوسی میں لکھا ہے کہ "حضرت شہباز کے والد کو روضہ رسول ﷺ سے بشارت ہوئی کہ تیرے صلب میں ایک اولاد ولی کامل ہوگا۔ اور یہ حکم ہوا کہ ہندوستان جاؤ۔ چنانچہ یہاں تشریف لائے اہل بھی ساتھ تھے۔ چند روز لاہور میں مقیم رہے پھر موضع دیورہ، بہار میں آکر ٹھہرے۔ جب آپ پانچ سال کے ہوئے مکتب میں بٹھائے گئے، معلم نے کہا کہو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، عَلَّمَ الْقُرْآن۔ آپ نے معلم سے پوچھا اللہ کون ہے۔ اور رحمان کیا ہے۔ قرآن کس کو کہتے ہیں۔ معلم نے کہا۔ اے لڑکے تمہیں اس سے کیا جو میں کہتا ہوں کہو۔ آپ نے کہا۔ پڑھنے سے مراد ادراک ہے۔ جب میں نے سبق اول ہی نہ سمجھا تو پڑھنے سے فائدہ کیا۔ اس بات سے سب کو حیرت ہوئی۔ معلم نے کہا تمہاری عمر ابھی اس کے سمجھنے کی نہیں ہے۔ آپ نے کہا میں نے اس قدر سمجھا ہے کہ اللہ جو سب سے بڑا ہے۔ اور رحمان بھی اسی کی صفت ہے۔ اور قرآن وہ چیز ہے جس سے لڑکوں کو ہر بات سے آگاہی ہو۔ معلم متحیر ہوا اور ساری بات آپ کے والد سے عرض کی۔ انہوں نے (والد نے) کیفیت بشارت بیان فرمائی اور آپ کو بخارا لے گئے کہ اپنے مرشد کے سپرد کردیں۔

جب آپ قریب بخارا پہنچے کوس بھر یا تین کوس کے فاصلہ پر تھے کہ وہ بزرگ کھڑے ہوگئے اور تبسم فرمایا اور حاضرین سے فرمایا ایک شخص آتا ہے۔ جس کے سبب شب کو حضرت رسول کریم ﷺ نے مجھے بشارت دی ہے اور فرمایا کہ جو امور میرے باقی رہ گئے ہیں وہ اسی شخص آنے والے پر موقوف ہیں۔ چنانچہ آپ پیشوائی کر کے لائے سر و دست پر آپ کے بوسہ دیا۔ پھر اپنی جگہ پر لے گئے۔ پھر آپ کو پڑھانا شروع کیا۔ ایک سال کے عرصہ میں تحصیل علم سے آپ نے فراغت پائی۔"

تیس سال کی عمر تک دیورہ میں مقیم رہے۔ حضرت سید شہباز محمد قدس سرہ کی شادی حضرت شاہ محمد عباس دیوروی کی پوتی بی بی سلیمہ خاتون بنت عبد العلی سے دیورہ میں ہوئی۔ جن کے بطن سے سید شاہ عبد الحمید اور حضرت بی بی رابعہ تولد ہوئے۔ تیس سال کی عمر میں آپ دیورہ سے بھاگلپور تشریف لے گئے اور وہیں مستقل قیام فرمایا۔ بھاگلپور میں تاحیات درس وتدریس اور رشد وہدایت خلق میں مشغول رہے۔ جناب اعجاز الحق قدوسی مرحوم اپنی کتاب "تذکرہ صوفیائے بنگال" کے صفحہ ۱۷۵، ۱۷۶ کے حاشیہ پر بحوالہ "نزھۃ الخواطر" لکھتے ہیں: "..........وہ ہمیشہ درس وتدریس میں مشغول رہتے۔ درس وتدریس میں انہیں اس قدر انہماک تھا کہ انہوں نے مرض الموت میں بھی درس وتدریس کو نہ چھوڑا۔ وفات سے کچھ پہلے وہ مشکوۃ شریف کا درس دے رہے تھے۔ جیسے ہی درس سے فارغ ہوئے ان کی وفات ہوگئی۔" حضرت مولانا عبد الرحیم زبیری الہاشمی "تذکرہ صادقہ" میں تحریر فرماتے ہیں: "......آپ نے مدۃ العمر باتباع سنت نبویہ ودرس وتدریس علوم ظاہریہ و بہدایت و ارشاد امور باطنیہ بسر کیا۔ صدہا طالب آپ کے فیض صحبت سے درجہ اعلیٰ کو پہنچے۔ اور اولیائے کاملین سے ہوئے۔"

برادرم سید علی مرتضیٰ پرویز مرحوم نے اپنی کتاب "تاریخ کے گمشدہ اوراق" میں لکھا ہے کہ "تذکروں میں تحریر ہے کہ حضرت مولانا شہباز کی ولادت سے قبل حضرت شاہ شرف الدین مخدوم جہاں بہاری اور مخدوم جلال الدین چڈوی میں بھاگلپور کی ولایت کے بارے میں جب بحث و مباحثہ ہوا تو رسول مقبول ﷺ نے عالم مراقبہ میں تشریف لا کر حکم دیا کہ بھاگلپور کی ولایت تو شہباز ولی اللہ کے نام طے ہو چکی ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوا آپ پیدائشی ولی تھے۔ جب حضرت بو علی قلندر پانی پتی کا وقت وفات قریب آیا تو آپ نے اپنے مریدوں کو ہدایت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میری فاتحہ میں شہباز کا نام بھی شامل رکھنا۔ مریدوں نے عرض کیا کہ یہ شہباز کون بزرگ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شہباز ہے جس کی پرواز عرش تک ہوگی.........ایک طالب علم حضرت شہباز سے "شفا اور ارشاد" (جو شیخ بو علی سینا کی تصانیف میں سے ہے) پڑھتا تھا۔ ایک مشکل مقام پر طالب علم حضرت سے بحث کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں جو کہتا ہوں وہی مصنف کی مراد ہے۔ طالب علم نے کہا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ اتنے میں ایک اجنبی حضرت کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا "خیر ان سے پوچھ لو"۔ شاگرد نے اس اجنبی سے پوچھا تو اس نے بھی وہی بتایا جو حضرت شہباز بتا رہے تھے۔ طالب علم نے اجنبی سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ میرا نام بو علی سینا ہے اور غائب ہوگیا۔" (تفصیل کے لئے دیکھئے "اولیائے پاک و ہند" از مولانا ولی حسن ٹونکی)

حضرت مولانا شہباز محمد بھاگلپوری قدس سرہ کا وصال، حضرت مولانا عبد الرحیم صادق پوری کے بیان کے مطابق ۱۵ صفر

۱۰۵۰ھ مطابق ۱۶۴۰ء کو بروز جمعرات ہوا۔تاریخ وصال (نجمی اور ستون دین افتاد) سے نکلتا ہے ۔آپ کی قائم کردہ خانقاہ اور آپ کی آخری آرام گاہ صوبہ بہار کے شہر بھاگلپور کے محلہ ملا چک میں ہے ۔راقم الحروف کی کتاب "شرفا کی نگری" حصہ اول میں معروف شاعر، ادیب اور بنکار جناب منظر علی خاں منظر مرحوم نے جو اپنا تبصرہ کیا ہے ۔اس میں حضرت مولانا شہباز محمد قدس سرہ کی خانقاہ کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے ۔لکھتے ہیں: "..........کچھ اور بڑا ہوا تو حضرت مولانا شہباز کی گدی سے واقفیت ہوئی جو مولانا چک میں جامع مسجد سے متصل تھی حضرت شہباز اور ان کے رفقاء کے مزارات مسجد کے صحن میں واقع ہیں اور مرجع خلائق ہیں۔بھاگلپور میں کسی کو بھی خواہ کتنا ہی زہریلا سانپ کاٹ لے مارگزیدہ اگر مولانا چک پہنچ جائے اور گدی نشیں صاحب کے ہاتھوں سے پانی پی لے تو وہ مر نہیں سکتا یہ طے ہے۔ہم نے اپنا ٹیسٹ ـــجن کے امتحان میں یہی جواب دیا تھا۔ویسے جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے وہ بھی لکھ دیا تھا۔ممتحن پنڈت سری موہن پرشاد تھے ۔انہوں نے مجھے بلا کر شاباشی دی کہ بیٹا صحیح جواب تم نے بتایا۔مولانا چک ہر مذہب کے لوگ جاتے تھے اور شفایاب ہوتے تھے۔ان مزارات میں مدفون صوفیائے کرام کا فیض ہے کہ ہندوستان کے کونے کونے میں اذانوں کی صدا گونج رہی ہے.........."

مولانا ابو الکلام قاسمی شمسی "تذکرہ علمائے بہار" میں تحریر فرماتے ہیں: "حضرت مولانا نے بنگال اور بہار میں اشاعت اسلام کی بڑی خدمت کی ۔آپ کی خانقاہ سے محبت اور اخوت کی تعلیم ہندوستان کے بیشتر حصوں میں پہنچی ۔سیالکوٹ، ڈھاکہ، میدنی پور، بردوان، مونگیر، پٹنہ اور انبالہ کے قرب وجوار کے علاقے اسلام اور روحانیت سے روشن ہوئے ....ڈبلو-ڈبلو-ہنٹر کے مرتبہ "بنگال منسکرپٹ ریکارڈ" کے صفحہ ۳۷ پر مرقوم ہے کہ سرجان شور کی صدارت میں فورٹ ولیم کو جن پرانے مدارس کا حال مل سکا ،ان میں بھاگلپور کا مدرسہ شہبازیہ بھی ہے ،جو اس زمانہ میں درس و تدریس کا بڑا دینی مرکز تھا۔"

محی السنہ ماحی البدعہ حضرت مولانا سید شاہ شہباز محمد قدس سرہ بعد وفات اہلیہ اولی جب تمیں سال کی عمر میں ۹۸۵ھ میں بھاگلپور تشریف لے گئے تو وہاں دوسری شادی کی جن سے آپ کے دو صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ عبد السلام اور حضرت مولانا سید شاہ محمد صفی سیالکوٹی تھے ۔جن کے ورثا محلہ ملا چک بھاگلپور میں آباد ہیں اور حضرت مولانا شہباز محمد بھاگلپوری قدس سرہ کے مشن کی تکمیل میں مشغول ہیں ۔آپ کی اہلیہ اولی کے ورثا محلہ نمو ہیہ، عظیم آباد، پٹنہ میں مقیم رہے اور مسلک اہل حدیث پر گامزن ہو کر خدمت تبلیغ دین کا کام انجام دیتے رہے ہیں۔محلہ نموہیہ کا یہی وہ خاندان ہے جو علمائے صادق پور حضرت مولانا ولایت علی اور حضرت مولانا عنایت علی رحمہ اللہ علیہما کے ساتھ تحریک جہاد سید احمد شہید میں مرکزی کردار ادا کرتا رہا اور جانی و مالی قربانیاں دیتا رہا۔محلہ نموہیہ اور صادق پور، پٹنہ جہاد تحریک کا مرکز تھا۔جہاں سے صوبہ سرحد اور افغانستان کو مجاہدین کی کھیپ اور سامان حرب کے لئے مالی وسائل بہم پہنچائی جاتی تھی۔بلا شبہ حضرت مولانا سید شاہ شہباز محمد قدس سرہ نے علوم ظاہری و باطنی اور جذبہ شہادت وقربانی فی سبیل اللہ کی جو شمع روشن کی تھی اس کو آپ کے ورثا نے آج تک قائم رکھا ہوا ہے ۔اور چراغ سے چراغ روشن ہو رہے ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

نقشۂ اولادِ حضرت سید شاہ شہباز محمد بھاگل پوریؒ
ازمحل اولی
ازمحل ثانی
مولانا عبدالحمید
(ساکن دیورہ)
شاہ نصراللہ
شاہ تاج الدین
شاہ غلام الدین
شاہ غلام اشرف
شاہ قطب الدین
بی بی رابعہ زوجہ
مولانا ابوالبرکات دیوروی عباسی
(ساکن محلہ مخوبیہ)
مولانا ابوتراب محمد منور
مولانا ابوالخیر محمد انور
مولانا محمد عزیز عرف شاہ ورنگاہی
بی بی نصرت
بی بی شمس
مولانا محمد سعید
محدث
حضرت عظیم آبادی
مولانا محمد حمید (ساکن مغلپورہ پٹنہ سٹی)
بی بی منیبہ
سید شاہ نذر الرحمان حفیظ عظیم آبادی
بی بی عزیز النساء
بی بی صالحہ خاتون
راقم سید قیام الدین نظامی فردوسی
مولانا محمد صفی سیالکوٹی
(ساکن بھاگلپور)
مولانا محمد عاصم
مولانا محمد عابد
مولانا محمد موحد
مولانا محمد حنفی
مولانا محمد عابد عرف شاہ پوری
مولانا محمد اشرف عالم
سجادہ
خانقاہ بھاگلپور
محلہ ملا چک
مولانا محمد ظاہر
مولانا محمد صفی عرف محمد شعور
مصنف
(بہارستان شعور)
مولانا عبدالسلام
(بھاگلپوری)
غلام مجتبیٰ
بی بی نصرت
زوجہ شاہ محمد حسین
عباسی (مخوبیہ)
بی بی عصمت
لاولد
غلام غوث
اسدالدین
غلام امامین
حبیب الحسنین
تفضل حسین
احمد حسین
بی بی قمرن
غلام مرتضیٰ
شاہ خیرات علی
محمد بخش عرف چھرو
بی بی آمنہ
ابوالخیر
بی بی الطیرن
تعلیم عبدالحمید
بی بی محمودہ
مولانا عبدالرحیم
مصنف تذکرہ صادقہ
بی بی رحمن
لاولد
بی بی حمیدن
زوجہ مولانا یحییٰ علی
بی بی شریفن
زوجہ مولانا عنایت علی
بی بی حفیظن
زوجہ مولانا فیاض علی
عبدالقادر
لاولد

نقشہ اولاد بی بی رابعہ بنت حضرت شہباز محمد بھاگلپوریؒ
(زوجہ مولانا ابوالبرکات محمد فائض عباسی دیوروی ثم محلہ تمولیہ پٹنہ)
مولانا ابوتراب محمد منور عباسی
مولانا ابوالخیر محمد انور عباسی
مولانا محمد عزیز عرف شاہ درگاہی
شاہ محمد معز عرف شاہ منور
شاہ محمد کریم
بی بی شکرن زوجہ
شیخ رفیع الدین حسین خان
نائب ناظم صوبہ بہار ساکن محلہ مغلپورہ۔ پٹنہ
بی بی مصرن زوجہ
شیخ رستم علی
ساکن محلہ مغلپورہ۔ پٹنہ
حکیم شاہ محمد واعظ
شاہ ابوتراب
بی بی نجیبہ زوجہ
حافظ ابومحمد۔ لاولد
بی بی الفضل النساء
عبدالقادر
حافظ ابومحمد
فضل اللہ
لاولد
لاولد
لاولد
ولی الحق
فاطمہ
صغریٰ
حکیم محمد صادق
عبدالغفور
روح اللہ
رضی الدین حسین
رکن الدین حسین
شمس الدین حسین
شفیع الدین
بی بی زہرن
لاولد
ساکن صادق پور
قمرالدین حسین شہید
جہادتحریک
حکیم احمد علی
مولانا اولیاء علی
حکیم ارادت حسین
طالب علی
مہدی حسین
ابراہیم حسین
مولانا ولایت علی
مولانا عنایت علی
مولانا فرحت حسین
علمائے صادق پور۔ روح رواں جہادتحریک
بی بی شمس النساء
بی بی مجیدن
مولانا محمد حمید
قمرالدین حسین شہید
بی بی منیبہ
جہادتحریک
حافظ نذرالرحمان حفیظ
بی بی عزیزالنساء
صالحہ خاتون
راقم سید قیام الدین نظامی
(تفصیل شرفا کی نگری حصہ اول)
ابوالحسن
محمد حسین
بی بی ظہورن زوجہ
رضی الدین حسین
بی بی نجیبن زوجہ
بشارت علی صادقپوری
بی بی لطیفن زوجہ
الٰہی بخش صادق پوری
قاضی محمد تقی
محمد ذکی
محمد نقی
محمد رضی
بی بی نعیمن
لاولد
لاولد
عسکر علی
لاولد
باقر علی شہید اول
جہادتحریک
بی بی واجدہ زوجہ
حکیم احمد علی
عبدالعزیز
بی بی زینب

حضرت سید محمد پیر دمڑیا سہروردی قدس سرہٗ

حضرت سید محمد پیر دمڑیا عظیم آبادی قدس سرہ العزیز گیارھویں صدی ہجری میں شہر عظیم آباد پٹنہ کے بڑے مشہور و معروف صوفی بزرگ تھے۔ آپ کا نام میر سید زین العابدین تھا۔ لیکن سید محمد پیر دمڑیا کے نام سے شہرت رکھتے تھے۔ آپ فقر و فاقہ اور تنہائی کو پسند فرماتے تھے۔ بڑی خاموشی سے لوگوں میں تبلیغ کا کام انجام دیتے۔ دھواں دار وعظ و تقریر کے بجائے ایک ویرانہ میں اپنے حجرہ میں بیٹھ کر لوگوں کی تعلیم و تربیت کیا کرتے تھے۔ حضرت پیر دمڑیا قدس سرہ کہاں اور کب پیدا ہوئے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ تذکروں اور سیر و تواریخ کی کتابوں سے اس قدر معلوم ہوا ہے کہ گیارھویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانہ یعنی ۱۰۲۸ھ میں آپ صوبہ بہار میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کئے ہوئے تھے۔ آپ کے ہمعصر بزرگوں میں حضرت مخدوم سید بڑےؒ ابن حضرت سید محمد حافظ مقبول عالم بخاریؒ ابن مخدوم منجھن قتال بخاریؒ، حضرت شاہ ارزاںؒ، حضرت سید محمد بن القادری اجھریؒ اور حضرت سید شاہ محمد اشرف بتھوئیؒ وغیرھم کا نام آتا ہے۔

حضرت سید محمد پیر دمڑیا عظیم آبادی قدس سرہ کا روحانی سلسلہ چشتیہ سہروردیہ تھا۔ آپ کے متعلق ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم اپنی کتاب ''تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت'' میں ''تاریخ محمدی'' کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں: ''سید محمد عرف پیر دمڑیا، سہروردی طریقہ رکھتے تھے۔ اور جہانیاں جہاں گشت کے خاندان سے انہوں نے نعمت (فقر) حاصل کی تھی۔'' راقم السطور سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی نے مختلف کتابوں کے مطالعہ کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ چونکہ حضرت مخدوم منجھن قتال بخاری چشتی سہروردی قدس سرہٗ کے از اولاد حضرت سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت ۹۲۵ھ کو اپنے وطن اوچ شریف سے صوبہ بہار کے ضلع گیا کے ایک موضع سلیم پور بجرہ میں اقامت گزیں ہوئے تھے اور سلسلہ سہروردیہ کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دے رہے تھے۔ اس لئے ممکن ہے کہ حضرت پیر دمڑیا قدس سرہ، حضرت مخدوم سید محمد حافظ مقبول عالم بخاری ابن حضرت مخدوم منجھن قتال بخاریؒ کی اولادوں میں کسی کے خلیفہ ہوں۔ حضرت پیر دمڑیا قدس سرہ العزیز زیدی الواسطی سید تھے۔ بہار میں تمام کتاب الانساب میں آپ کو زیدی سید لکھا ہے۔ حضرت سید شاہ عطا حسین داناپوریؒ نے اپنی کتاب ''کنز الانساب'' میں آپ کا شجرہ نسب اس طرح تحریر کیا ہے:

میر سید زین العابدین عرف سید پیر دمڑیا بن میر سید احمد دہلوی بن میر سید حسن دہلوی بن میر سید قاسم بن میر سید حامد واسطی بن میر سید محمد جعفر زیدی بن میر سید مختار بن میر سید احمد بن میر سید طاہر بن میر سید ابوبکر بن میر سید احمد بن میر سید حسن زید بن میر سید اسماعیل بن میر سید علی بن میر سید حسن فارس مدنی بن میر سید یحیٰی ثانی بن میر سید حسین بن میر سید احمد بن میر سید یحیٰی شبیہ نبی محدث زمانہ بن میر سید حسن زید بن امام ابوالحسن زید شہید بن سید الساجد۔ بن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ۔

حضرت میر سید زین العابدین عرف سید محمد پیر دمڑیا قدس سرہٗ شہر عظیم آباد پٹنہ کے محلہ صندل پور میں مقیم تھے۔ اسی زمانہ میں حضرت شاہ ارزاںؒ اور حضرت پیر بہوڑؒ جو حضرت ابو تراب مدنیؒ کے مریدوں اور خلفاء میں تھے، پٹنہ وارد ہوئے۔ اور حضرت شاہ ارزاںؒ نے محلہ صندل پور

میں رہائش اختیار فرمائی۔ جناب نقی احمد ارشاد مرحوم کے مطابق حضرت شاہ ارزاںؒ پٹھان تھے ان کا پشتو زبان میں دیوان بھی ہے۔ حضرت سید محمد پیر دمڑیا قدس سرہ کو حضرت شاہ ارزاںؒ کے آنے کی خبر ملی تو آپ نے ایک پیالہ شربت کا بغرض مہمان نوازی اور تواضع ان کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت شاہ ارزاںؒ نے پیالہ مع شربت ایک گلاب کا پھول رکھ کر واپس کر دیا۔ حضرت سید محمد پیر دمڑیا قدس سرہ کو بڑا افسوس ہوا اور آپ نے محلہ صندل پور کو چھوڑ دیا۔ آپ نے عظیم آباد پٹنہ میں دریائے گنگا کے کنارے ایک ویران مقام کو منتخب کیا اور وہیں عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ وہ جگہ اب محلہ پیر دمڑیا گھاٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی مقام پر آپ کی درگاہ، ایک مسجد اور خانقاہ موجود ہے۔

حضرت میر سید زین العابدین عرف سید محمد پیر دمڑیا قدس سرہ اپنے وقت کے بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی عبادت و ریاضت، درس و تدریس اور رشد و ہدایت خلق میں گزاری۔ آپ کے حالات کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں۔ لیکن آپ کی درگاہ سے فیض و برکت کا سرچشمہ آج بھی جاری ہے۔ ایک زمانہ دراز سے آپ کی خانقاہ خالی پڑی ہے۔ پٹنہ کا محلہ پیر دمڑیا گھاٹ آپ کی اولادوں سے خالی ہو چکا ہے۔ آپ کی خانقاہ میں سجادگی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ لیکن معتقدین و زائرین کا مجمع لگا رہتا ہے۔ سالانہ عرس بھی بڑی شان سے ہوتا ہے اور ایک بڑا میلہ لگتا ہے۔ آپ کی خانقاہ سے متعلق ایک بڑی جائیداد وقف تھی۔ جائیداد اور درگاہ پیر دمڑیا کے متولی جناب سید لطافت حسین مرحوم رئیس خسرو پوری تھے۔ جو ہر سال عرس حضرت سید محمد پیر دمڑیا قدس سرہٗ اپنی نگرانی میں کیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ آپ کے پوتے نواب سید واجد حسین خسرو پوری تک جاری رہا۔ تقسیم ہند کے بعد نہ جائیداد رہی اور نہ ہی حکومت صوبہ بہار کا ادارہ وقف و اوقاف آپ کی درگاہ کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ چونکہ عوام کو آپ سے عقیدت ہے اور آپ کی درگاہ سے فیض و برکت کا دریا جاری ہے۔ اس لئے عرس و عراس، قل شریف، چادر پوشی اور محفل سماع کا انتظام مقامی مسلمان انجام دیتے ہیں۔ لنگر، شہنائی اور میلے کا انتظام و انصرام اہل ہنود اپنے طور پر انجام دیتے ہیں۔ عرس کے موقع پر محلہ پیر دمڑیا کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔ اکثر اہل بہار جو تقسیم ہند کے بعد پاکستان کو ہجرت کر گئے ہیں ہر سال ہندوستان جا کر آپ کے عرس میں شرکت کرتے ہیں۔ آپ کے عرس کے سلسلہ میں جناب بدرالحسن صاحب مرحوم اپنی کتاب "یادگار روزگار" میں تحریر کرتے ہیں:

"شاہ لطافت حسین صاحب کو تعلق وراثت جناب شاہ پیر دمڑیا صاحب سے تھا۔ یہی صاحب سجادہ تھے (سجادہ نہیں متولی تھے۔ قیام۔) .... یہ عرس میں خانقاہ پیر دمڑیا میں آتے۔ پھر جائے سکونت (خسرو پور) چلے جاتے اور نوآبادہ میں رہتے تھے .... آپس میں مشائخ کم ملتے ہیں۔ اور کم جاتے ہیں۔ مگر جھلی کی درگاہ، پیر دمڑیا اور شاہ ارزاں کی درگاہ میں اکثر مشائخوں کو شریک دیکھتے ہیں .... پیر دمڑیا میں سب کو دیکھا .... پیر دمڑیا میں جائیداد وقف ہے۔ مزار ہے۔ خانقاہ ہے۔ مگر آباد نہیں۔ عرس میں آباد ہو جاتی ہے۔"

حضرت سید محمد پیر دمڑیا قدس سرہ نے ۲۵ ربیع الاول کو وصال فرمایا۔ سال وفات معلوم نہیں بس اس قدر پتہ چلتا ہے کہ آپ ۱۰۲۸ھ میں بقید حیات تھے آپ کا عرس ہر سال ۲۵ ربیع الاول کو منایا جاتا ہے۔

سہ ماہی رسالہ "مخدوم" بہار شریف سے راقم کو معلوم ہوا کہ جناب سید شاہ منیر حسین وکیل مدظلہ اس وقت خانقاہ پیر دمڑیاؒ پٹنہ کے سجادہ نشین ہیں۔ جن کا ایک مضمون "نظام عدل اور خانوادۂ رسول ﷺ" کے عنوان سے شائع ہوا۔

نقشہ اولاد حضرت پیر دمڑیا رحمۃ اللہ علیہ

میر سید رکن الدین پیر دمڑیا
|
میر سید حمزہ پیر دمڑیا
|
میر سید محمد شاد پیر دمڑیا
|
بندگی سید نظام الدین پیر دمڑیا

(از کنز الانساب مصنفہ شاہ عطا حسین دانا پوری)

سید محی الدین ثانی خدا شناس

مخدوم سید عثمان علی

سید قطب الدین

سید ارشد الدین عرف سید بر خوردار

سید محمد ہاشم

سید خیر الدین علی عرف شاہ منگھن زیدی الواسطی

میر سید ماکلی (متوفی یکم صفر ۱۲۳۴ھ بمقام مرشد آباد)

مسماۃ بی بی تاجن زوجہ سید سجاد علی جعفری

لاولد

(از شجرہ نسب تیار کردہ سید حسن سجاد مرحوم)

روضہ اقدس حضرت شہباز محمد بھاگلپوری

مولا چک بھاگلپور (تذکرہ صفحہ ۱۱)

حضرت ملّا خواجہ بہاری لاہوریؒ

راقم السطور سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کے جد بزرگوار حضرت میر سید امیر الدین احمد علیہ الرحمۃ اور ان کا گھرانہ بڑا بخت اور بڑا دین پرست مذہبی گھرانہ تھا۔ آپ کے بڑے بھائی میر سید جمال الدین احمد مرحوم شریعت دین محمدی ﷺ میں اتنے سخت تھے کہ انگریزی تعلیم کے حصول کو کفر تصور کرتے تھے۔ اسی لئے میر سید امیر الدین احمد علیہ الرحمۃ نے عربی و فارسی کی تعلیم کے علاوہ انگریزی بڑے بھائی سے پوشیدہ سیکھی تھی۔ آپ کی طبیعت کا رجحان تصوف کی طرف مائل تھا۔ اور آپ نے برصغیر کے صوفیائے کرام کے تقریباً تمام زیارت گاہوں کی زیارت کی تھی۔ اس شوق میں آپ نے پنجاب کے شہر لاہور اور ملتان تک کا سفر کیا۔ خشیت الٰہی، حب رسول ﷺ اور صحابہ کرام و اہل بیت اطہار سے محبت اور صوفیاء و مشائخ سے آپ کی عقیدت خاندان میں مشہور تھی۔ اس خاندانی روایت کے زیر اثر ناچیز کو عموماً تمام اولیائے کرام اور خصوصاً اولیائے لاہور و ملتان سے ایک خاص لگاؤ رہا۔ اور ان نفوس قدسیہ کے حالات زندگی کا مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ مطالعہ کے دوران مجھے حضرت ملّا خواجہ بہاری لاہوری قدس سرہ العزیز سے واقفیت ہوئی۔

حضرت ملّا خواجہ بہاری لاہوری قدس سرہ کے تذکرہ سے بہار میں لکھی جانے والی تاریخ اور تذکرے خالی ہیں۔ "تذکرہ علمائے ہند" کے مولف مولوی رحمان علی نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ بہاری مقیم لاہور اپنے وقت کے جید عالم دین اور صوفی بزرگ تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ آپ بڑے پائے کے فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن مالوف موضع حاجی پور میں حاصل کی پھر قصبہ گوپی پور تشریف لائے اور شیخ جمال الدین اولیاء کے درس میں شامل ہو کر عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ درس نظامی کی تکمیل آپ نے لاہور میں کی۔ لاہور میں حضرت ملّا محمد فاضل لاہوری کے یہاں آپ کا قیام تھا۔ ان ہی سے تکمیل علم کیا اور ان ہی سے دستار فضیلت بندھی۔ شہر لاہور نے آپ کو اپنی آغوش میں پناہ دی اور اہل پنجاب نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ حضرت خواجہ نے علوم ظاہری کے بعد سلوک کی راہ میں قدم رکھا۔ حضرت میاں میر قادریؒ کی صحبت بابرکت سے سلوک کی راہیں طے کیں اور اسرار حقانی سے واقف ہوئے، جناب عالم فقری اپنی کتاب "گلزار صوفیہ" میں لکھتے ہیں:

"اس زمانہ میں لاہور میں حضرت میاں میرؒ کے باطنی فیض کا چرچا تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ قادریہ میں ان کے مرید ہوئے۔ بیعت کے بعد کافی عرصہ ذکر و اذکار اور مجاہدہ میں مشغول رہے۔ آخر ایک طویل عرصہ کی ریاضت و عبادت اور زہد و تقویٰ کے بعد آپ عارف ربّانی اور واقف اسرار حقیقت بن گئے۔ حتیٰ کہ آپ کے پیر میاں میرؒ نے جب آپ کو روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر پایا تو آپ کو خرقہ خلافت سے نواز دیا......"

مختصر یہ کہ حضرت ملّا خواجہ قادری بہاری لاہوری قدس سرہ کو جو کچھ علوم ظاہری اور روحانی مدارج حاصل ہوئے وہ سب کچھ شہر لاہور میں حضرت ملّا محمد فاضل لاہوری اور حضرت میاں میر قادریؒ کی صحبت بابرکت کا نتیجہ تھا۔ آپ کی بلندیٔ علم اور روحانی مقام کا ذکر داراشکوہ نے بھی

بڑی عقیدت اور احترام سے کیا ہے۔حضرت میاں میر قادریؒ کے خلفاء میں آپ کا درجہ سب سے اعلیٰ و ارفع تھا۔پیر و مرشد کی وفات کے بعد آپ ان کی مسند درس و تدریس اور رشد و ہدایت خلق پر رونق افروز ہوئے۔طالبان علم اور متلاشی سلوک کی ایک بڑی تعداد آپ سے مستفیض ہوئی۔حضرت خواجہ بہاری لاہوری قدس سرہ نے ایک مدرسہ دہلی دروازہ میں قائم کیا تھا۔آپ نے انکساری اور فروتنی کا اظہار کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا :

"باوجودیکہ مجھ میں اتنی علمیت تو نہیں،لیکن سب کا مطلب بیان کرسکتا ہوں اور ایک شعر کے متعدد معنی پیش کرسکتا ہوں۔جو چاہے پوچھ کر آزمائش کرلے۔"

ایک موحد کے رتبہ اور شان کو بیان کرتے ہوئے محترم جناب عالم فقری "گلزار صوفیاء" میں لاہور کے صوفیوں کی ایک محفل کا جس میں حضرت ملّا خواجہ بہاری لاہوری بھی موجود تھے اور سردی کے موسم کی وجہ سے آگ کا ایک الاؤ دہک رہا تھا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :"محمود نامی ایک درویش نے،جو لاہور کے مشاہیر میں سے تھا گفتگو کا آغاز کیا (موضوع توحید باری تعالیٰ تھا)۔ملّا خواجہ سے خطاب کرکے کہا۔آپ کا وحدت الوجود سے متعلق کیا خیال ہے؟ ملّا خواجہ پر اس سوال سے خوشی کی کیفیت طاری ہوئی فرمایا ______ یہ ہے توحید! ______ اٹھے اور آگ میں کود پڑے۔تھوڑی دیر آگ میں اس طرح بیٹھے کہ ان کے دامن تک آنچ بھی نہ پہنچی اور سلامتی سے باہر آگئے۔لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے اور ان سے ان کا جامہ حاصل کرکے اس کے ٹکڑے کئے اور تبرک کے طور پر وہ ٹکڑے لے گئے۔"

پیغمبروں اور رسولوں کے معجزات امت محمدیہ ﷺ کو کرامت کی شکل میں وراثت میں ملی ہیں۔جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی دہکائی ہوئی آگ گلزار بن گئی اسی طرح ابونصر سراجؒ اور ملّا خواجہ قادری بہاری لاہوری قدس سرہ کے لئے آگ سرد ہوگئی۔لیکن یہ وراثت اسی کو ملتی ہے جو توحید باری تعالیٰ پر پختہ یقین رکھتا ہے۔"تمام تعریف و توصیف اللہ کے لئے ہے (الحمدللہ)" پر پورا ایمان رکھتا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اس سلسلہ میں جناب عالم فقری نے حضرت خواجہ کا ایک قول نقل کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں :

"ایک دن لوگوں نے مجھے اس طرح خطاب کیا ______ اے شاہ ولی! ______ اے ملّا خواجہ! ______ اے شیخ ولی! ______ پھر کہا ______ اے کافر! ______ اے یہودی!

حق تعالیٰ کی یگانگت کی قسم کہ نہ مجھے ان کی تعریف بھلی معلوم ہوئی اور نہ ہی ان کی مذمت بری لگی۔"

حضرت ملّا خواجہ قادری بہاری لاہوری قدس سرہ اولیاء پنجاب میں مشہور و معروف صوفی تھے۔آپ سلطان شہاب الدین شاہجہاں کے ہمعصر تھے۔سلاطین و شاہزادگان مغلیہ آپ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔شاہزادہ دارا شکوہ آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا کرتا تھا۔اس نے اپنی کتاب "سفینۃ الاولیاء" میں آپ کی کرامتوں کا ذکر کیا ہے۔جب سلطان شہاب الدین شاہجہاں آپ سے ملنے آیا تو آپ چھپ گئے اور بادشاہ سے ملاقات نہیں کی۔افسوس ایسی ملک گیر شخصیت سے خود حضرت خواجہ بہاری کے ہم وطن اہل بہار ناواقف رہے۔اور بہار میں لکھی جانے

والی تاریخ اور تذکرے آپ کے ذکر سے خالی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کتاب میں آپ کی تاریخ پیدائش، پورا نام اور اجداد کا ذکر نہیں ملتا۔ کوشش کے باوجود راقم الحروف کو آپ کی اولاد اور ورثاء کی تفصیل بھی کہیں سے حاصل نہ ہوسکی۔ مولوی رحمان علی نے اپنی کتاب ''تذکرہ علمائے ہند'' میں اور ''گلزار صوفیاء'' کے مولف جناب عالم فقری نے لکھا ہے کہ آپ نے ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء میں وصال فرمایا۔ اور اپنے پیر حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ کے غربی جانب آسودۂ خاک ہیں۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ آپ کا مزار اقدس ایک چبوترے پر ایک گنبد کے اندر تھا۔ پورا مزار سنگ سرخ اور قیمتی پتھروں سے مزین تھا۔ سکھوں نے اپنے دور حکومت میں ان قیمتی پتھروں کو اتار لیا۔

پا	گیا	عشق	مجازی	سے	حقیقت	کو	سعید
للہ	الحمد	کہ	کامل	نہ	ہوا	تھا	سو ہوا

علامہ محمد سعید حسرت

حضرت سید تاج محمود حقانی چشتیؒ

حضرت سید تاج محمود حقانی چشتیؒ حضرت سید شاہ عبد اللہ چشتی بھکریؒ کے پوتے اور حضرت سید شاہ قطب الدین مودود چشتیؒ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے دادا حضرت عبد اللہ چشتی اور پردادا حضرت سید اسد اللہ چشتی گنج نشینؒ بھکر سندھ سے صوبہ بہار تشریف لائے اور ضلع گیا کے موضع زرہٹ شیخ پورہ میں اقامت گزین ہوئے۔ حضرت سید تاج محمود حقانی چشتی مغل بادشاہ شاہجہاں کے ہمعصر تھے۔ بادشاہ نے آپ کے نام مدد معاش کے سلئے بذریعہ فرمان شاہی جاگیر بھی عطا کی۔ آپ اپنے جد امجد حضرت سید شاہ عبد اللہ چشتی مودودی فریدی نظامی قدس سرہ کی قائم کردہ خانقاہ واقع شیخپورہ نزد موضع زرہٹ ضلع گیا کے سجادہ نشین تھے۔ آپ کو بیعت خلافت خاندانی سلسلہ میں اپنے والد خواجہ سید شاہ قطب الدین چشتی ثانی سے تھی۔ آپ اپنے وقت کے صاحب علم وکشف وکرامت بزرگ تھے۔ آپ نے کئی حج پاپیادہ کئے۔ آپ کا عرس ہر سال ۱۴ جمادی الآخر کو ہوتا ہے۔

خواجگان چشت، اہل بہشت پانچ ہیں۔ جو سلسلہ چشتیہ کے سرخیل ہیں۔ اول حضرت خواجہ ابو اسحاق چشتی، دوم حضرت خواجہ ابو احمد چشتی، سوم حضرت خواجہ ابو محمد چشتی، چہارم حضرت خواجہ ناصر الدین چشتی اور پنجم حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیھم۔ یہی پانچویں بزرگ حضرت خواجہ سید شاہ تاج محمود حقانی چشتی قدس سرہ کے جد اعلیٰ ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے۔

سید تاج محمود حقانی بن سید قطب الدین ثانی بن سید عبد اللہ چشتی بھکری بن سید اسد اللہ گنج نشین بن سید برہان الدین بن سید عبد الرحمان بن خواجہ سید محمد جان بن خواجہ سید محمد سمعان بن خواجہ سید منصور بن خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی بن سید یوسف بن سید سمعان بن سید ابراہیم بن سید حسین بن سید عبد اللہ بن سید حسن اصغر بن امام محمد تقی بن امام محمد تقی بن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین شہید بن حضرت بی بی فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ۔

راقم سید قیام الدین نظامی فردوسی کے ساتھی اور محسن محترم سید مظفر حسین اکبر مرحوم جو میرے ساتھ حبیب بینک میں ملازم تھے اور جن کی ذاتی کوشش سے میں بینک میں ملازم ہوا، حضرت خواجہ سید تاج محمود حقانی چشتی قدس سرہ کی اولاد سے ہیں۔ جس زمانہ میں میں اپنی کتاب "شرفیؒ کی نگری۔ حصہ اول" کو ترتیب دے رہا تھا، مظفر بھائی مرحوم میرے پاس تشریف لائے اور بڑے دکھ کے ساتھ کہنے لگے: "قیام صاحب! میرا نسب نامہ قلمی مشرقی پاکستان کے ہنگامہ میں ضائع ہوگیا۔ اب میں کیا کروں؟" میرے استفسار پر انہوں نے اپنی یادداشت سے اپنے خاندان کے چار، پانچ پشتوں تک کے نام بتائے۔ اپنے آبائی وطن شیخ پور زرہٹ ضلع گیا میں مدفون جد اعلیٰ حضرت عبد اللہ مودود چشتی بھکری رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی بتایا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مجھے موصوف کا گم شدہ نسب نامہ حضرت سید شاہ عطا حسین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کنز الانساب"

سے حاصل ہوا جس کو نقل کر کے میں نے ان کے حوالہ کیا۔ مرحوم کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ وہ اپنی زندگی میں اکثر میری اس کاوش کا ذکر لوگوں سے کیا کرتے تھے۔

محترم سید مظفر حسین اکبر مرحوم سابق وائس پریسیڈنٹ، حبیب بینک کا تعلق ظاہر ہے صوبہ بہار سے تھا۔ بہار سے پاکستان کے مشرقی حصہ کے شہر ڈھاکہ کو ہجرت کیا۔ اپنے کنبہ کی شیرازہ بندی کے بعد انہیں کچھ اطمینان ہوا تھا کہ دوسری ہجرت کر کے مغربی پاکستان کے شہر کراچی آنا پڑا۔ اور زندگی کے آخری ایام میں نئے سرے سے زندگی شروع کرنی پڑی۔ بہاریوں کو پہلی ہجرت ہندوؤں کے ظلم و ستم سے کرنی پڑی۔ دوسری ہجرت اس لئے کیا کہ خود ہمارے بنگالی مسلمان بھائی اپنے حقوق کے حصول کے لئے ہمارے خون سے اپنا دین و ایمان برباد کر رہے تھے۔ اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے کیا سچ کہا تھا۔

ترجمہ حدیث نبوی ﷺ: ”مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے بلکہ غم اس بات کا ہے کہیں ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگو۔“

اللہ کے آخری نبی رحمت اللعالمین اور اپنی امت کا غم کھانے والے رسول ﷺ کو اگر اس بات کا ڈر تھا کہ اس کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے گی تو اس سے کئی گنا اس بات کا غم اپنے سینے میں رکھتا تھا کہ یہ امت آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے گی۔ لیکن افسوس آج کے عالم، مذہبی رہنما اور اسلامی تحاریک کا مرکز بس ایک ہے ”شرک و بدعت“۔ ہر داعی، ہر مبلغ اور ہر تحریک لاٹھی لے کر شرک و بدعت کے خاتمہ کے پیچھے پڑا ہے۔ انہیں کون بتائے کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کر دیتا ہے تو کیا قاتل مسلمان باقی رہتا ہے؟ تو پھر غیر مسلموں میں خدا کی وحدانیت کا پرچار اور ایک خدا کی معبودیت کی تبلیغ کس لئے۔ نماز کسے پڑھوا رہے ہو۔ داڑھی کی پیمائش کسے بتا رہے ہو۔ کتوں کی طرح روٹی کے لئے جھگڑنے والے، ایک دوسرے کے منہ سے نوالہ چھیننے والے، ایک دوسرے کی جان و مال، عزت و آبرو سے کھیلنے والے، مسجدوں اور مدرسوں میں روٹی کمانے والے، اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر چندہ مانگ کر کنال و ٹریکٹر خریدنے والے، مسجدوں اور مدرسوں میں ہتھیار بند قاتل رکھنے والے، لاٹری و انعامی اسکیم اور سود کے ذریعہ لالچ پھیلانے والے، آپریشنوں، ہڑتالوں، ورنام نہاد انصاف کے نام پر ایک دوسرے کو قتل کرنے والے اور ایک دوسرے کی عورتوں کی عزت سے کھیلنے والے مسلمان نہیں ہو سکتے۔ اس لئے پہلے ہمیں مسلمان بننا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو تیسری ہجرت جس کی ابتداء غیر محسوس طریقے پر ہو چکی ہے، کہیں ملک گیر انداز میں شروع نہ ہو جائے۔ یاد رہے کافر کی حکومت تو قائم رہ سکتی ہے۔ ظالم کی نہیں۔

حضرت سید شاہ محمود حقانی چشتی قدس سرہ جیسے انگنت اللہ کے برگزیدہ بندوں نے اور رسول خدا ﷺ کے گھرانے سے تعلق رکھنے والے افراد نے دین اسلام کے لئے تبلیغ دین محمدی کے لئے اور اشاعت شریعت مصطفوی ﷺ کے لئے جان کی قربانیاں دیں، عرب کی سرزمین جو ان کا وطن تھا چھوڑ دیا۔ غریب الوطنی کے باوجود دین اسلام کی وہ خدمت کی اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں وہ انمٹ کارنامے انجام دیئے جو تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ خلفائے بنو امیہ اور خلفائے بنو عباس نے ان برگزیدہ ہستیوں کو بدنام کرنے اور انہیں صفحہ ہستی

سے مٹانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔لیکن آج وہ خود کس مقام پر ہیں اور تاریخ انہیں کس نام سے پکارتی ہے سب کو معلوم ہے۔آل رسول مقبول ﷺ، مبلغین اسلام، صوفیوں اور مشائخ سے زمانہ جتنی بھی مخالفت کر لے ان کا نام تا قیامت زندہ رہے گا۔ان کے ناموں کا اعلان خود اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں پر کیا ہے۔

شہر آرہ ضلع شاہ آباد (بھوجپور) کا صدر مقام ہے۔جو صوبہ بہار میں واقع ہے۔اس شہر میں بڑے بڑے اہل علم اور مشہور زمانہ افراد مقیم رہے۔مثلاً حضرت شیخ انور علی یاس آرویؒ صدر امین شہر آرہ، جناب صفیر بلگرامی، مولانا محمد ابراہیم آروی، مولانا عبد الوہاب آروی اور شہاب الدین رحمت اللہ بازایٹ لاء وغیرہ۔اسی شہر آرہ میں جناب خواجہ سید فخر الدین حسین سخن دہلوی مقیم تھے۔آپ کا خاندان دہلی اور لکھنؤ میں آباد تھا۔آپ چودہ سال کی عمر میں اپنے پھوپھا سید محمد ابراہیم آروی بن مرزا محمد صدیق کے پاس آرہ چلے آئے آپ نے انگریزی تعلیم آرہ میں حاصل کی اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔آپ کی شادی دختر سید محمد ابراہیم آروی کی صاحبزادی سے ہوئی۔خواجہ سید فخر الدین حسین سخن آروی دہلوی اپنے وقت کے کہنہ مشق شاعر تھے۔آپ کے حالات اور کارناموں پر ایک تذکرہ محمد سمیع الحق صاحب صدر شعبہ اردو رانچی کالج نے لکھا ہے جو شائع ہو چکا ہے۔آپ کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی سے ملتا ہے جو اس طرح ہے:

خواجہ سید فخر الدین حسین سخن بن خواجہ سید جلال الدین حسین بن خواجہ سید نظام الدین احمد فقیر بن سید خواجہ ابراہیم بن سید خواجہ غیاث الدین بن سید خواجہ محمد شریف بن خواجہ سید ابراہیم کبہاری بن سید خواجہ صالح بن سید خواجہ سلطان محمد بن خواجہ سید احمد بن خواجہ سید اقریں بن خواجہ سید یحییٰ بن سید خواجہ قطب الدین بن خواجہ سید رکن الدین بن خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی۔

کوئی	برچھی	اٹھاتا	ہے	کوئی	تیغ	آزماتا	ہے
ستم	اغیار	کے	ہیں	مبتلائے	یار	پر	کیا کیا

علامہ محمد سعید حسرت

نقشہ اولاد حضرت خواجہ تاج محمود حقانی

نقشہ اولاد سید اکبر حسین بن سید محمد مہدی
سید ظہور حسین
سید ظہیر حسین
سید فضیلت حسین
سید موسیٰ حسین
مسماۃ احمیرن
سید اصغر حسین
مسماۃ صغریٰ
سید قسیم الدین
سید محمد عظیم الدین
ابتر
محل
جانی
لاولد
لاولد
سید حسن امام
مسماۃ منی
مسماۃ نھی
قریشہ خاتون
بدرالنساء
زاہدہ خاتون
شہربانو
سید ولی احمد
سید وحید احمد
نوری خاتون
تسلیمہ خاتون
سید خیرات احمد (فوت شد)
وسیم الدین
وقار احمد
طیبہ
رضوانہ
ریحانہ
رابعہ
عتیق الرحمان
اقبال احمد
فرح ناز
عفت آرا
شفق آرا
منعم آرا
محمد خارث
سید مظفر حسین اکبر
سید ذاکر حسین اکبر
سید انوار حسین اکبر
حسن بانڈی
حبیبہ خاتون
قمرالنساء
لاولد
لاولد
زوجہ سید محمد شفیع
جاوید
اقبال
اعجاز
کفایل
ارمان
شاہینہ
شمیمہ
اطہر حسین اکبر
پروین
یاسمین
گلشن
روشن
اسد حسین اکبر
اصغر حسین اکبر
صالحہ
انسر حسین اکبر
شبانہ
عصمت آرا
حشمت آرا
رفعت آرا
نصرت آرا
شگفتہ
دیبا
ڈاکٹر مظفر حسین
ایران
قیصر حسین
راشدہ خاتون
نفیسہ خاتون
اظفر حسین
معصومہ خاتون
مہ جبین
امان مظفر
شمع افروز
ڈاکٹر شاداب مظفر

حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاکباز قدس سرہ

حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاک قدس سرہ سلسلہ قادریہ، فردوسیہ اور ابوالعلائیہ کے بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ آپ کو بیعت وخلافت حضرت میر سید خلیل الدین قطبی قادری البہاریؒ سے تھی۔ آپ نے اپنے پیر کی صحبت میں دس سال بسر کئے اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے۔ برادر محترم جناب سید شاہ شمیم منعمی صاحب ماہنامہ "رفاقت" بابت اپریل ۱۹۸۸ء میں تحریر فرماتے ہیں: "حضرت مخدوم نے ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد گھر سے باہر قدم نکالا۔ اور اپنے زمانے کی مشہور ومعروف خانقاہ باڑھ پہنچے۔ حضرت مخدوم کے باضابطہ تعلیم کا سلسلہ حضرت دیوان سید ابوسعید محمد جعفر قادری بنود پوریؒ کی خانقاہ واقع باڑھ میں قائم ہوا۔ جہاں حضرت مخدوم نے علوم شریعت میں سند فراغت حاصل فرمائی اور اسی خانقاہ میں حضرت دیوان جعفرؒ کے صاحبزادے(۱) حضرت دیوان سید خلیل الدین قادریؒ کی صحبت میں تزکیہ قلب اور سلوک کی منزلیں طے فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت دیوان خلیل کے دست حق پرست پر سلسلہ قادریہ شہابیہ قطبیہ جعفریہ میں بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت پہنا۔ حضرت دیوان خلیل کو اپنے والد اور انہیں اپنے والد ودیگر شیوخ سے مختلف سلاسل طریقت مستند واسطوں سے پہنچے تھے۔ اور سوائے سلسلہ نقشبندیہ کے تمام سلاسل طریقت کی اجازت دیوان خلیل قادری کو تھی۔ حضرت مخدوم کو دیوان خلیل نے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرمائی اور مخدوم کی محنت، لگن اور شوق کو سراہتے ہوئے دارالسلطنت دہلی جانے کا اشارہ فرمایا۔"

حضرت میر سید خلیل الدین (میر سید خلیل اللہ) حضرت مخدوم سید فضل اللہ گوسائیںؒ کی اولاد سے تھے اور حضرت میر سید تقی الدین (میر سید محمد تقی درویش بیرپا) کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہ نے مزید علوم ظاہری کی تکمیل دہلی میں کی اور وہیں تقریباً پچاس سال تک درس وتدریس اور رشد وہدایت خلق میں مشغول رہے۔ سلسلہ ابوالعلائیہ میں آپ نے حضرت شاہ فرہاد ابوالعلائی اور حضرت شاہ اسداللہ ابوالعلائی قدس سرہما سے فیوض وبرکات حاصل کئے۔

برادرم شمیم منعمی حضرت کے سلسلہ ابوالعلائیہ سے وابستگی کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ان تمام درجات کمال کے مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود مخدوم نے کبھی بھی حصول علم وفیض میں شرم وعار محسوس نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت شاہ محمد فرہاد ابوالعلائی کا شہرہ سنا تو ۱۱۲۴ھ کے قریب کمال اعتقاد اور انتہائی عاجزی کے ساتھ لباس مبتدی میں حاضر خدمت ہوئے۔ تو بڑے متاثر ہوئے جس کی سب سے بڑی وجہ سلسلہ نقشبندیہ ابوالعلائیہ تھی۔ اس سلسلہ کے انوکھے سوز وگداز نے مخدوم کو اپنا گرویدہ کرلیا۔ تقریباً گیارہ سالوں کا عرصہ مخدوم کا صرف اور صرف حضرت شاہ فرہاد کی خدمت میں گذرا۔ یہاں تک کہ وقت وصال حضرت شاہ فرہاد آپہنچا۔ حضرت شاہ فرہادؒ نے اپنے خلیفہ اعظم حضرت میر سید اسداللہ کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کیا اور مخدوم کو ان کے سپرد فرمایا...... میر سید اسداللہؒ بہت مختصر عرصہ حیات رہے اور پھر اپنے سامان فخر حضرت مخدوم کو جانشینی حوالہ فرما کر اس جہان فانی سے کوچ کر گئے..... حضرت مخدوم تقریباً پچیس سال حضرت شاہ محمد فرہادؒ کے سجادہ پر رونق افروز رہے۔ اور

(۱) تذکرۃ الابرار میں حضرت سید خلیل الدین قادریؒ کو حضرت دیوان جعفر کا نواسہ لکھا ہے۔

حضرت شاہ نور الحق محدث دہلویؒ، حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ، حضرت شیخ محمدیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی محفل میں شمع محفل فقر کی حیثیت سے سرگرم رشد و ہدایت رہے۔"

باطنی طور پر آپ کو پیران پیر حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ اور مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری فردوسیؒ کی عنایت خاص حاصل تھی۔ آپ ہر سال شعبان کے مہینہ میں بہار شریف تشریف لے جاتے اور شوال کے مہینہ میں مخدوم جہاں کے عرس تک مزار اقدس پر چلہ کش رہتے۔ آپ کی زندگی کے معمولات کا مطالعہ کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مخدوم جہاں اور تعلیمات سلسلہ فردوسیہ سے ایک خاص لگاؤ رہا۔ آپ پر فقر و فاقہ کا غلبہ رہا۔ ساری عمر مجرد رہے۔ لوگوں سے بہت کم ملتے۔ ساری زندگی کوئی مکان نہیں بنایا۔ نہ کسی سے نذر قبول کرتے اور نہ ہی امراء سے میل جول پسند فرماتے۔ ہر لحظہ مراقب رہتے۔ یہاں تک کہ آنکھ کھولنا بھی پسند نہ کرتے۔ اکثر فاقے سے گذارتے۔ تین تین چار چار روزوں بعد افطار فرماتے۔ آپ کے مریدان اور یاران کاملین بھی آپ کے ساتھ فاقہ کرتے۔ اگر کوئی مرید فاقہ سے بیتاب ہوجاتا اور اس کی ہمت جواب دینے لگتی تو حضرت مخدوم فرماتے۔ ع۔ "جوع مرخاصاں حق برا آمدہ۔" اس طرح مریدوں کی تشفی ہوجاتی۔ اور روحانی طاقت غیب سے حاصل ہوجاتی۔ آپ کو کشف و کرامات سے ہمیشہ اعتراض رہا۔ آپ جب دہلی سے عظیم آباد پٹنہ واپس تشریف لائے تو حضرت شاہ محمد فاضل مجددیؒ جن کو کشف حال میں بڑا ملکہ حاصل تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مخدوم منعم پاکؒ کے مکمل حالات لکھ کر ساتھ لائے اور کہا کہ باوجود اس تحریر کے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ آپ کے مراتب و مدارج کہاں سے کہاں تک ہیں۔ حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہ نے فرمایا: "بابا! میں آلودہ دامن ہوں مجھے اپنے پائجامے کی خبر نہیں۔ آپ کی باتیں فقر و درویشی کے بالکل خلاف ہیں۔ جو شخص عاشق اللہ ہوتا ہے وہ کشف و کرامات کا خواہشمند نہیں ہوتا۔" حضرت مخدوم نے شاہ فاضل کی کشفی قوت کو سلب کرلیا۔ بعد میں یہی حضرت شاہ محمد فاضل مجددیؒ آپ کی صحبت میں داخل ہوئے، درجہ کمال کو پہنچے اور ولی کامل ہوئے۔

حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاک قدس سرہ بن شاہ امان بن شاہ عبد الکریم، حضرت شمس الدین حقانیؒ جن کا سلسلہ نسب حضرت سید سلطان ابراہیم ادھم بلخی سے ملتا ہے، کی اولاد سے تھے۔ وطن موضع بلوری بہار ہے۔ آپ ۱۰۸۲ھ مطابق ۱۶۷۱ء کو موضع بچہ ضلع مونگیر صوبہ بہار میں پیدا ہوئے تقریباً پچاس سال دہلی میں رہے اسی دوران کچھ دنوں حضرت شاہ فرہادؒ کی خانقاہ کے سجادہ رہے۔ عظیم آباد پٹنہ میں آپ کی مستقل رہائش محلہ میتن گھاٹ میں تھی سو سال سے زیادہ عمر میں ۱۱ رجب ۱۱۸۵ھ کو بوقت عشاء آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار اقدس محلہ میتن گھاٹ کی مسجد میر بدیع الدین عالمگیری میں مرجع خلائق ہے۔

مشہور و معروف سلسلہ منعمیہ ابو العلائیہ، حضرت منعم پاک قدس سرہ سے ہی جاری ہوا۔ اس سلسلہ کو بہار کی سرزمین پر آپ اور آپ کے خلفاء کے ذریعہ بڑا عروج حاصل ہوا۔ آپ کے مریدوں اور خلفاء کی تعداد کافی تھی۔ مشہور خلفاء میں حضرت مخدوم شاہ حسن علی قدس سرہ، حضرت خواجہ رکن الدین عشقؒ، حضرت مولانا حسن رضا رائے پوریؒ، حضرت صوفی شاہ دائم علی ڈھاکوی بنگالیؒ، حضرت شاہ غلام علی الوریؒ اور حضرت شاہ غلام حسین داناپوریؒ جیسے جید بزرگان دین تھے۔ بہار میں سلسلہ منعمیہ ابو العلائیہ کی جو خانقاہیں ہیں ان میں حضرت مخدوم شاہ حسن علی قدس سرہ کی خانقاہ محلہ خواجہ کلاں گھاٹ پٹنہ میں ہے، حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ صفی پور (نوآبادہ) میں، حضرت سید شاہ ولایت علیؒ کی خانقاہ اسلام پور میں اور بارگاہ عشقؒ تکیہ میتن گھاٹ میں مشہور و معروف ہے۔

حضرت مخدوم شاہ منعم پاکؒ کی مشہور تصانیف "مکاشفات منعمی"، "الہامات منعمی" اور "مشاہدات منعمی" ہیں۔ "الہامات منعمیہ" آپ کے دست خاص کی لکھی ہوئی خدا بخش اورئینٹل لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ میں قبل لکھ چکا ہوں کہ آپ کشف و کرامات کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لیکن مریدوں کی اصلاح اور تربیت کے خیال سے کچھ کرامات آپ سے ظاہر ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ محمد کبیر ابوالعلائی داناپوریؒ نے اپنی کتاب "تذکرۃ الکرام" میں آپ کے کرامات کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہٗ دہلی میں مقیم تھے۔ آپ کے ایک مرید نے عرض کیا: "یا حضرت! یہ بات مشہور ہے کہ اہل کمال اپنی صورت عنصری کو بدلتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ ہمارے سمجھ میں تو غلط معلوم ہوتا ہے۔" آپ نے جواب دیا کہ "جب اہل ولی کا جسم ریاضت سے لطیف ہو جاتا ہے تو کچھ شک نہیں کہ یہ درست ہو۔" کچھ دنوں بعد آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار اقدس پر تشریف لے گئے۔ مریدان بھی ہمراہ تھے۔ آپ مزار اقدس میں داخل ہوئے۔ مرید موصوف جنہوں نے سوال کیا تھا جب مزار شریف میں داخل ہونے لگے تو وہاں ان کو شیر نظر آیا وہ ڈر گئے اور الٹے پاؤں واپس ہونا چاہا لیکن اچانک شیر کی جگہ پر آپ کھڑے نظر آئے۔ اس طرح کہ مرید موصوف کو اشارے سے بلا رہے ہیں۔ مرید موصوف کو تب یہ بات سمجھ میں آئی کہ بصورت شیر آپ ہی تھے۔ اور اس طرح صورت عنصری کے بدلنے کی حقیقت آشکار ہوئی۔

ایک مرید نے حضرت مخدوم منعم پاکؒ سے سوال کیا کہ حضرت سنتے ہیں کہ غوث کے ہاتھ پاؤں جدا ہو جاتے ہیں اور پھر مل جاتے ہیں۔ آپ کے بزرگوں میں شاید یہ خصوصیت ہو۔ لیکن فی زمانہ محال معلوم ہوتا ہے۔ اسی روز رات کے وقت جب وہ مرید تہجد کے لئے اٹھے تو آپ کے ہاتھ پاؤں جدا دیکھے اور یہ گمان کرتے ہوئے کہ کسی نے آپ کو شہید کر دیا ہے شور مچانا چاہا۔ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا صرف تمہارے مشاہدے کے لئے تھا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

آپ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ جب مولانا فخر الدین چشتی اورنگ آباد سے دہلی آئیں گے تو میں پورب کو جاؤں گا۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد جب حضرت مولانا دہلی تشریف لائے تو حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہٗ عظیم آباد (پٹنہ) تشریف لائے۔

ایک بار ایک نانک شاہی جوگی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کشن جی کی زیارت کا آرزومند ہوا۔ آپ مسکرائے اور اس کی طرف متوجہ ہو کر مراقب ہوئے۔ وہ جوگی بھی آنکھ بند کر کے گیان میں گیا اور تھوڑی دیر کے بعد وجد کرنے لگا۔ جب اس کو ہوش آیا تو بیان کیا کہ میں نے ابھی ابھی بندرابن میں کشن جی مہاراج کو مع اپنے گوپیوں کے بانسری بجاتے دیکھا اور بانسری سے کلمہ طیب **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کی آواز سنی ہے۔ وہ جوگی مسلمان ہوا اور درجہ ولایت پر فائز ہوا۔

حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاکباز قدس سرہ العزیز تمام عمر مجرد رہے۔ آپ کے قریبی رشتے کے نواسے حضرت مخدوم شاہ حسن علی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین ہوئے۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ خانقاہ منعمیہ متین گھاٹ کے موجودہ سجادہ برادر محترم سید شاہ شمیم منعمی مدظلہ ہیں۔

حضرت مخدوم شاہ حسن علیؒ:

حضرت مخدوم شاہ حسن علی قدس سرہ العزیز حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی شیخپوروی ثم شیرگھاٹیؒ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب صاحب "تذکرۃ الصالحین" نے اس طرح تحریر کیا ہے:

مخدوم شاہ حسن علی بن شاہ اکرم بن شاہ ابوالفتح بن شاہ عبدالرزاق بن شاہ محمد جمال بن شاہ محمد فیروز الدین بن شاہ محمد نظام الدین بن شاہ مظفر بن مخدوم شاہ شعیب تا حضرت امام محمد تاج فقیہ زبیری الہاشمی (فاتح بہار) تا حضرت زبیر عم رسول اللہ ﷺ۔

حضرت مخدوم شاہ حسن علی قدس سرہٗ ۱۱۴۳ھ کو قصبہ شیخ پورہ، ضلع مونگیر، صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ بچپن ہی سے زہد و پرہیزگاری کی طرف مائل تھے۔ اکثر اپنے جد بزرگوار حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی قدس سرہٗ کے مزار اقدس پر تشریف لے جاتے۔ غلاف کے اندر ہاتھ ڈالتے اور کچھ رقم پاتے جس کو اپنے ہم عمر لڑکوں میں تقسیم کر دیتے۔ "تذکرۃ الکرام" میں لکھا ہے کہ کمسنی کے زمانہ میں آپ کو بعالم خواب اکثر ایک بزرگ کی زیارت ہوتی۔ بزرگ موصوف نے ایک مرتبہ خواب میں پابندی نماز کی تاکید فرماتے ہوئے درود شریف کا ورد بتایا۔ جس سے آپ کو بہت فیض حاصل ہوا۔ خواب میں جنت کی سیر نصیب ہوئی۔ جنت کی سیر کے دوران ایک جنتی نے بتایا کہ تجھ کو یہ خوش نصیبی حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے بتائے ہوئے درود شریف کے ورد سے حاصل ہوئی ہے۔ آپ کی تعلیم ظاہری و باطنی دونوں حضرت مخدوم شاہ منعم پاکباز علیہ الرحمۃ سے ہوئی۔ آپ اکیس سال کی عمر میں حضرت منعم پاک قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر سلسلہ فردوسیہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت منعم پاک کو چونکہ کوئی اولاد نہ تھی اس لئے حضرت مخدوم حسن علی رحمۃ اللہ علیہ کو اولاد کی جگہ تصور کرتے اور نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آتے۔ حضرت سید شاہ محمد واجد زیدی قادری منعمی خسرو پوری نے "تذکرۃ الابرار" میں آپ کو حضرت منعم پاکبازؒ کا (رشتے میں۔ قیام۔) نواسہ، خلیفہ اور سجادہ نشیں لکھا ہے۔ آپ بارہ سال کی عمر سے مسلسل ۲۳ سال تک حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہٗ کی صحبت میں رہے۔ علم ظاہری کی تکمیل کی اور سخت ریاضت و مجاہدہ کیا۔ حضرت منعم پاکؒ کی وصال کے وقت آپ کی عمر ۳۴ سال تھی۔

حضرت مخدوم شاہ حسن علی قدس سرہ کے مریدوں اور خلفاء کی کثیر تعداد بتائی جاتی ہے۔ آپ کے مشہور خلفاء میں حکیم شاہ فرحت اللہ فاروقی عرف حسن دوست کریم چکی، مخدوم سید شاہ یحییٰ علی خسرو پوری (نوآبادی)، شاہ جلال الدین، مولانا عبدالغنی پھلواروی، شاہ حیات اللہ، شاہ عماد الدین، سید شاہ سلطان احمد داناپوری، شاہ وارث علی اور شاہ فہیم اللہ قدس اسرارہم تھے۔ آپ نے شادی نہیں کی تھی۔ آپ نے ۲۸ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو اس جہان آب و گل سے پردہ فرمایا۔ آپ کے بعد آپ کے بھتیجے حضرت شاہ جلال الدینؒ ابن حضرت شاہ عالم علیؒ آپ کی سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔

حضرت مخدوم شاہ حسن علی قدس سرہ کی آخری آرامگاہ محلہ خواجہ کلاں گھاٹ پٹنہ میں مرجع خلائق ہے۔ جہاں معتقدین اور ارادتمندوں کا ہجوم ہر وقت موجود ہوتا ہے اور فیض و برکت کا دریا بہتا ہے۔ محلہ خواجکلاں گھاٹ میں آپ کی خانقاہ میں سجادہ نشینی کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کے بھتیجے حضرت شاہ جلال الدینؒ کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ سجادگی پر رونق افروز ہے۔

حضرت شاہ فرحت اللہ حسن دوستؒ:

حضرت حکیم شاہ فرحت اللہ عرف حسن دوست قدس سرہٗ ابن حکیم شاہ عزت اللہ قادری فاروقی کریم چکی، خلیفہ خاص حضرت مخدوم حسن علی تھے۔ آبائی سلسلہ آپ کا قادریہ چشتیہ تھا۔ خلافت آپ کو سلسلہ قادریہ، ابوالعلائیہ منعمیہ میں مخدوم شاہ حسن علی عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ [illegible]، مولد اور مرقد محلہ کریم چک پھیرہ ہے۔ شجرۂ نسب حضرت مخدوم شاہ حسام الدین مانکپوری (الہ آباد) سے ہوتا ہوا خلیفہ راشد حضرت عمر

ہو گئے تھے۔ان کی تعلیم و تربیت کے علاوہ روحانی طور پر بھی انہیں پاستوار کر ان کے خاندانی سجادہ پر متمکن فرمادیا۔"

نسب نامہ کوئی ضلع نوادہ (خاندان فاروقی)

☆ تفصیل کے لئے دیکھئے ... ص ...

حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ

امام العاشقین رکن عالم حضرت شاہ رکن الدین عشق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ سال پیدائش میں اختلاف ہے۔ کثیر روایت کی رو سے سن پیدائش ۱۱۲۷ھ ہے۔ حضرت خواجہ سید شاہ ابو الحسنات مدظلہ العالی اپنے خاندانی روایت سے سن پیدائش ۱۰۵۹ھ بیان کرتے ہیں۔ آپ کا تخلص شاعری میں عشق تھا۔ شاہ گھسیٹا کے نام سے مشہور تھے۔ آپ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ کسی تذکرہ نگار نے آپ کا مکمل نسب نامہ تحریر نہیں کیا ہے۔ آپ کے والد شیخ محمد کریم شاہ، طفیل علی بخاری کے صاحبزادے تھے جو بخارا سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ کی والدہ بی بی عصمت النساء عرف بوبو صاحبہ حضرت شاہ محمد فرہاد دہلوی ابو العلائی قدس سرہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ اپنی ننہیال حضرت شاہ محمد فرہاد دہلوی کے گھر پیدا ہوئے۔

حضرت شاہ رکن الدین عشق کی پرورش اور تعلیم و تربیت ننہیال ہی میں ہوئی۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ فن سپہ گری کی طرف متوجہ ہوئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں نواب خواجہ محمدی خان غازی رسالدار مرشد آبادی کی ملازمت کر لی۔ مرشد آباد میں آپ رسالہ میں بڑے عہدے پر فائز تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دادیہال اور ننہیال دونوں صوفیوں کا تھا۔ اس لئے آپ کی طبیعت بچپن سے درویشی کی طرف مائل تھی اور آپ نے کسی بزرگ سے زاہدیہ مجددیہ طریقہ کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ مرشد آباد کے دوران قیام آپ کے باطنی کمالات و صفات کے دو واقعات رونما ہوئے، جس نے آپ کی زندگی میں انقلاب پیدا کیا۔ زمانہ ملازمت میں آپ جب کبھی خواجہ محمدی خان کی محفل رنگ و سرود میں پہنچتے تو محفل کی رونق اڑ جاتی، سناٹا چھا جاتا، باجوں کا جوں اور گویوں کی آواز غائب ہو جاتی۔ ہر شخص گھبرا اٹھتا۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو خواجہ صاحب کو فکر ہوئی۔ انہوں نے اپنے داماد خواجہ محمد وجیہ اللہ خان سے اپنی فکر کا اظہار کیا۔ خواجہ محمد وجیہ اللہ خان حضرت شاہ صاحب کے نانا شاہ محمد فرہاد دہلوی قدس سرہ کے مرید اور کامل بزرگ تھے۔ انہوں نے حضرت شاہ صاحب کے حال اور راز سے آگاہ کر دیا۔ اس دن سے خواجہ محمدی خان آپ سے بے حد احترام اور ادب سے پیش آنے لگے۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ ایک انگریز تاجر کے منشی نے آپ کے باطنی کمالات سے متاثر ہو کر آپ کی ہم نشینی اختیار کر لی۔ آپ کی صحبت سے اس نے بہت کچھ فیض بھی حاصل کیا۔ آخر اس نے ایک دن آپ سے بیعت ہونے کی استدعا کی۔ آپ نے جواب دیا کہ میں خود ہی بیعت سے مشرف نہیں ہوں اور نہ اپنے پاس کچھ ہے کہ تمہاری تربیت کروں۔ ان دونوں واقعات نے آپ کے اندر چھپے ہوئے جذبہ درویشی اور فقیری کی چنگاری کو بھڑکا دیا۔ آپ نے چھ سالہ ملازمت کو خیرباد کہا اور دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔

دوران سفر جب آپ عظیم آباد پہنچے تو خواجہ محمدی خان کے صاحبزادگان خواجہ عاصم خان، خواجہ علی اعظم خان، خواجہ محترم خان اور خواجہ مکرم خان رؤسائے عظیم آباد نے استقبال کیا اور فرمائش کر کے آٹھ ماہ تک عظیم آباد میں روکے رکھا۔

حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہ اس وقت دہلی سے آ کر عظیم آباد میں قیام پذیر ہو چکے تھے۔ شاہ صاحب مخدوم منعم پاک قدس سرہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو مخدوم صاحب نے کھڑے ہو کر معانقہ فرمایا۔ آپ اکثر مخدوم منعم پاکؒ کی محفل میں تشریف لے جاتے اور

توجہ حاصل کرتے۔ اس مختصر مدت میں آپ نے مخدوم صاحب سے بہت کچھ فیوض و برکات حاصل کیے۔ (☆)

حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ آٹھ ماہ کے بعد بہ اجازت حضرت مخدوم منعم پاکباز قدس سرہ حضرت مولانا برہان الدین خدانما قدس سرہ سے بیعت ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ جب آپ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا۔ "کیا حرج تھا۔ عظیم آباد میں بھائی محمد منعم سے بیعت کر لیتے معاملہ ایک ہی تھا۔" بہر حال مولانا برہان الدین خدانما قدس سرہ نے حضرت شاہ صاحب کو اپنے روبرو بٹھا کر بیعت فرمایا پھر معانقہ کر کے ابوالعلائیہ نربادیہ کے تمام فیوض و برکات آپ کے سینے میں منتقل فرما دیے۔ چھ ماہ اپنی صحبت میں رکھ کر حقیقت و عرفان کی باریکیوں سے آگاہ فرمایا۔ پھر شاہ محمد فرہاد دہلوی کا سجادہ نشین کر کے، عظیم آباد پٹنہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اور تاکید فرمائی کہ وہاں بھائی محمد منعم موجود ہیں۔ اگر ضرورت پیش آئے تو ان سے اپنے شکوک رفع کر لینا اور رہنمائی حاصل کرنا۔ حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر سے رخصت ہو کر عظیم آباد (پٹنہ) میں اس مسجد میں پہنچے جہاں حضرت مخدوم منعم پاکباز رحمۃ اللہ علیہ مقیم تھے۔ شاہ صاحب کے ساتھ چند معتقدین، ملازمین اور قوال اور خواجہ محمد وجیہ اللہ کے دو صاحبزادے خواجہ آفتاب احمد اور خواجہ مہتاب احمد بھی تھے۔ دوسرے دن حضرت مخدوم محمد منعم پاکباز قدس سرہ نے آپ سے فرمایا: "میاں آپ اسی مسجد میں قیام کریں اور میں ملاتکین کی مسجد میں چلا جاتا ہوں۔" (☆☆)

حضرت رکن عالم شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ جس مسجد میں مقیم ہوئے تھے اس کے بالمقابل ایک نواب صاحب رہائش پذیر تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی محفل سماع سے نواب صاحب کے آرام میں خلل واقع ہوا۔ انہوں نے اپنے خادم کی معرفت پیغام بھیجا کہ شاہ صاحب یہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ نواب صاحب کی اس بے ادبی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے ہی دن ان کا مکان نیلام ہو گیا۔ اس مکان کو صوبیدار احمد علی خان نے خرید کر معہ موضع بیتا، ضلع گیا حضرت عشق کو نذر کر دیا۔ موجودہ خانقاہ اسی مقام پر واقع ہے۔ جو "تکیہ بارگاہ عشق" کے نام سے موسوم ہے۔

حضرت مخدوم محمد منعم پاک قدس سرہ کا قیام تا زندگی ملاتکین کی مسجد میں رہا۔ آپ نے کوئی خانقاہ قائم نہیں کی تھی۔ موجودہ خانقاہ منعمیہ کے بانی حضرت سید شاہ قمر الدین حسین قدس سرہ تھے۔ حضرت مخدوم عرس کے موقع پر "تکیہ بارگاہ عشق" تشریف لے جایا کرتے تھے جہاں حضرت عشق نے آپ کی نشست کے لئے ایک خاص جگہ مخصوص کر دی تھی۔ حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ مرید و خلیفہ حضرت شاہ برہان الدین خدانما قدس سرہ کے سلسلہ ابوالعلائیہ فرہادیہ میں تھے۔ آپ نے حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہ سے بھی کامل تیس سال استفادہ اور سلوک کے منازل طے کیے۔ سلسلہ فردوسیہ کی اجازت و خلافت آپ کو حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہ ہی سے تھی۔ تاحیات مخدوم صاحب کی بحیثیت مرشد احترام و ادب کرتے رہے۔ حضرت مخدوم بھی شاہ صاحب کا بے حد احترام و اکرام فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہ نے عظیم آباد چھوڑ کر دہلی جانے کا قصد فرمایا۔ سامان سفر تیار ہوا۔ روانگی کے وقت حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ملاقات کے لئے گئے۔ حضرت عشق رحمۃ اللہ علیہ نے مخدوم صاحب کو دہلی جانے سے منع فرمایا اور اصرار کر کے عظیم آباد ہی میں قیام کرنے پر مجبور کیا۔ آخر حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہ دہلی کا ارادہ ترک کر کے تاحیات عظیم آباد میں مقیم رہے۔

(☆) جناب خواجہ شاہ ابوالحسنات صاحب مدظلہ کو اس روایت سے اختلاف ہے۔

(☆☆) جناب خواجہ شاہ ابوالحسنات صاحب مدظلہ کو اس روایت سے اختلاف ہے۔

حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی ارشاد و ہدایت خلق میں گزار دی۔ آپ کے مریدوں اور معتقدوں و متوسلین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ آپ کے مریدوں میں رؤسائے شہر اور امرائی تعداد زیادہ تھی۔ آپ نے عظیم آباد کے گرد و نواح میں بھی سلسلہ ابوالعلائیہ فرہادیہ کے طریقہ پر دین اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ اور دور دراز علاقوں کو اپنے ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے سیراب کیا۔ آپ کے مریدوں میں نواب احمد علی خاں، مرزا فدوی، خواجہ محترم علی خاں، خواجہ علی اعظم خان، نواب قاسم علی خان ناظم بنگالہ، شیخ غلام علی راسخ عظیم آبادی اور نواب سعد اللہ خاں عاشق وغیرہ کے نام بہت مشہور ہیں۔ مشہور خلفاء کے نام درج ذیل ہیں:

خواجہ شاہ ابوالبرکات، مولانا عبدالرحمان شیرگھاٹوی، پیر دانش علی، شاہ علی محمد بہاری، شاہ نصراللہ بہاری، شاہ علی احمد بہاری، شاہ محمد واصل مجذوب، پیر محمد مجذوب، میر محمد عسکری، خواجہ حیدر جان، خواجہ آفتاب احمد، خواجہ مہتاب احمد اور خواجہ محمد محسن (داماد) وغیرہ۔

حضرت رکن عالم شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی آپ نے خواجہ کاظم علی خان کی خادمہ سے کی جن سے ایک صاحبزادے سائیں جیؒ مادرزاد ولی تھے۔ کم عمری میں وصال فرمایا۔ دوسری شادی آپ کی حضرت مولانا برہان الدین خدانما قدس سرہ کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی جن کے بطن سے دو صاحبزادے شاہ محمد حسین اور شاہ علی حسین اور ایک صاحزادی زوجہ خواجہ محمد محسن تھیں۔ شاہ علی حسین نے کم سنی میں وصال فرمایا۔ خاندانی روایت اور خواجہ شاہ ابوالحسنات صاحب مدظلہ کے قول کے مطابق حضرت عشقؒ کے وصال کے بعد تکیہ بارگاہ عشق کے پہلے سجادہ حضرت علی حسین ہوئے۔ لیکن ڈیڑھ سال کے بعد تقریباً بائیس سال کی عمر میں آپ نے لاولد وصال فرمایا۔ حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے حضرت خواجہ لطف علی تھے جو خواجہ محمد محسن بن خواجہ آفتاب احمد بن خواجہ وجیہ اللہ خان کے بیٹے تھے۔ آپ اپنے ماموں شاہ علی حسینؒ کے انتقال کے بعد اپنے نانا شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کی سجادگی پر بٹھائے گئے اور آپ ہی کی اولاد میں سجادگی تکیہ بارگاہ عشق نسلاً بعد نسلٍ اب تک چلی آتی ہے۔

حضرت شاہ رکن الدین عشق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے استاد اور صاحب دیوان شاعر اور بکثرت کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کی تصانیف کے غیر مطبوعہ نسخے خانقاہ بارگاہ عشق میں موجود ہیں۔

تصوف میں : ۱۔ معارج الحبّ ۲۔ سلطان العشق ۳۔ تعلیم الخلفاء اور ۴۔ شرح مثنوی مولانا روم

تاریخ و تذکرہ میں : ۵۔ تذکرۃ الاولیاء

شاعری میں : ۶۔ دیوان (فارسی) ۷۔ دیوان خرد (ریختہ) اور ۸۔ کلیات عشق

اس کے علاوہ مکتوبات کا ایک بڑا ذخیرہ تکیہ شریف میں موجود ہے۔

امام العاشقین حضرت عشق عظیم آبادی کی زندگی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھی۔ خلوص و محبت کے پیکر تھے۔ انکساری محنت اور جفاکشی کا یہ حال تھا کہ خانقاہ کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ کام کیا۔ آپ کے مزاج میں نزاکت اور شان مرزائی کی جھلک اکثر نمایاں ہوتی تھی۔ مختصر یہ کہ آپ نے رئیسانہ شان میں درویشی اور فقیری میں بادشاہت کی۔ آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔

حضرت مولانا عبدالرحمان شیرگھاٹویؒ نے ایک بار دریافت کیا "حضرت یہ کیا چیز ہوتی ہے جو لوگوں کو وجد میں لاتی ہے۔" شاہ صاحب

نے فرمایا ''تم اس چیز کو اچھی طرح جانتے ہو۔'' یہ جملہ سنتے ہی حضرت عبدالرحمان زمین پر گر پڑے اور بے خود ہو گئے جب ہوش میں آئے تو شاہ صاحب نے پھر فرمایا ''یہ کیا تھا؟ یہ تم سے کیا چیز سرزد ہو گئی؟'' یہ جملہ سنا تو پھر وہی بے خودی طاری ہو گئی۔ دوبارہ ہوش میں آنے کے بعد آپ کے سلسلہ میں داخل ہو گئے۔

ایک دن مریدوں کو توجہ دیتے اور مراقبہ کے وقت ایک پلا حضرت عشق کی نظروں کے سامنے آ گیا۔ فوراً مست ہو کر لوٹنے لگا۔ اس دن سے مراقبہ کے وقت آکر یاران طریقت کے حلقہ میں بیٹھ جاتا تھا۔

حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہ نے اپنے مریدوں کو تاکید فرمائی تھی کہ جب میاں (یعنی حضرت عشق) دوپہر میں اپنے حجرے کے اندر ہوں تو ان سے ملنے نہ جانا۔ ایک دن میاں بساون کو یہ بات یاد نہ رہی اور وہ حجرے میں چلے گئے۔ جیسے ہی شاہ صاحب پر نظر پڑی زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ حضرت مخدوم کو خبر ملی تو ننگے پاؤں دوڑے۔ حضرت عشق سے تین بار فرمایا ''میاں میں ہوں۔ بساون کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' حضرت عشق نے جواب دیا ''جس کی آگ ہوتی ہے وہی بجھاتا ہے۔'' پھر پانی پڑھ کر دیا۔ جس کو پی کر میاں بساون ٹھیک ہوئے۔

خاندانی اور روایات کثیرہ اور حضرت خواجہ شاہ ابوالحسنات مدظلہ کے بیان کے مطابق امام العاشقین رکن عالم حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۰۳ھ کو ایک سو سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ خانقاہ تکیہ شریف محلہ متین گھاٹ، پٹنہ صوبہ بہار میں آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ ہر سال ۷ جمادی الاول کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ اس وقت تکیہ بارگاہ عشق کے موجودہ سجادہ خواجہ شاہ غلام رکن الدین عرف یحیٰی صاحب ہیں۔ جبکہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں حضرت عشق کے دعوت عشق و محبت کو حضرت خواجہ شاہ ابوالحسنات مدظلہ نے جاری رکھا ہوا ہے۔ اس وقت پاکستان میں بارگاہ عشق تکیہ شریف، پٹنہ کے سلسلہ ابوالعلائیہ فرہادیہ کے آپ واحد بزرگ ہیں جنہوں نے اس سلسلہ کو جاری رکھا ہوا ہے اور ساتھ ہی اپنے بھتیجے اور پسر معنوی خواجہ شاہ ضیاء الحسن صاحب کی تعلیم و تربیت فرما رہے ہیں۔ خواجہ شاہ ضیاء الحسن صاحب آپ کے چھوٹے بھائی خواجہ شاہ ابوظفر صاحب کے خلف رشید ہیں۔

ایک دوسرے بزرگ کراچی میں حضرت صوفی محمد شمیم احمد ظفری ابوالعلائی مدظلہ العالی کی ذات گرامی ہے۔ جنہوں نے نقشبندیہ ابوالعلائیہ عشقیہ سلسلہ کو بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ کراچی میں جاری رکھا ہوا ہے فقر و درویشی کے آپ اعلیٰ نمونہ ہیں۔ آپ کو بزرگان و مشائخ دانا پور سے ارادت، خلافت اور سجادگی حاصل ہے۔ حضرت سید شاہ ظفر سجاد قدس سرہ کے مرید خاص اور خلیفہ ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی اس ناچیز قیام الدین پر خاص توجہ و عنایت خصوصی ہے۔ اپنے چار سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمائی ہے اور ان سلسلوں کی تربیت سے سرفراز فرما رہے ہیں۔

نقشہ اولاد حضرت عشقؒ و شجرہ حضرت خواجہ لطف علیؒ
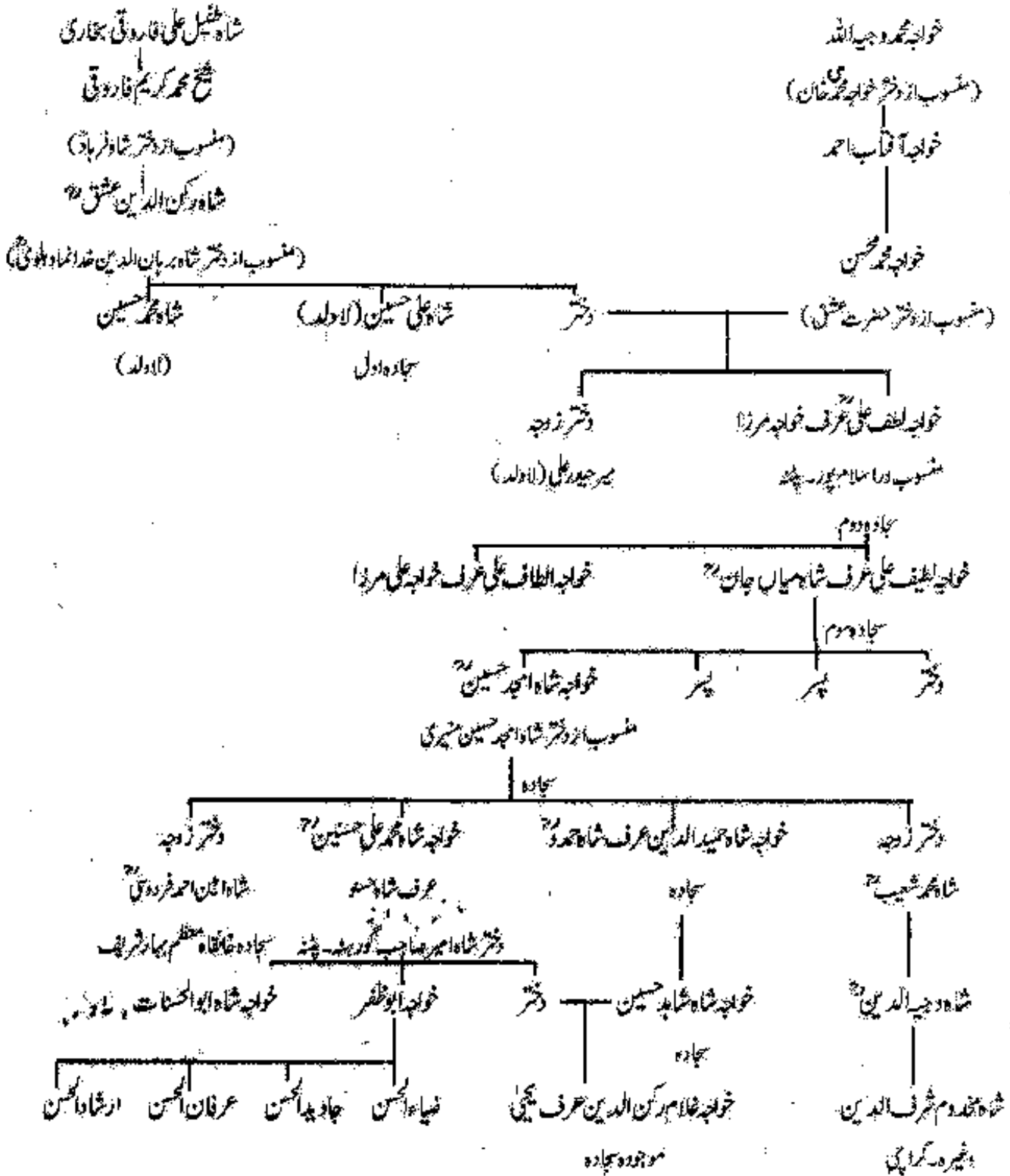
تفصیل خاندان خواجہ محمدی خان غازی

رسالہ از مرشد آباد۔ بنگال

خواجہ علی دوست
خواجہ محمدی خان غازی
منسوب از دختر خواجہ برہان الدین
نظام الملک ۔ صوبہ دار دکن
خواجہ رحمت اللہ
خواجہ نصراللہ
خواجہ امین اللہ
خواجہ محمد عرف خواجہ ذاکر
خواجہ عبداللہ
حکیم خواجہ عبیداللہ
خواجہ علی اعظم خان
خواجہ محمد عاصم خان
خواجہ محترم خان
لاولد
خواجہ مکرم خان
لاولد
دختر زوجہ
میر مولا بخش
دختر زوجہ
خواجہ محمد وجیہ اللہ خان
خواجہ محمد کاظم
دختر
خواجہ جعفر
خواجہ اکبر
خواجہ اصغر
میر الٰہی بخش
خواجہ فرزند علی خان
خواجہ حسین علی خان
خواجہ نجف علی
لاولد
خواجہ آفتاب احمد
خواجہ مہتاب احمد
خواجہ فخر اللہ
خواجہ محمد شاہ
خواجہ محمود شاہ
خواجہ عزیز جان
خواجہ نور خان
عرف خواجہ خوجم
خواجہ محمد ثانی
خواجہ اشرف علی خان
خواجہ محمد یوسف
خواجہ علی رضا
خواجہ محمد محسن
(داماد حضرت عشقؔ) زوجہ خواجہ عزیز جان
دختر
پسر
(داماد نواب عبدالغنی ڈھاکہ)
خواجہ وجیہ الدین
خواجہ علاء الدین
خواجہ خیر الدین
خواجہ شاہ لطف علی
سجادہ تکیہ شریف تکن گھاٹ
دختر
زوجہ میر حیدر علی
خواجہ عابد علی خان
عرف خواجہ جوان
لاولد
خواجہ طالب علی خان
عرف خواجہ سلطان جان
خواجہ ابوالحسن
عرف حسن جان
خواجہ محمد حسن خان
عرف خیرن جان

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد ظہور الحق قدس سرہٗ

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد ظہور الحق عمادی قدس سرہٗ خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب پٹنہ سٹی بن حضرت شاہ محمد نور الحق ابدال بن شاہ عبد الحق قلندر بن حضرت مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ العزیز ۷ محرم الحرام ۱۱۸۴ھ کو پھلواری شریف میں پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہ شاہ عماد الدین قلندر پھلواری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ عمادیہ آپ ہی سے شہر پٹنہ میں جاری ہوا اور آج تک جاری ہے۔ آپ حضرت مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ العزیز کے پرپوتے ہیں۔ جن کا سلسلۂ نسب حضرت جعفر طیار ؓ اور حضرت بی بی زینب بنت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مل جاتا ہے۔ حضرت مخدوم مجیب اللہ ؒ نے اپنی زندگی میں آپ کے والد کو تمام سلاسل کی اجازت و خلافت دے کر خانقاہ عمادیہ پھلواری شریف کی سجادگی پر متمکن فرمادیا تھا۔

مولف ”اعیان وطن“ کے مطابق علوم ظاہری کی تکمیل آپ نے ملا وحید الحق ابدال ؒ مولانا احمدیؒ اور اپنے والد حضرت شاہ محمد نور الحق ؒ سے کی۔ ملا جمال الدین ساکن ڈہری سے بھی آپ نے استفادہ کیا۔ سند حدیث حضرت مولانا شاہ محمد عبد العزیز محدث دہلویؒ سے لی۔ آپ حافظ قرآن بھی تھے۔ درس و تدریس سے خاص شغف تھا۔ اس لئے درس و تدریس کا مشغلہ ساری عمر رہا۔ آپ کے پاس طالبان علوم ظاہری و باطنی دونوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ آپ پھلواری شریف کی رہائش ترک کر کے شہر عظیم آباد، پٹنہ کے محلہ منگل تالاب میں آباد ہو گئے تھے۔ جناب محمد حبیب اللہ عظیم آبادی مرحوم نے اپنی کتاب ”تذکرۃ الصالحین“ میں لکھا ہے کہ حضرت حافظ شاہ محمد ظہور الحق قدس سرہٗ نے ابتدائی کتابوں سے لے کر متوسطات تک اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں۔ بقیہ کتابیں ملا جمال الدین ساکن ڈہری ضلع گیا مقیم عظیم آباد سے تمام کیں۔ بیعت و اجازت اور خلافت والد بزرگوار سے تھی۔ جب آپ کی عمر شریف ۴۲ سال کی ہوئی تو آپ کے والد حضرت شاہ نور الحق علیہ الرحمۃ نے اپنی زندگی میں اپنی سجادگی پر بٹھا کر خود گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔

حضرت مولانا شاہ محمد ظہور الحق قدس سرہٗ اپنی قائم کردہ خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب پٹنہ میں درس و تدریس اور رشد و ہدایت خلق کا کام بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ دور دراز تک آپ کا شہرہ ہوا۔ خلق نے آپ کے ذریعہ راہ ہدایت پائی۔ پٹنہ کے ایک ہندو رئیس راجہ جھاؤلال آپ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے۔ راجہ جھاؤلال رئیس کے نام پر پٹنہ کا ایک محلہ جھاؤ گنج ہے (اسی محلہ جھاؤ گنج میں ہنگر سیونگ کمپنی کی ایک شاخ تھی جس میں راقم سید قیام الدین کے والد بزرگوار حضرت سید نظام الدین احمد علیہ الرحمۃ ۱۹۳۹ء میں منیجر ہو کر گئے تھے)۔ ”تذکرۃ الصالحین“ میں لکھا ہے کہ ملا غلام شاہ عظیم آبادی ایک بڑے علامہ تھے جو دین اسلام سے برگشتہ اور شیعیت کی طرف مائل تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے ذریعہ ہدایت پائی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ایک سو بتائی جاتی ہیں۔ جن میں اکثر خانقاہ عمادیہ، پٹنہ میں موجود ہیں۔ حضرت مولانا حافظ شاہ محمد ظہور الحق قدس سرہٗ نے ۱۴ ذیقعدہ ۱۲۳۳ھ کو وصال فرمایا۔ آپ کا مزار اقدس پھلواری شریف میں ہے۔

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد ظہور الحق قلندر عمادی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حافظ شاہ محمد نصیر الحق ؒ خانقاہ عمادیہ

پٹنہ کے سجادہ ہوئے۔ جن کے بعد حضرت شاہ محمد امیر الحق" خانقاہ عمادیہ کی سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔ ۱۳۰۲ھ میں جب حضرت شاہ محمد امیر الحق قدس سرہ نے وصال فرمایا تو آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ محمد رشید الحق" اور پھر ان کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد حبیب الحق قدس سرہ اپنے والد کی سجادگی پر خانقاہ عمادیہ پٹنہ پر بٹھائے گئے۔

حضرت حافظ شاہ محمد حبیب الحق":

بن شاہ محمد رشید الحق" بن شاہ محمد امیر الحق" بن شاہ محمد ظہور الحق قدس سرہ کا خاندان پھلواری شریف کا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب سلسلہ عمادیہ کے بزرگ اول حضرت خواجہ عماد الدین قلندر اور خانقاہ مجیبیہ قادریہ، پھلواری کے بزرگ اعلیٰ حضرت مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواری" حضرت شاہ سعد اللہ بن شاہ فتح اللہ جعفری زینبی دہلوی، حضرت ابراہیم اعرابی اور حضرت عبداللہ الجواد" سے ہوتا ہوا حضرت سیدنا جعفر طیار بن ابی طالب عم رسول ﷺ تک پہنچتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "اعیان وطن"، "تذکرۃ الصالحین" اور "شرفا کی نگری" حصہ اول۔ حضرت شاہ محمد حبیب الحق عمادی، خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، شہر عظیم آباد (پٹنہ) صوبہ بہار کے مایہ ناز بزرگ، صوفی اور تصوف و روحانیت کی دنیا میں بڑے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ کا تذکرہ زبانی طور پر راقم سید قیام الدین نے بچپن میں اپنی نانی محترمہ بی بی عزیز النساء بنت حافظ مولانا سید شاہ نذر الرحمان قادری رضوی متخلص بہ حفیظ عظیم آبادی قدس سرہ سے سن رکھا تھا۔ ڈھاکہ قیام سے دو یا تین سال قبل معلوم ہوا کہ حضرت شاہ محمد صبیح الحق صاحب سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ، پٹنہ سے ڈھاکہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ راقم الحروف کو کم عمری سے اللہ کے برگزیدہ بندوں سے خاص انس رہا ہے۔ اس لئے اس خبر کے بعد فکر میں رہا کہ کسی طرح شاہ صاحب کے قیام کا پتہ چل جائے تو ملاقات کی جائے۔ اسی دوران کسی نے بتایا کہ حضرت شاہ صبیح الحق صاحب، حضرت مولانا شاہ محمد حبیب الحق علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کا اشتیاق دوچند ہو گیا۔ دوسرے ہی دن محمد پور پہنچا اور شاہ صاحب کے قیام کا پتہ کر کے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ حضرت بڑے ہی شفقت و محبت سے پیش آئے۔ خانقاہ قادریہ سعیدیہ، محلہ مغلپورہ اور خانقاہ عمادیہ، محلہ منگل تالاب کے بزرگوں کے درمیان جو ہمارا رشتہ ارتباط، روابط اور تعلقات تھے اس کا تذکرہ کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں حافظ شاہ نذر الرحمان قدس سرہ کا شاگرد ہوں اور حضرت سے مجھے سلسلہ شاذلیہ کی اجازت و خلافت بھی حاصل ہے۔

راقم الحروف سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کو حضرت شاہ محمد حبیب الحق قدس سرہ کے حالات زندگی کی تلاش تھی۔ مختلف کتابوں سے جو تذکرے ملے میں اس سے مطمئن نہیں تھا۔ جب "شرفا کی نگری" حصہ اول کی تقریب رونمائی ہوئی اور اس پر تبصرے کراچی کے اخباروں میں چھپے تو میرے پاس دوسرے اور فون کے علاوہ محترم شاہ محمد وسیم الحق صاحب مدظلہ العالی کا بھی فون آیا۔ آپ نے میرا مکمل پتہ لیا اور اسی دن شام کے وقت اس حقیر کے غریب خانے کو رونق بخشی۔ میری خوشی کی انتہا نہ تھی جب یہ معلوم ہوا کہ آپ شاہ حبیب نانا کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ میں نے اپنی کتاب "شرفا کی نگری" حصہ اول خدمت میں پیش کی جس کا ہدیہ میرے انکار کے باوجود آپ نے زبردستی عطا فرمایا۔ محترم شاہ وسیم الحق مدظلہ نے کتاب "تذکرۃ الصالحین" کی فوٹو کاپی بھی عنایت فرمائی۔ جس سے حضرت مولانا حافظ شاہ محمد حبیب الحق قدس سرہ کے حالات زندگی پر کافی مواد مجھے حاصل ہوا۔

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد حبیب الحق قدس سرہ ۲۸ رمضان ۱۲۹۵ھ کو عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اور درسی کتابیں اپنے

والد شاہ محمد رشید الحق، مولوی حفیظ اللہ، حکیم علی حیدر، مولوی عبداللہ پنجابی اور مولانا محمد کمال محدث بہاری وغیرہم سے پڑھی ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ کو ایک بڑی ہی روح پرور تقریب میں، جس میں بڑے بڑے علمائے ذی احتشام شریک تھے۔ حضرت مولانا کمال محدث علیہ الرحمۃ نے دستار فضیلت آپ کو باندھی۔ اس موقع پر آپ نے سورۃ العصر کی ایسی تفسیر بیان فرمائی کہ لوگ عش عش کراٹھے۔ بیعت وخلافت آپ کو اپنے والد حضرت شاہ محمد رشید الحق رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ والد کے چہارم کے دن آپ کو خانقاہ عمادیہ کی سجادگی پر بٹھایا گیا۔ ساری عمر رشد وہدایت خلق اور درس وتدریس میں بسر فرمائی۔

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد حبیب الحق قدس سرہ کی چار شادیاں ہوئیں۔ اہلیہ اولیٰ مسماۃ زینب دختر جناب حضور شاہ محمد امین احمد فردوسی سجادہ نشین شرفا بہاری قدس سرہ سے ایک صاحبزادے حضرت شاہ محمد شفیع الحق رحمۃ اللہ علیہ اور ایک صاحبزادی زوجہ شاہ مسیح الدین بن حضرت سید شاہ برہان الدین سجادہ خانقاہ مخدوم جہاں شرفا بہاری تھیں۔ دوسری شادی بی بی حبیبہ سے ہوئی جنھوں نے لاولد وصال فرمایا۔ تیسری شادی آپ کی بی بی حبیب النساء ساکن اسلام پور سے ہوئی۔ جن سے چار صاحبزادیاں رابعہ خاتون، حمیرہ خاتون، معینہ خاتون اور صفیہ خاتون اور ایک صاحبزادے حضرت حکیم شاہ حسین الحق رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت شاہ حبیب الحق قدس سرہ کی اہلیہ چہارم بی بی نور جہاں بنت مولوی محمد ایوب صاحب مرحوم ساکن محلہ کریم چک چھپرہ سے کئی صاحبزادے کم عمری میں وصال کر گئے۔ اس وقت بی بی نور جہاں کے بطن سے صرف شاہ وسیم الحق صاحب بفضل تعالیٰ حیات اور مع اہل وعیال کراچی میں مقیم ہیں۔ جناب شاہ وسیم الحق صاحب مدظلہ پاکستان نیشنل شپنگ کمپنی میں بحیثیت ڈپٹی منیجر فنانس برسرکار ہیں۔ اور خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔

نقشہ اولاد حضرت شاہ محمد ظہور الحق قلندر عمادیؒ
مولانا مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ پھلواروی
مولانا شاہ احمد عبد الحق
مولانا شاہ محمد نور الحق
مولانا شاہ محمد ظہور الحق
از بطن دختر سید شاہ میر عزت علی شہباز پوری
شاہ نصیر الحق
شاہ ظہیر الحق
شاہ علی امیر الحق
شاہ سفیر الحق
شاہ فقیر الحق
دختر زوجہ
دختر زوجہ
محمد یحییٰ پھلواروی
سید مظہر نبی شہباز پوری
سجادہ اول
سجادہ دوم
شاہ محمد رشید الحق (سجادہ)
دختر زوجہ
مولوی ظہور الحسن
شاہ منیر الحق قائز
شاہ محمد حبیب الحق (سجادہ)
دختر
علامہ تمنا عمادی
از محل اولی
از محل
دوم
از محل سوم
شاہ صبیح الحق
راکیہ خاتون
حکیم شاہ حسین الحق
رابعہ خاتون
حمیرہ خاتون
معینہ خاتون
صفیہ خاتون
شاہ وسیم الحق
سجادہ
زوجہ شاہ مسیح الدین
زوجہ حکیم ولی احمد
زوجہ محمد سراج الدین
زوجہ غلام ربانی
زوجہ محمد شہاب الدین
ولی اشرف
ولی اختر
سعید اختر
بریرہ خاتون
شاہ اظفر الحق
شاہ اصدر الحق
شاہ احسن الحق
رعنا جبیں
شاہ فرید الحق
شاہ امین الحق
شاہ متین الحق
سلیمہ خاتون
ریحانہ خاتون
سجادہ
راکیہ خاتون بنت شاہ حبیب الحق
زوجہ شاہ مسیح الدین احمد
شاہ حفیظ الدین
وحیدہ خاتون
ولیہ خاتون
شاہ جمیل احمد
حمیرہ خاتون بنت شاہ حبیب الحق
زوجہ محمد سراج الدین
محمد شمیم
محمد تسنیم
صوفیہ خاتون
قدسیہ خاتون
عطیہ خاتون
محمد شکیل
محمد کفیل
ثریا ناز

حکیم شاہ حسین الحق بن شاہ حبیب الحق

ابراہیم خلیل الحق — مخدوم شرف الحق — ریحانہ خاتون — محبوب عماد الحق — اظہر الحق — نجیب الحق — محب الحق — عزیزہ خاتون

صفیہ خاتون بنت شاہ حبیب الحق

زوجہ محمد شہاب الدین

محمد نجم — طلعت آرا — محمد قمر — نصرت آرا — خورشید شہاب — فرخ شہاب — ناہید خاتون — امجد شہاب

شاہ احمد ظہیر الحق بن شاہ ظہور الحق

شاہ حسام الحق — شاہ ریاض الحق

شاہ ریاض الحق: محمد احسن — محمد علی — محمد حسن — محمد محسن

شاہ حسام الحق: شاہ ضمیر الحق — اصغری خاتون — آمنہ خاتون

زوجہ رشید احمد

احسان الحق نظر فریادی

سلطان جہاں — ارشاد احسان — دختر — دختر — دختر

شاہ سفیر الحق بن شاہ ظہور الحق
شاہ نذیر الحق فائز
دختر
شاہ محمد محی الدین حسن کماوی
آل فاطمہ
زوجہ واعظ حسین
بشارت فاطمہ
زوجہ اولی سید کمال خواجہ
(جھوانواں)
کرامت فاطمہ
زوجہ ثانی سید کمال خواجہ
(جھوانواں)
دختر زوجہ
شاہ محی الدین
دختر زوجہ
میر فدا حسین
(خسرو پوری) لاولد
معین الدین
زینب زوجہ
شاہ فرید احمد کاکوی
عارفہ زوجہ
شاہ منظور الرحمان کاکوی
رضی الحق
فاطمہ
خدیجہ
رئیس الحق
بی بی فاطمہ زوجہ
سید محمد آصف
موضع جھوانواں
فاطمۃ الصغرا
زوجہ محمد احسن اللہ ڈیانوی
محمد تحسین
محمد توصیف
محمد اعظم
محمد تنزیل
امام الدین
انعام الدین
حفیظہ خاتون
زوجہ شاہ غفور احمد رضوی
سودہ خاتون
زوجہ عبد الرزاق

حضرت مرزا رحیم اللہ بیگ رحمۃ اللہ علیہ

برادرم محمد تنزیل الصدیقی الحسینی صاحب نے میری کتاب "شرفا کی نگری" حصہ اول کو بغور پڑھا اور تفصیل سے اس کی خامیوں اور خوبیوں سے راقم کو آگاہ کیا۔ جس کے لئے میں ان کا بے حد ممنون اور شکر گذار ہوں۔ موصوف نے چند نابغہ ہستیوں اور بزرگوں کی طرف میری توجہ مبذول کرائی اور فہمائش کی کہ کتاب میں ان شخصیات کا ذکر ہونا ضروری ہے۔ خاص طور سے انہوں نے حضرت مرزا رحیم اللہ بیگ نقشبندی مجددی عظیم آبادی" کا نام لیا۔ بلاشبہ حضرت مرزا صاحب قدس سرہ العزیز نے نہ یہ کہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ملک گھوم گھوم کر دین اسلام کی خدمت کی۔ ایسا نہیں تھا کہ میں حضرت کی ذات بابرکت سے ناواقف تھا بلکہ میری کم علمی اور محدود معلومات حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ پر قلم اٹھانے میں مانع رہی۔ کافی تگ و دو کرنے کے باوجود مجھے آپ کے تفصیلی حالات دستیاب نہ ہو سکے۔ بہر حال برادر محترم محمد تنزیل صاحب سلمہ کی خواہش کی تکمیل کے لئے یہ مختصر تذکرہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ اہل علم حضرات مزید تلاش و جستجو کر کے اس ذکر کو آگے بڑھائیں گے۔

ہر دور میں دل اور خلوص و اخلاص سے لبریز ذہن رکھنے والے افراد جو کچھ دین و مذہب کے لئے کرتے ہیں وہ کسی مادی منفعت اور نقصان کو خاطر میں نہیں لاتے۔ وہ خالص اللہ کی رضا اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالتے ہیں۔ جناب سید علی مرتضیٰ مرحوم نے اپنی کتاب "تاریخ کے گمشدہ اوراق" میں کیا ہی سچی بات کہی ہے :

"ان کے سامنے ایک مشن تھا جسے تکلیف اور مصیبت کی پرواہ کئے بغیر سکون قلب کے لئے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ انسان کیا کسی کو دے سکتا ہے۔ اجر دینے والا تو اللہ ہے، جس کو چاہا اچھی طرح نواز دیا۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت رحیم اللہ بیگ قدس سرہ کو ایک بڑے کام کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ آپ کا اصل نام درویش محمد ہے۔ آپ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جہاں جہاں تشریف لے گئے اپنے اسی اصل نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا تعلق ہندوستان کے صوبہ بہار سے تھا۔ لیکن نہ تو آپ کے آباء واجداد کا اور نہ ہی ان کے رہائشی شہر یا قصبہ کا کوئی ذکر مجھے مل سکا ہے۔ صوبہ بہار تو آپ کا وطن تھا ہی جس کے چپے چپے کی آپ نے سیر کی۔ بہار سے باہر ہندوستان کے گوشے گوشے کا سفر کیا۔ اور اسی دوران آپ وقت کے جید اور صاحب سلسلہ بزرگ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی دہلوی کے دست حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہوئے۔ حضرت رحیم اللہ بیگ قدس سرہ کہا کرتے تھے کہ "میں نے شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ جیسا شیخ کامل و مکمل نہیں دیکھا۔" آپ کو اپنے شیخ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ اور بانی سلسلۂ نقشبندیہ حضرت بہاء الدین نقشبندؒ سے بڑی محبت تھی۔ ہندوستان میں دو بزرگوں سے سلسلہ نقشبندیہ کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ ایک حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندیؒ اور دوسرے حضرت سید ابو العلاءؒ۔ حضرت مرزا رحیم اللہ بیگ نقشبندی مجددی عظیم آبادی "عشق و محبت سے سرشار حضرت بہاء الدین نقشبندؒ کے مزار کی زیارت کے لئے بخارا پہنچے۔ اور پھر آپ نے دنیا کے تقریباً تمام اسلامی ممالک اور مقامات کی سیر کی۔ اس سلسلہ میں جناب محمد ظہیر الدین بھٹی، حضرت مفتی سرور لاہوری" کی کتاب "خزینۃ الاصفیاء" کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ بہت بڑے سیاح تھے۔ پہلے ہندوستان سے حضرت شاہ نقشبندؒ کے مزار کی زیارت کے لئے بخارا گئے۔ وہاں سے روم، شام، حجاز، عراق اور ماوراء النہر جیسے اسلامی علاقوں کی سیر کی۔ پھر آپ نے پورے ہندوستان کی سیر کی اور بہت سے مشائخ کی زیارت کی.........جب ہرات پہنچے تو مخلص شہزادوں نے آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ شیخ (مرزا رحیم اللہ بیگ) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی کا خوف خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ آپ نے شہزادوں کو سخت و درشت باتیں کہیں۔ وہاں سے نکلے تو اکثر بلاد ترکستان کی سیر کی، ہر جگہ کے حکمران اخلاص سے پیش آئے مگر شیخ ان کی بدعتوں کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے اور کسی جگہ نہ ٹھہرے۔ آخر شہر سبزوار میں قیام کیا۔ وہاں کے حاکم نے ایک بڑا گاؤں آپ کی نذر کیا اور وہاں سے اپنی حکومت ہٹالی۔ شیخ نے وہاں خانقاہ بنائی۔ مسافروں اور مسکینوں کی خدمت اپنے ذمہ لی۔ ایک بڑا لنگر جاری کیا جہاں پر بہت زیادہ مقدار میں کھانا پکتا اور ہر آنے جانے والے کو کھلایا جاتا۔"

راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی اوپر لکھ آیا ہے کہ حضرت مرزا رحیم اللہ بیگ عرف درویش محمد قدس سرہ سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے مایہ ناز بزرگ تھے۔ اس سلسلہ کے بانی حضرت بہاء الدین نقشبند بخاریؒ ہیں۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کو حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ نے بام عروج کو پہنچایا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے وقت کے امام اور مجدد تھے۔ اس طرح نقشبندیہ سے ہی مجددیہ نقشبندیہ جاری ہوئی اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقشبندیہ مجددیہ کی بنیاد ہندوستان میں مجدد الف ثانی حضرت احمد سرہندیؒ کے ہاتھوں پڑی۔ اس سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کو ہندوستان سے باہر روم، شام، حجاز، عراق اور ماوراء النہر وغیرہ کے علاقوں میں حضرت مرزا رحیم اللہ بیگ عظیم آبادیؒ نے روشناس کرایا۔ افسوس آج مسلمانان ہند اور خصوصاً مسلمانان بہار اس گوہر تابدار اور سرزمین بہار کے درِ نایاب کو فراموش کر چکے ہیں۔ بہار کے مسلمانوں میں خود فراموشی اور برادر کشی عام ہے۔ یہ اگر اپنی اس کمزوری پر قابو پالیں تو دنیائے اسلام کو بہت کچھ فراہم کر سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت مرزا رحیم اللہ بیگ عرف درویش محمدؒ کا نام آج ہندوستان کے آسمان تصوف پر گہن آلود ہے۔

محترم جناب سید علی مرتضیٰ پرویز مرحوم اپنی کتاب "تاریخ کے گم شدہ اوراق" میں حضرت رحیم اللہ بیگ عظیم آبادی قدس سرہ اور ان کے پیر بھائی حضرت شیخ خالد کردیؒ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"شیخ خالد (کردی) کو ہندوستان آنے اور مجددیہ طریقہ میں داخل ہونے کی ہدایت مرزا رحیم اللہ بیگ سے ملی جو ایک جہاں گشت درویش تھے۔ شیخ خالد سے کردستان میں ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ (شیخ خالد) مرزا رحیم اللہ بیگ کے متعلق تحریر کرتے ہیں: "مرزا رحیم اللہ بیگ مسمی بہ محمد درویش عظیم آبادیؒ ترک علائق روزگار نمودہ.........اکثر بلاد اسلامیہ مثل روم و شام و حجاز و عراق و مغرب و ماوراء النہر و خراسان و ہندوستان سیر نمودند۔"

جناب محمد ظہیر الدین بھٹی صاحب نے مفتی غلام سرور لاہوریؒ کی فارسی کتاب "خزینۃ الاصفیاء" کے اردو ترجمے میں لکھا ہے :

"آخر بعض ترکستانی حکام نے خفیہ طور پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ (مرزا رحیم اللہ بیگؒ) کو شہید کروادیا کیونکہ ان حکمرانوں کو والیٔ شہر سبزوار سے سخت عناد تھا۔ حضرت کی دعا و امداد کی وجہ سے وہ لوگ والیٔ شہر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ آپ نے ۱۲۰۰ھ میں شربت شہادت نوش کیا۔"

حضرت سید شاہ ولایت علی اسلام پوریؒ

صوبہ بہار میں اسلام پور ایک مشہور اور بڑا قصبہ ہے۔ جہاں مختلف مذاہب کے لوگ کثیر تعداد میں آباد ہیں اس قصبہ میں سلسلہ قادریہ ابوالعلائیہ کے مشہور صوفی بزرگ حضرت سید شاہ ولایت علی ہمدانی قدس سرہ العزیز کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ آپ اپنے وقت کے صاحب کشف وکرامت بزرگ اور یگانہ و بے مثل تھے۔ اہل مراقبہ اور محبت و کشش کے مالک تھے۔ صاحب حال اور زاہد و مرتاض تھے۔ آپ نو سال کی عمر میں اپنے نانا حضرت سید شاہ ہدایت علی بلخی فردوسی قدس سرہ کے دست حق پرست پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ آپ کے نانا محترم چونکہ بستر علالت پر تھے اس لئے اسی وقت اجازت و خلافت دے کر حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی قادری ابوالعلائی خسرو پوریؒ کے حوالے تعلیم ظاہری و باطنی کے لئے کیا۔ حضرت سید شاہ ہدایت علی بلخی فردوسی قدس سرہ کے وصال کے بعد جب آپ کی عمر گیارہ سال کی ہوئی تو آپ کی تعلیم کا باضابطہ سلسلہ شروع ہوا۔ تمام تذکرہ نگاروں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اکتساب و تکمیل علوم باطنی آپ نے سلسلہ ابوالعلائیہ منعمیہ میں حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی قادری ابوالعلائی قدس سرہ سے کی۔ آپ کی تعلیم ظاہری سے متعلق تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ اور آپ کے نواسے اور سجادہ حضرت سید شاہ محمد عبدالقادر ابدالی علیہ الرحمۃ بھی اس سلسلہ میں لاعلمی کا اظہار فرماتے ہوئے اپنی تالیف کردہ کتاب "انوار ولایت" میں تحریر فرماتے ہیں: "یہ بات تحقیق کو نہ پہنچی کہ آپ کس سن میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے اور نہ یہ معلوم ہوا کہ عربی میں آپ کا مبلغ علم کہاں تک تھا۔ لیکن فارسی میں پوری اور کامل استعداد تھی۔" آپ کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

آپ نے اپنے نانا حضرت سید شاہ ہدایت علی بلخی فردوسیؒ سے ان کے وصال کے وقت جبکہ آپ کی عمر نو سال کی تھی بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی۔

آپ کی تعلیم باطنی کا سلسلہ باضابطہ طور پر حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی قدس سرہ نے اس وقت شروع فرمایا جب آپ گیارہ سال کے ہو گئے۔

مندرجہ بالا دونوں باتوں کو سامنے رکھا جائے اور غور کیا جائے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ اول یہ کہ آپ نے علوم ظاہری کی کچھ کتابیں تو ضرور اپنے نانا محترم سے پڑھ لی ہونگی۔ جب ہی نانا بزرگوار نے بیعت لینے کے بعد اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ دوم یہ کہ باضابطہ تعلیم باطنی کا سلسلہ گیارہ سال کی عمر میں شروع ہوا۔ درمیان میں دو سال کا وقفہ یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ نے دو سال کے عرصہ میں علوم ظاہری کی تکمیل بھی حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی قدس سرہ سے کی ہوگی۔ حضرت مخدوم علیہ الرحمۃ خود عالم دین تھے۔ تمام علوم دینیہ پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے ہونہار اور لائق شاگرد کی تعلیم باطنی سے قبل علوم ظاہری کی تکمیل ضرور کرائی ہوگی۔

حضرت سید شاہ ولایت علی قادری ابوالعلائی قدس سرہ کے اجداد کا وطن ہمدان تھا اور آپ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کشمیریؒ کی اولاد سے تھے۔ آپ کے نسب کے سلسلہ میں برادرم سید شمیم منعمی مدظلہ ماہنامہ "رفاقت" میں تحریر فرماتے ہیں: "آپ کا نسب پدری حضرت

سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے امام محمد دیباج سے ملتا ہے۔ حضرت سید علی ہمدانی کے صرف ایک صاحبزادے اور صاحبزادی کا پتہ چلتا ہے۔ ان ہی صاحبزادے یعنی میر سید محمد ہمدانی کی اولاد ایران اور برصغیر ہند و پاک کے مختلف خطوں میں آباد ہے۔ ہندوستان میں کشمیر، سری نگر کے علاوہ پنجاب میں بھی ہمدانی سادات کی آبادی ہے۔ مشرقی پنجاب کے مشہور قصبہ بٹالہ میں بھی ہمدانی سید رہتے ہیں اور ان کا محلہ (محلہ ہمدانیہ) کے نام سے مشہور تھا۔ تقسیم کے بعد یہ لوگ لاہور ہجرت کر گئے۔ حضرت میر سید محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی کے صاحبزادے حضرت سید علاء الدین ہمدانی کا مزار (شہر) بہار شریف سے متصل ایک قصبہ لوہانگی میں بتلایا جاتا ہے......... صوبہ بہار میں آباد ہمدانی سادات ان ہی کی اولاد سے ہیں۔"

حضرت سید شاہ عبدالقادر قادری ابوالعلائی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "انوار ولایت" کے صفحہ ۵ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: "بہار کے متصل ایک گاؤں ہے لوہانگی اس گاؤں میں چھوٹی سی قناتی مسجد کے اندر آپ کا (سید علاء الدین ہمدانی بن سید محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی کشمیری) مزار ہے اور پختہ بنا ہوا ہے۔ اور آپ کے مزار کے متصل بارہ گزی، تیرہ گزی دو مزار مشہور زیارت گاہ خاص و عام ہیں۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ کب اور کیوں کر بہار تشریف لائے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ آپ اور آپ کی اولاد بہار میں مقیم ہوئی۔ چنانچہ گوشک محلہ ہمدانیوں کے قیام کی جگہ مشہور ہے۔" آپ کے سلسلہ نسب کو صاحب "مخزن الانساب" جناب سید کریم الدین صاحب میرداد کی مرحوم اور "کنز الانساب" میں سید شاہ عطا حسین داناپوری مرحوم نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لیکن اس خاندان کی اپنی کتاب "انوار ولایت" مصنفہ سید شاہ عبدالقادر قادری ابوالعلائی سجادہ نشیں خانقاہ اسلام پور میں جو نسب نامہ پدری آپ کا تحریر ہے۔ وہ درج ذیل ہے:

حضرت سید شاہ ولایت علی قادری ابوالعلائی جعفری ہمدانی بن سید کریم بخش بن سید میر علی بن سید حسن علی بن سید محمد افضل بن سید رفیع الدین بن سید ولی بن سید اعظم بن سید نصیر الدین بن سید راجی محمد بن سید عبداللہ بن سید اشرف بن سید اسحاق بن سید صدر الدین بن سید بدر الدین بن سید شمس الدین سیہ پوش ہمدانی بن سید علاء الدین ہمدانی بن سید محمد ہمدانی بن سید امام ربانی امیر کبیر میر علی ہمدانی بن سید محمود ہمدانی بن سید احمد ہمدانی بن سید امام الدین ہمدانی بن سید نور الدین ہمدانی بن سید نصیر الدین ہمدانی بن سید ظہیر الدین ہمدانی بن سید طاہر ہمدانی بن سید جلال الدین ہمدانی بن سید جمال الدین ہمدانی بن سید ابو یوسف عرف قاضی القضاۃ ہمدانی بن سید یعقوب ہمدانی بن سید یحییٰ ہمدانی بن سید قیام الدین ہمدانی بن سید قاسم ہمدانی بن سید برہان الدین ہمدانی بن سید امام محمد دیباج بن حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین شہید دشت کربلا بن حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا بنت رسول مقبول ﷺ۔

حضرت سید شاہ ولایت علی قادری ابوالعلائی ہمدانی قدس سرہ العزیز اپنے آبائی قصبہ اسلام پور میں اپنے نانا حضرت سید شاہ ہدایت علی بلخی فردوسی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا دادیہالی مکان بھی اسی قصبہ میں تھا۔ چونکہ سید ہدایت علی بلخی فردوسی کو کوئی اولاد

ذکور نہ تھی اس لئے آپ نے اپنے نواسہ حضرت سید شاہ ولایت علی ہمدانی قدس سرہ کو اپنے وصال سے قبل سلسلہ قادریہ فردوسیہ میں بیعت کرکے تمام سلاسل طریقت کی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور اپنی سجادگی پر رونق افروز فرمایا۔

حضرت سید شاہ ولایت علی ابوالعلائی قدس سرہ کو اپنی ساری زندگی اتباع شریعت کا ہمیشہ خیال رہا اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہمعصر علماء و مشائخ کا قول ہے کہ آپ کی حالت صحابہ حضور اکرم ﷺ کی حالتوں سے بہت مشابہ تھی۔ آپ اپنی اولاد، مریدان اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا فرمایا کرتے کہ: "خدایا ہمیشہ مذہب اسلام پر اہل سنت و الجماعت حنفی طریقہ پر قائم و دائم رکھ۔" آپ نے مکہ مکرمہ کا دو سفر کیا۔ پہلے سفر میں دو حج کئے اور ۱۲۹۶ھ میں تیسرا حج کیا۔ آپ نے اپنی زندگی ایک خاص اصول کے تحت گزاری۔ اوراد و وظائف کے لئے اوقات مقرر تھے۔ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ کی اوراد فتحیہ روزانہ پڑھا کرتے تھے۔ مراقبہ آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ کثرت مراقبہ کی وجہ کر آپ کی گردن مستقل طور پر خم ہوگئی تھی۔ حضرت سید شاہ علی حبیب قادری مجیبی پھلواروی قدس سرہ اکثر آپ کی خمیدہ گردن کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ "شاہ ولایت علی صاحب کی تو صورت ہی مراقبہ کی ہوگئی ہے۔" حافظ احمد رضا خاں صاحب بہادر سکندر نواز جنگ اپنے ایک خط میں جناب سید شاہ عبدالقادر ابوالعلائی اسلام پوری کو لکھتے ہیں: "میرے پیر و مرشد جناب مولانا حافظ قاری امیر الحسن صاحب قدس سرہ العزیز نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ شاہ ولایت علی میرا محبوب ہے۔ حضرت مخدوم شاہ یحییٰ علی صاحب قدس سرہ العزیز کی چودہ برس خدمت کی ہے۔ بڑا درجہ ہے...... حضرت پیر و مرشد قدس سرہ العزیز نے مجھ کو ہدایت فرمائی کہ اسلام پور جا کر حضرت شاہ ولایت علی صاحب سے اوراد فتحیہ کی سند اور اجازت لوں اور اوراد فتحیہ انہیں پڑھ کر سناؤں اور فرمایا کہ حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے اولادوں میں بڑے شخص ہیں۔"

مولوی محمد رفیق صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ جناب حاجی شاہ امداد اللہ مہاجر مکی مجھ سے فرماتے تھے کہ: "حرم مدینہ میں باب النساء پر مجلس میلاد منعقد تھی میں بھی موجود تھا اور تمہارے مرشد بھی تھے۔ انہوں نے متاثر ہو کر اُف کی۔ اس اُف میں وہ اثر تھا کہ سب لوگ متکیف ہوگئے۔ (یعنی تمام حاضرین مجلس پر کیفیت طاری ہوگئی) اور کیوں نہ ہو۔ سوختہ دلوں اور عاشقوں کے آہ و نالہ میں یہی اثر ہوتا ہے۔"

حضرت الحاج سید شاہ ولایت علی قادری ابوالعلائی ہمدانی اسلام پوری قدس سرہ کو اپنے شیخ حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی قادری ابوالعلائی زیدی خسرو پوری سے از حد عقیدت و محبت تھی۔ آپ کے شیخ مچھلی نہیں کھاتے تھے۔ اس لئے آپ نے مچھلی کھانا چھوڑ دیا تھا۔ آپ کے اس پرہیز سے آپ کے زمانہ کے اہل سلسلہ ابوالعلائی منعمی نے یہ خیال کر لیا کہ ابوالعلائیوں میں مچھلی کھانے کی ممانعت ہے۔ آپ نے سختی سے اس خیال سے اختلاف کیا اور لوگوں کو صاف طور پر یہ بات واضح کی کہ میں اپنے شیخ کی اور میرے شیخ اپنے پیر و مرشد حضرت مخدوم حسن علی ابوالعلائی منعمی قدس سرہ کی محبت کی وجہ کر مچھلی نہیں کھاتے ہیں۔ مچھلی کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اور حضور اکرم حضرت محمد ﷺ نے مچھلی کھایا ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ مچھلی کھانے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ یا سلسلہ ابوالعلائیہ منعمیہ میں اس کے کھانے کی ممانعت ہے۔ سراسر غلط اور لغو ہے۔

شریعت کی پابندی اور حضور نبی کریم ﷺ کی سنت پر آپ ہمیشہ کاربند رہے۔ اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے رہے۔ "انوار ولایت" میں لکھا ہے کہ: "مولوی معین اظہر صاحب کا بیان ہے کہ پہلے میرے خیالات اچھے نہ تھے اور صوفیوں سے مجھ کو بداعتقادی تھی۔ ایک دفعہ آپ میرے بھائی کی شادی میں تشریف لائے۔ اور میں چند سوالات چن کر بغرض اعتراض حاضر ہوا۔ اور نہایت ہی مودب ہو کر ایک گوشہ

میں بیٹھ گیا۔ آپ نے قریب بلاکر پیار کیا اور فرمایا:

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

وہ سب اعتراض جو میں لے چلے تھے صرف اسی ایک شعر سے دفع ہوگئے اور میری تشفی ہوگئی اور الحمدللہ کہ اس وقت سے وہ خیالات بھی دفع ہوگئے۔ مولوی محمد رفیق صاحب سے آپ نے فرمایا: "شریعت پر ثابت قدم رہو اور اپنی اور دوسروں کی واردات کو قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے جانچو اگر مطابق ہو تو رحمانی ورنہ شیطانی جانو۔" "انوار ولایت" میں مزید لکھا ہے کہ: "مولوی عبدالجبار صاحب نے مزامیر کے متعلق سوال کیا کہ حلال ہے یا حرام۔ ارشاد ہوا حرام ہے انہوں نے کہا میں کیا کروں۔ ارشاد ہوا شریک نہ ہو۔ بھائی لطف الرحمان صاحب نے بیعت کے وقت عرض کیا کہ جس طریقہ میں سماع حلال ہو اسی طریقہ میں بیعت لی جائے۔ ارشاد ہوا جو سماع حلال ہے سب طریقہ میں (ہے) اور جو سماع حرام ہے سب طریقہ میں (ہے)۔"

حضرت سید شاہ ولایت علی اسلام پوری قدس سرہ پر محفل سماع میں وجدانی کیفیت طاری ہوا کرتی تھی جس کے اثرات حاضرین محفل پر بھی طاری ہوا کرتے اور فیض جاری ہوا کرتا تھا۔ حالت وجد میں آپ جس پر توجہ فرماتے وہ بے خود و مدہوش ہو جاتا۔ اور اس کی حالت میں تغیر پیدا ہو جاتا تھا۔ صاحب "انوار ولایت" مولوی سید وحید الدین شیخپوری مرحوم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ: "چھوٹے نوادہ سے صفی پور اپنے مرشد کے عرس میں آرہے تھے۔ اور میاں جھمن میراثی شہنائی میں یہ بجا رہے تھے۔

ٹونا مت کرو پیارے ارج میری ماں — پیارے میرے بس کاری ماں

آپ کو وجد ہوا۔ اور کھٹولی (پالکی) سے اتر کر خانقاہ میں تشریف لائے...... اس وجد کی کیفیت یہ تھی کہ اپنے مرشد زادوں (حضرت سید شاہ محمد واجد و حضرت سید شاہ محمد قاسم رحمہا اللہ) پر نثار ہوتے اور بار بار فرماتے یہی یحیٰی علی۔ یہی یحیٰی علی۔ اور اس وقت آپ کا فیض ایسا جاری تھا کہ ہر کہ و مہ، اپنا کیا غیر کیا، ہندو کیا مسلمان کیا سب بیخود و بیقرار اور مضطرب تھا۔"

حضرت سید شاہ ولایت علی ہمادنی قادری ابوالعلائی قدس سرہ العزیز والد کی طرف سے ہمدان کے جعفری سید تھے اور آپ کی والدہ بی بی مریم بہار کے سادات بلخیہ سے تھیں۔ آپ کی پہلی شادی ۱۲۳۹ھ میں بہار شریف کے محلہ مرار پور کے بلخی خاندان میں ہوئی۔ اس محل اولیٰ سے ایک صاحبزادی بی بی منیرن نے کافی ضعیف ہو کر لاولد وصال فرمایا۔ آپ کی دوسری شادی ۱۲۴۴ھ میں بی بی کبیرن بنت شیخ فرحت اللہ ساکن بڑی نوادہ سے ہوئی۔ محل دوم سے آپ کی پانچ اولادیں ہوئیں۔ سید محمد مہدی، سید محمد کاظم، سید محمد واجد، بی بی قدیرن اور بی بی فاطمہ۔ تینوں بیٹوں اور ایک بیٹی نے لاولد وصال فرمایا۔ صرف ایک صاحبزادی بی بی قدیرن زوجہ سید شاہ فرزند علی ابدالی فردوسیؒ سے نسل چلی جن کے ورثا میں شاہ صاحبان اسلام پور بڑی خانقاہ ہیں۔ اور اس خاندان کا مکمل اور تفصیلی نسب نامہ "شرفا کی نگری" حصہ اول میں حضرت مخدوم سید محمد علیم الدین گیسو دراز نیشاپوریؒ کے تذکرہ میں موجود ہے۔

برادر محترم سید شاہ شمیم منعمی سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ پٹنہ کی تحریر کے مطابق حضرت سید شاہ ولایت علی قادری ابوالعلائی منعمی قدس سرہ نے ۸۳ سال کی عمر میں ۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۰ھ کو اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ آپ کا وصال شہر بہار شریف میں ہوا۔ آپ کی نماز جنازہ

حضرت مخدوم جہاںؒ کی خانقاہ متبرک میں آپ کے داماد حضرت سید شاہ فرزند علیؒ نے پڑھائی اور ۱۵ محرم الحرام کی شب کو ۹ بجے اسلام پور میں اپنے نانا اور پیر حضرت سید شاہ ہدایت علی بلخی قدس سرہ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ حضرت مولانا شاہ محمد سعید قادری حسرت عظیم آبادی علیہ الرحمۃ نے درج ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے۔

بہ من سال وصالش گفت ہاتف ولی واصل ذات ودود آہ

۱۳۰۰ھ

نقشہ اولاد حضرت شاہ ولایت علی اسلام پوریؒ

سید امیر کبیر ثانی ہمدانی	مولانا معز شمس بلخی فردوسی	مخدوم سید محمد علیم الدین گیسو دراز نیشاپوری
سید محمد ہمدانی	شاہ حسین نوشہ توحید بلخی فردوسی	سید محمد بہاری فردوسی
سید علاء الدین ہمدانی (بہاری)	شاہ حسن دائم جشن بلخی فردوسی	سید محمود ابدالی فردوسی
سید شمس الدین سیہ پوش	شاہ احمد لنگر دریا بلخی فردوسی	سید علی ابدالی فردوسی
سید بدر الدین	شاہ ابراہیم سلطان بلخی فردوسی	سید احمد ابدالی فردوسی
سید صدر الدین	شاہ درویش بلخی فردوسی	دیوان سید شہاب فردوسی
سید اسحاق	شاہ احمد بلخی فردوسی	دیوان سید فخر الدین فردوسی
سید اشرف	شاہ حسین بلخی فردوسی	سید سید ابدالی فردوسی
سید عبداللہ	شاہ مظفر بلخی فردوسی	سید صدر جہاں ابدالی فردوسی
سید راجی محمد	شاہ عبداللطیف بلخی فردوسی	سید غلام مرتضیٰ ابدالی فردوسی
سید نصیر الدین	شاہ محمد عاقل بلخی فردوسی	سید احمد علی ابدالی فردوسی
سید اعظم	شاہ کمال الدین بلخی فردوسی	سید محمد علی ابدالی فردوسی
سید محمد افضل	شاہ ہدایت علی بلخی فردوسی	
سید حسین علی		
سید میر علی		

سید کریم بخش —— زوجین —— بی بی مریم

سید شاہ ولایت علی   بی بی لکھو

بی بی منیرن (لاولد) | سید محمد مہدی | سید محمد کاظم (لاولد) | سید محمد واجد (لاولد) | بی بی فاطمہ (لاولد) | بی بی قدیرن —— زوجین —— سید فرزند علی منیری فردوسی

سید محمد بشیر
در طفلی فوت شد

سید شاہ عبدالقادر | حکیم سید شاہ محمد عمر | سید شاہ علی | بی بی اماسن

نقشہ خاندان حضرت شاہ ولایت علی اسلام پوری
سید راجی محمد ہمدانی
سید نصیر الدین
سید بھکاری
سید اعظم
سید فخر الدین
سید عبد الرزاق
سید ولی
سید معز الدین
سید محمود ثانی
سید رفیع الدین
سید محمد رضا
سید محمد افضل
سید حسین علی
سید کریم اللہ
سید عظمت اللہ
سید احمد اللہ
سید میر علی
سید کریم بخش
سید سید اللہ
سید امام
سید علی بزرگ
سید شاہ ولایت علی اسلام پوری
سید غلام اشرف عرف میر چھکو
سید غلام مرتضیٰ
سید وارث علی
نجیب النساء (لاولد)
سید واجد علی
اصغر علی
احمد علی
امجد علی
سید واصل علی
مسماۃ مہرن
سید سجاد علی
سید امانت علی
زوج بی بی اماجی
وجیہۃ النساء تزوجین سید وصی علی
تصدق علی
دختر
دختر
سلامت علی
فرحت علی
سید ارشاد علی
سید امین امام
سید ولایت علی
سید ابو القاسم
مسماۃ عابدہ
لئیق النساء
تفضل حسین
وزیر جان
نواب جان
سید ارشاد حسین
دختر
خواجہ عبد العزیز
سید اعجاز حسین
سید فضل کریم
خواجہ عبد الماجد

حضرت شاہ قیام الدین اصدق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ قیام الدین المعروف بہ شاہ قیام اصدق قدس سرہ العزیز تیرہویں صدی ہجری کے مشائخ کرام میں بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ گزرے ہیں۔ آپ اصل رہنے والے قصبہ میاپور علاقہ بردوان، بنگال کے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام قاضی شیخ محمد صادق تھا۔ آپ کے بچپن کے زمانہ میں بنگال میں قادریہ قمیصیہ سلسلہ کے ایک مشہور بزرگ حضرت سید ابوالعباس سعید الدین قمیصی القادری عرف سید صادق علی شاہ مونس اللہ تھے۔ آپ سات سال کی عمر میں حضرت سید صادق علی شاہؒ سے مرید ہوئے۔ جب آپ کی عمر تقریباً پندرہ سال کی ہوئی تو آپ نے علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم کے لئے اپنے پیر کی صحبت بابرکت مستقلاً اختیار کرلی۔ تحصیل علم کے ساتھ ساتھ راہ سلوک کے مدارج بھی طے کرتے رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں روحانیت کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا۔ آپ اپنے پیر و مرشد کے خاص اور پسندیدہ مریدوں میں تھے۔ حضرت سید صادق علی شاہؒ کا وصال ۱۲۲۸ھ میں ہوا اور انہوں نے وصال سے قبل حضرت شاہ قیام الدین اصدقؒ کو اپنا جانشین بنا کر خلافت نامہ تحریری عنایت فرمادیا تھا۔ خلافت نامہ کی تحریر درج ذیل ہے۔

"فرزند قیام را بفرزندی خود گرفتم و قائم مقام خود کردیم و ہمہ اشیائے مملوکہ خود راہا و دادیم و عطا کردیم۔ ہرکہ از مریدان و مسترشدان و خلفایان من ہمچومن نداند از من مرتد است۔"

آپ کو خصوصی طور پر سلسلہ قادریہ اور چشتیہ کی جو خلافت حاصل تھی اس کا شجرہ کتابوں میں درج ہے۔

سلسلہ چشتیہ : ۱۔ قیام اصدق الصادقی الچشتی ۲۔ خواجہ سید سعید الدین الملقب و المشتہر بخواجہ سید صادق علی شاہ مونس اللہ الچشتی ۳۔ سید شاہ محب اللہ بخاری چشتی ۴۔ خواجہ مولانا محمد فخر الدین الملقب بہ محب النبی شاہ فخر چراغ چشت ۵۔ خواجہ نظام الدین ثانی اورنگ آبادی چشتی ۶۔ خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی چشتی ۷۔ شیخ رضی الدین یحییٰ المدنی چشتی ۸۔ شیخ محمد چشتی قطب گجرات ۹۔ خواجہ حسن محمد چشتی ۱۰۔ خواجہ جمال الدین چشتی عرف شیخ جمن ۱۱۔ خواجہ محمود چشتی عرف راجھن ۱۲۔ خواجہ علیم الدین چشتی ۱۳۔ خواجہ سراج الدین چشتی ۱۴۔ خواجہ کمال الدین چشتی المشہور بہ علامہ ۱۵۔ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی اودھی چشتی ۱۶۔ خواجہ نظام الدین (اولیاء) محمد بن احمد بدایونی چشتی ۱۷۔ خواجہ فرید الدین شکرگنج ۱۸۔ خواجہ قطب الدین (بختیار کاکی) چشتی ۱۹۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔

سلسلہ قادریہ : ۱ سے ۹ خواجہ حسن محمد تک نام ایک ہی سلسلہ ہے۔ ۱۰۔ خواجہ محمد غیاث المشتہر بہ نوربخش ۱۱۔ خواجہ ابو اسحاق ختلانی ۱۲۔ خواجہ علی ہمدانی ۱۳۔ خواجہ سید محمود ۱۴۔ خواجہ علاء الدین ۱۵۔ خواجہ نورالدین ۱۶۔ خواجہ احمد جرجانی ۱۷۔ رضی علی لالا ۱۸۔ حضرت مجدد الدین بغدادی ۱۹۔ خواجہ نجم الدین کبریٰ ۲۰۔ حضرت عمار بن یاسر ۲۱۔ خواجہ ضیاء الدین (ابونجیب) عبدالقاہر سہروردی ۲۲۔ حضرت سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔

حضرت شاہ قیام الدین اصدق رحمۃ اللہ علیہ نے صوبہ بہار میں بود و باش اختیار کیا اور تازیست رشد و ہدایت خلق میں مشغول رہے۔ بکثرت لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے۔ بہار تشریف لانے کے بعد آپ نے شہر پٹنہ کے محلّہ دریا پور میں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے موضع جموانواں میں وارد ہوئے۔ میر تفضل حسین خان رئیس جموانواں نے آپ کی بڑی قدر دانی کی اور کچھ زمین بطور نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے اس زمین پر پیر بگہہ نام کی بستی آباد کی۔ یہ بستی چاکند پیر بگہہ کے نام سے ضلع گیا صوبہ بہار میں ہے۔

حضرت شاہ قیام الدین المشتہر حضرت قیام اصدق قدس سرہ کا ذکر صاحب "اشراف عرب" نے سادات سید احمد جاجنیر کے باب میں کرتے ہوئے آپ کو سادات جاجنیری ظاہر کیا ہے۔ اور چاکند پیر بگہہ ضلع گیا صوبہ بہار کو جائے قیام بتایا ہے۔ جہاں تک اس ناچیز کے علم میں ہے کہ حضرت کا نسبی تعلق شیوخ سے ہے۔ موضع پیر بگہہ ضلع گیا میں بہت مشہور بستی ہے۔ جہاں سادات اور شیوخ دونوں آباد ہیں۔ اس بستی میں حضرت شیخ شاہ قیام اصدق قدس سرہ العزیز کی اولادوں کے علاوہ حضرت مخدوم سید عطاء اللہ بغدادی بہاری اور حضرت خواجہ اسحاق عثمانی فردوسی دیوروی کی اولادیں بھی آباد ہیں۔ راقم نے مختلف تذکروں میں پڑھا ہے کہ حضرت کے والد قاضی شیخ محمد صادق تھے کسی تذکرہ نگار نے آپ کو نسبی طور پر سید نہیں لکھا ہے۔ یہاں پر میں "اشراف عرب" کے مولف کی اس غلطی کی طرف اشارہ بھی کرنا چاہوں گا جو کتاب کے صفحہ ۲۲۳ میں ہوگئی ہے۔ نسب نامے میں احمد حسین (متخلص بہ حکیم عرف لکھی سوداگر ساکن میر گلابی کی باغ، شہر پٹنہ) کے والد کا نام شیخ فیض بخش تھا سجاد حسین نہیں۔ اس کی تصدیق "مسلم شعرائے بہار" مصنفہ حکیم سید احمد اللہ ندوی مرحوم اور "حیات فریاد" مصنفہ شاہ عظیم آبادی مرحوم سے کی جاسکتی ہے۔ احمد حسین حکیم معروف بہ لکھی سوداگر شیخ تھے سید نہیں۔ صاحب "اشراف عرب" نے حضرت شاہ قیام الدین اصدق کا مکمل نسب نامہ تحریر نہیں کیا ہے اور نہ ہی راقم کو حضرت کا نسب نامہ دستیاب ہوسکا۔

حضرت شاہ قیام اصدق الصادقی الچشتی قدس سرہ شریعت کی پابندی میں بڑے سخت تھے۔ آپ کی زندگی خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گزری۔ آپ نے خانقاہ میں بیٹھ کر تبلیغ کرنے کے بجائے صوبہ بہار و بنگال کے شہر شہر اور گاؤں گاؤں گھوم کر اسلام میں رائج روحانی سلسلوں کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کی کوشش کی۔ "تذکرہ خواجہ فخر الدین حسین سخن دہلوی ثم آروی" کے حاشیے میں لکھا ہے کہ: "آپ علم و فضل میں اپنی مثال آپ تھے۔ فقر کے معاملہ میں صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ ۱۲۷۴ھ میں سب سے پہلے آرہ تشریف لائے تو چودھری وزیر علی صاحب آپ کے مرید ہوئے۔ آپ کی بزرگی کی کافی شہرت ہوچکی تھی۔ دوسرے سال ۱۲۷۵ھ میں جب آرہ تشریف لائے تو مولوی باقر علی باقر نے آپ سے ارادت کے لئے بیعت کیا اور ایک ضیافت کی جس میں خواجہ فخر الدین حسین سخن بھی شریک ہوئے۔ اسی مجلس میں سخن صاحب نے بھی حضرت قیام اصدق چشتی قادری سے بیعت کی۔"

حضرت شاہ قیام الدین المعروف شاہ قیام اصدق الصادقی چشتی قدس سرہ العزیز نے ۱۳۰۱ھ میں وصال فرمایا اور موضع پیر بگہہ، ضلع گیا، صوبہ بہار میں آسودہ خاک ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ مشہود الحق سجادہ نشیں ہوئے جو حضرت سید شاہ بدر الدین قادری مجیبی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ قیام اصدق قدس سرہ کی ایک تصنیف "کرامات اصدقیہ" جناب چودھری محفوظ عالم صاحب آروی کے پاس آرہ میں موجود تھی۔ حضرت شاہ قیام الدین اصدق قدس سرہ اور حضرت سید شاہ ولایت علی اسلام پوری

میں بڑے گہرے اور برادرانہ روابط تھے۔ "انوار ولایت" میں لکھا ہے کہ "جناب شاہ قیام اصدق صاحب چشتی فخری قدس سرہ العزیز ساکن عیر بگہہ جوانواں جب تشریف لاتے آپ (یعنی سید شاہ ولایت علیؒ) ان کی بہت تعظیم کرتے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آپ بھی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے سر میں خود ہی روغن کی مالش فرماتے تھے۔"

قطعہ تاریخ پیدائش شاہ شہود الحق پسر
وسجادہ شاہ قیام اصدق قدس سرہ
(نتیجہ فکر حضرت مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادیؒ)

چو حکیم شکر خدائیکہ عالم — بذات خویش صفات اوست قائم
بشاہ دین پناہ کشور فقر — قیام الحق والدین ذوالمکارم
عطا فرمود فرزند گرامی — کہ باد از چشم بد محفوظ و سالم
چو تاریخ ولادت جستم از دل — خطابش کرد دل خوش باش دائم

۱ ۳ ۲ ۴

حضرت شاہ محمد مجیب الحق کمالی فردوسی سملویؒ

راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی اپنی کتاب "شرفا کی نگری" حصہ اول میں لکھ چکا ہے کہ بہار میں خانوادہ تاج فقیہی اور سلسلہ فردوسیہ کے فیوض و برکات تمام ہی خانقاہوں میں پہونچے ہیں۔ بہار کی کوئی خانقاہ یا سلسلہ ایسا نہیں جہاں سلسلہ فردوسیہ کی روشن کرنیں نہ پہنچی ہوں۔ براہ راست بھی سلسلہ فردوسیہ کی بکثرت خانقاہیں بہار وبنگال اور پاک وہند کے دوسرے علاقوں میں موجود ہیں۔ اس سلسلہ کی مرکزی خانقاہوں میں منیر شریف، بہار شریف اور شیخ پورہ مونگیر کے علاوہ دو خانقاہیں موضع اُوساس، دیورہ اور موضع سملہ ضلع گیا میں اس وقت تبلیغ دین اسلام کے کاموں کو بحسن خوبی انجام دے رہی ہیں۔ موضع سملہ میں جو خانقاہ فردوسیہ ہے وہ دراصل موضع اُساس دیورہ کی دوسری شاخ ہے جو شیخ پورہ مونگیر کی خانقاہ حضرت شاہ شعیب فردوسی قدس سرہٗ برادر عم حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد منیری فردوسی قدس سرہ سے منسلک و منطبق ہے۔ شاہ محمد صہیب عثمانی فردوسی سملوی مدظلہ، مخدوم جہاں کی کتاب "راحت القلوب" کے اردو ترجمہ میں خانقاہ فردوسیہ موضع سملہ، ضلع گیا کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسی صوبہ بہار کے ضلع اورنگ آباد (سابق ضلع گیا) میں ایک چھوٹی سی قدیم بستی سملہ کے نام سے موسوم ہے۔ جہاں ایک قدیم صوفی عثمانی فردوسی خانوادہ گوشہ گمنامی میں آباد رشد و ہدایت کے ذریعہ دین وملت کی خدمت میں سرگرم عمل ہے۔ .... اس خانوادہ کو نسباً حضرت جلال الدین کبیر اولیا عثمانی پانی پتی قدس سرہ سے تعلق ہے۔ اور بیعتاً یہ خانوادہ فردوسی ہے .... حضرت مخدوم جہاں مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے سلسلہ میں حضرت مخدوم شاہ شعیب جلال منیریؒ ہیں اور ان کے خلفاء میں ایک بزرگ حضرت شاہ اسحاق قدس سرہ ہیں، جن کا مزار شریف محلہ بیگن آباد، بہار شریف میں ہے۔ آپ کے بعد حضرت مخدوم شاہ برہان الدین عرف خوند میاں دیوروئیؒ .... ان کے جانشین ہوئے۔ حضرت مخدوم شاہ برہان الدین عرف خوند میاں دیوروی کے بعد حضرت شاہ منصور دانشمند زیب سجادہ خانقاہ برہانیہ دیورہ ہوئے۔ اس خانقاہ کی ایک شاخ دیورہ سے منتقل ہو کر سملہ میں آباد ہوئی۔ اس سلسلہ کے سملہ میں پہلے بزرگ حضرت مولانا شاہ غلام امام فردوسی (بن جاراللہ بن محمد اعظم بن محمد کبیر بن شاہ معروف بن شاہ منصور دانشمند۔ قیام) ہیں۔"

جناب علی محمد شاد عظیم آبادی مرحوم اپنے استاد الفت حسین فریاد کے حوالے سے اپنی کتاب "حیات فریاد" میں خانقاہ فردوسیہ دیورہ شریف اور حضرت مولانا شاہ غلام علی (بن غلام شرف الدین بن شاہ محی الدین بن شاہ منصور دانشمند عثمانی) یکے از سجادہ نشین دیورہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ضلع گیا میں ایک موضع ہے۔ جس کا نام اُساس دیورہ ہے۔ یہاں قدیم زمانہ سے ایک خانقاہ (فردوسیہ) نہایت عظیم الشان مشہور ہے۔ جو کسی اعتبار سے حضرت شاہ مجیب اللہ صاحب (فریاد عظیم آبادی کے دادا) والی شہر گھاٹی کی خانقاہ سے کم نہ تھی۔ جس زمانہ کا میں ذکر رہا ہوں اس خانقاہ میں حضرت (سید) شاہ غلام علی صاحب قدس سرہ سجادہ تھے۔ یہ حضرت پرپوتے حضرت (سید)

شاہ جلال مخاطب جلال الملک برادر حقیقی حضرت شاہ بو علی قلندر قدس سرہ کے تھے اور علی التسلسل ایک ہی خاندان میں صاحب سجادگی ہوتی آئی تھی.........شاہ غلام علی صاحب کا ذکر سیر المتاخرین میں طبقہ مشائخ عظام صوبہ بہار میں بھی کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ صاحب نوبت ونشان تھے۔"

شاد عظیم آبادی مرحوم صفحہ ۳۷ پر مزید لکھتے ہیں: "........اس واقعہ کے تیسرے دن جناب عالی (نواب مہابت جنگ بہادر۔ یعنی علی وردی خان) اساس دیورہ خود روانہ ہوگئے۔ چونکہ مرہٹوں کی فوج قرب وجوار میں تھی۔ پانچ ہزار فوج جناب عالی کے ہمراہ گئی۔ اساس دیورہ جب دو کوس باقی رہ گیا۔ حکم دیا کہ کل فوج یہیں قیام کرے۔ جناب عالی اپنے ہمراہ چند رفقاء و چند خدمت گار لے کر پالکی پر خانقاہ پہنچے۔ یہ دیکھ کر حضرت شاہ غلام علی صاحب کو بہت رنج ہوا اور فرمایا تم فوج کیوں چھوڑ آئے۔ کیا فقیر کو اس لائق نہ سمجھا کہ تمہاری فوج کی مہمانداری کرے۔ آخر کل فوج کو بلانا پڑا۔ آٹھ دن سب کو مہمان رکھا، بوقت رخصت سب کو جوڑے دیئے۔"

حضرت مولانا شاہ احمد کبیر ابوالحسن فردوسی سجادہ نشیں خانقاہ دیورہ بن شاہ محمد علی بن شاہ غلام امام کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ مجیب الحق فردوسیؒ خانقاہ فردوسیہ سملہ میں اور منجھلے صاحبزادے حضرت شاہ فدا حسین خانقاہ برہانیہ فردوسیہ دیورہ شریف کی سجادگی پر بٹھائے گئے اور دونوں ہی خانقاہیں حضرت مخدوم جہاں قدس سرہ کے سلسلۂ فردوسیہ کے مشن کو کامیابی سے آگے بڑھا رہی ہیں۔ اس وقت خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ سملہ شریف کے سجادہ نشیں حضرت محمد طاہر عثمانی فردوسی بن شاہ محمد قاسم بن شاہ محمد مجیب الحق کمالی فردوسیؒ کے صاحبزادے حضرت شاہ محمد صہیب عثمانی فردوسی مدظلہم ہیں۔

حضرت شاہ محمد مجیب الحق کمالی فردوسی ۲۳ رمضان ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کو عبادت وریاضت اور تزکیہ نفس سے خاص رغبت تھی۔ آپ نے اپنی عمر عزیز عبادت وریاضت اور علم وادب کی خدمت میں صرف کی۔ صوبہ بہار میں عموماً اور وابستگان سلسلہ فردوسیہ میں خصوصاً آپ کا فیضان جاری ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ محمد جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی پانی پتیؒ، حضرت خواجہ عبدالرحمان گازرونیؒ اور حضرت امیر عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوتا ہوا خلیفہ راشد حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ مکمل نسب نامہ درج ذیل ہے:

حضرت شاہ محمد مجیب الحق کمالی بن شاہ احمد کبیر ابوالحسن شہید بن شاہ محمد علی بن شاہ غلام امام (بن شاہ جار اللہ) بن شاہ محمد اعظم بن شاہ محمد کبیر بن شاہ محمد معروف بن شاہ منصور دانشمند بن مخدوم شاہ برہان الدین عرف خوند میاں دیوروی بن خواجہ برخوردار بن خواجہ اسحاق فردوسی بہاری بن خواجہ داؤد پانی پتی بن خواجہ سلیمان بن خواجہ ابدال بن خواجہ شبلی بن خواجہ محمد جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی (برادر حقیقی حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتی) تا حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔

مولانا حکیم سید احمد اللہ ندوی مرحوم "تذکرہ مسلم شعرائے بہار" میں حضرت شاہ محمد مجیب الحق کمالی فردوسی قدس سرہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"حضرت حکیم شاہ محمد مجیب الحق فردوسی عثمانی سملوی متخلص بہ کمالی، موضع سملہ، تھانہ رفیع گنج۔ ضلع گیا (موجودہ ضلع اورنگ آباد)

کے رہنے والے تھے اور وہاں کے پیرزادوں میں تھے۔ آپ حکیم بھی تھے............ حضرت کمالی کی تاریخ رحلت ۲۷ ذی القعدہ ۱۳۳۲ھ ہے............ حضرت کمالی کی تصانیف میں "نکات سرمدی" معروف بہ "مکتوب محمدی" جو آپ کے جد محترم حضرت شاہ محمد علی دیوروی ہمنوی کے مکتوبات ہیں۔ اور "صلوٰۃ الحلیۃ" جس میں حلیہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بشکل درود شریف بیان کیا گیا ہے اور اہل دل میں مقبول اور بابرکت ہے۔"

نقشہ شجرہ و اولاد حضرت شاہ محمد مجیب الحق عثمانی فردوسیؒ

موضع چاکند پیرنگہہ اور خاندان عثمانی

شاہ ماہ رو عثمانی بن شاہ محمد عثمانی ویپوروی

(۱) ان کی اہلیہ ثانی حمیدہ خاتون پانچ بچوں کے ساتھ بنگال میں شہید ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شاہ غلام حسین بن شاہ غلام علی عثمانی فردوسی
بی بی شاکرہ زوجہ
شاہ نصیرالدین پھلواروی
بی بی عاقلہ زوجہ
میر کرامت علی (پاسی)
محمد امین زینبی پھلواروی
محمد فرید پھلواروی
بی بی بارکہ زوجہ
شاہ امین زینبی پھلواروی
از محل دوم
از بطن بی بی بارکہ
شاہ انور علی
سجادہ نجم خانقاہ دیورہ بے لاولد
بی بی قادرہ
زوجہ شاہ احمد علی پاسی
بی بی حکیم النساء زوجہ
منشی مولانا محمد علی ـــ سجادہ سوم سملہ
بی بی کبیر النساء زوجہ
میر سید سرفراز علی محلہ مراد پور بہار شریف
شاہ احمد کبیر ابوالحسن شہید
سجادہ سوم سملہ ـ و ـ
سجادہ دائم دیورہ
شاہ عبدالحی
زوج صغری بیت
شاہ ابوتراب قادری تکیہ پیر بگہہ
دختر زوجہ
سید شاہ حسین علی ، انگھر
دختر زوجہ
کبیر حسین سملہ لاولد
میر سید ہدایت حسین وغیرہ
میر سید بضاعت حسین وغیرہ
شاہ مجیب الحق عثمانی فردوسی
سجادہ خانقاہ سملہ
شاہ فدا حسین
سجادہ خانقاہ دیورہ
مظہر سعید
علی عظیم
عبدالحق
آمنہ
سید ولایت حسین (وغیرہ)
زوج امینہ خاتون بنت میر سید ظفیر الدین
(راقم قیام الدین نظامی کی خالہ)
ساکن محلہ بابال ادم پور
شاہ محمد قاسم فردوسی (سجادہ)
حکیم مولانا محمد فردوسی
امینہ
صالحہ
شاہ طاہر عثمانی فردوسی (سجادہ)
طیب عثمانی ندوی
حسن عثمانی
حسین عثمانی
سلمہ
جہاں آرا
جمال آرا
حسن آرا
قدسیہ بانو
شاہ صہیب عثمانی
مجیب عثمانی
تسنیم عثمانی
تحسین عثمانی
تمیم عثمانی
مبشر عثمانی
زہیرہ

حضرت الحاج محمد تیغ علی شاہ قدس سرہٗ

شمالی بہار کے ضلع مظفر پور کے ایک چھوٹے سے گاؤں موضع گوریارہ میں اپنے وقت کے شیخ المشائخ، ولی کامل اور صوفی بزرگ حضرت ... مولانا محمد تیغ علی شاہ قدس سرہ العزیز ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ معتقدین و متوسلین اور مریدوں میں آپ "سرکار" اور "اعلیٰ حضرت" کے ... سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اور چونکہ آپ کی قائم کردہ خانقاہ، مدرسہ، مسجد اور آپ کا مزار اقدس موضع سرکا ٹہی، ضلع مظفر پور میں مرجع خلائق ہے۔ ... نے آپ شیخ المشائخ، اعلیٰ حضرت سرکار سرکا ٹہی کے نام نامی سے مشہور ہیں۔ برادر محترم سید شاہ شمیم منعمی، سجادہ نشیں خانقاہ منعمیہ، میتن گھاٹ، ... ماہنامہ "رفاقت" نومبر ۱۹۸۸ء میں آپ کے اوصاف حمیدہ و صفات ستودہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کمسنی ہی سے آپ کے شب و روز لہو و لعب سے پاک اور غیر معمولی گزرتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ عہد طفلی میں پیش آنے والے ... غیر معمولی واقعات کی راویہ ہیں۔ غرضکہ عہد شعور کی آمد سے قبل ہی آپ کی ولایت کے چرچے ہونے لگے تھے...... چودھویں صدی ہجری ... حضرت شاہ تیغ علی قادریؒ کی ذات والا صفات متقدمین صوفیاء کی یاد تازہ کرتی ہے۔ لاگ لپیٹ، ریا و تصنع، جاہ و حشم اور طمطراق سے ... سادگی، عاجزی و انکساری اور فروتنی کا دھنی یہ فقیر اپنی مثال آپ تھا۔ ہر ہر قدم پر سنت نبوی ﷺ کے پیروی کا التزام فرماتے۔ ... آپ کا اخلاق دوسروں کو فوراً گرویدہ بنالیتا۔ عفو و درگزر کا مادہ آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھا۔"

صاحب "انوار صوفیہ" نے کتاب "مظاہر قطب الانام" کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "آپ مادر زاد ولی تھے۔" اسی کتاب میں ... لکھا ہے کہ "...... آپ ابتدائے ایام سے ذکر و فکر، تسبیح و تہلیل اور تقدیس و تمجید سے والہانہ شیفتگی رکھتے تھے۔"

حضرت الحاج مولانا محمد تیغ علی شاہ قدس سرہ العزیز کی ابتدائی تعلیم مولانا شاہ سبحان علیؒ سے مظفر پور میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ مزید تعلیم ... لئے مدرسہ عالیہ کلکتہ پہنچے۔ اور علوم ظاہری میں مشغول ہوئے۔ دوران تعلیم ظاہری ہی میں آپ کی طبیعت اولیاء و مشائخ کی صحبت اختیار کرنے ... طرف مائل ہوئی۔ دل میں خدا طلبی کا جوش موجزن ہوا۔ اور تصوف سے شغف پیدا ہوا۔ نتیجتاً مرشد کامل کی تلاش و جستجو نے حضرت مولانا ... سمیع احمد قادری آبادانی فریدی، مقیم محلہ برئی پاڑہ، کلکتہ کی صحبت میں پہنچادیا۔ آپ روزانہ مدرسہ عالیہ کلکتہ سے محلہ برئی پاڑہ چار میل کا سفر کرکے ... حضرت مولانا آبادانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ حضرت کی صحبت بابرکت اور سلسلہ قادریہ کے بزرگوں کے فیوض و برکات سے ... آپ سلوک کے منازل طے کرنے لگے۔ حضرت مولانا سمیع احمد قادری آبادانی مونگیریؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ عبادت و ریاضت اور ... سخت مجاہدہ میں مشغول رہنے لگے۔ ابھی راہ سلوک کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ پیر و مرشد نے آپ کو اپنے خلیفہ خاص حضرت شاہ مولا علی لال گنجیؒ کے ... سپرد کرکے خود کلکتہ سے اپنے وطن مالوف، خانپور، مونگیر شریف لے گئے جہاں کچھ دنوں بعد آپ نے وصال فرمایا۔ حضرت محمد تیغ علی شاہؒ نے کامل ... چودہ سال حضرت شاہ مولی علی لال گنجی کی خدمت میں صرف کیا۔ آخر ایک روز حضرت شاہ مولی علی آپ کو ساتھ لے کر مونگیر کے لئے روانہ ... ہوئے حضرت مولانا سمیع احمد قادری آبادانی کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے اور حضرت الحاج محمد تیغ علی شاہ قدس سرہ کو خلافت و اجازت سے سرفراز

فرمایا۔

اپنے پیر حضرت مولانا شیخ احمد آبادانی مونگیری کے سلسلہ قادریہ آبادانیہ کی خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت الحاج محمد تیغ علی شاہ قدس سرہ سیر و سیاحت کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ وقت کے اولیاء و مشائخ کی خدمت میں حاضری دی۔ رشد و ہدایت کے بڑے بڑے مراکز خانقاہوں اور بزرگوں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے آپ اپنے دادا پیر حضرت مولانا حافظ فرید الدین آروی ؒ کی آستانہ بوسی کے لئے آرہ پہنچے۔ خانقاہ قادریہ، آبادانیہ فریدیہ کے سجادہ نشیں علامہ حافظ شاہ محمدؒ نے بڑی محبت اور خلوص سے آپ کی مہمانداری کی اور سلسلہ قادریہ مجددیہ آبادانیہ فریدیہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ پھر آپ پھلواری شریف تشریف لے گئے۔ وہاں کے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی اور صاحب سجادہ حضرت محی الملت والدین مولانا سید شاہ محی الدین قادری مجیبی قدس سرہ سے خلوت میں ملاقات کی۔ پھلواری شریف میں آپ کا دو دن قیام رہا دوسرے دن صبح کے وقت حضرت محی الملت نے پھر آپ کو طلب فرمایا اور سلسلہ قادریہ وارثیہ عمادیہ جنیدیہ مجیبیہ اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ صابریہ قلندریہ کی اجازت سے سرفراز فرما کر کچھ تبرکات عنایت فرمایا۔ آپ کے اپنے حلقے کے ایک بزرگ حضرت حکیم سید شاہ جلال الدین جرھوی مظفر پوری نے بھی اپنی طرف سے اجازت و خلافت لکھ کر آپ کے حوالے کیا۔

حضرت الحاج محمد تیغ علی شاہ قدس سرہ نے مظفر پور کے موضع سرکانہی میں ایک شاندار خانقاہ، مسجد اور مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ جہاں علم دین کے طالب شریعت کی راہ کے راہی اور طریقت و حقیقت کے متلاشیوں کا مجمع دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ بہت جلد موضع سرکانہی علم و عمل کا مرکز اور روحانیت کا روشن مینارہ بن کر چمک اٹھا۔ آپ نے اپنے آخری لمحات کو وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت خلق، عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار میں مشغول رکھا۔ بہار و بنگال اور غازی پور کے علاقوں میں بکثرت لوگوں نے آپ اور آپ کے تبلیغی مرکز سے راہ ہدایت پائی۔

حضرت تیغ علی شاہ قدس سرہ کے وعظ و نصیحت، امر بالمعروف کی طرف بلانے اور نہی عن المنکر سے روکنے کا طریقہ بالکل اچھوتا اور نرالا تھا۔ آپ عام فہم اور سیدھے سادھے الفاظ میں کتاب و سنت کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے۔ جس طرح آپ کی اپنی ذات والا صفات تصنع و بناوٹ سے پاک تھی اسی طرح آپ کی گفتگو بھی آسان اور سادہ تھی۔ آپ کے اقوال و ملفوظات کا مجموعہ (بیاض) خانقاہ قادریہ آبادانیہ تیغیہ موضع سرکانہی شریف میں موجود ہے۔ آپ کے عقائد سے متعلق اور چند ضروری و زریں اقوال قارئین کے فائدے کے لئے درج کئے جاتے ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :

☆ ''میں ندائے یا رسول اللہ! یا غوث! کا قائل ہوں۔ میں ان حضرات کو دربار الٰہی میں اپنا وسیلہ جانتا ہوں۔ ان کی شفاعت کا قائل ہوں۔ میں ان حضرات سے دونوں زندگیوں میں استمداد و توسل کو جائز مانتا ہوں۔ میں میلاد شریف اور قیام و سلام کا قائل ہوں۔ میں فاتحہ گیارھویں اور عرس کو جائز جانتا ہوں۔ میں عملاً مطلقاً ائمہ مجتہدین (ائمہ اہل سنت و الجماعت) میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری سمجھتا ہوں اور ان میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو دوسروں کی تقلید سے افضل سمجھتا ہوں۔'' (بحوالہ ''انوار صوفیہ'' مرتبہ احمد جید القادری)

☆ ''........ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ نیکیوں کو اپنا معشوق بنالوں گا تاکہ جب میں مروں تو یہ آخرت تک میرے ساتھ رہیں اور قبر

تک رفاقت کا حق ادا کریں یہ معشوق باوفا معلوم ہوتا ہے۔"

☆"........ معلوم ہوا کہ اصلی مقصود خداوند کریم کی ذات ہے۔ تب خواہشات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، یہاں تک کہ نفس طاعات الٰہی میں فرمانبردار و مطمئن ہوگیا۔"

☆"........ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان تمام اشیاء (دنیاوی) کی قدر و قیمت کو باقی رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کا رخ اللہ کی طرف پھیر دیا جائے۔"

☆"میں نے دیکھا کہ کوئی تو مال کی فراوانی پر نازاں ہے اور کسی کو حسب نسب کی بزرگی پر گھمنڈ ہے۔ لیکن جو اصلی معیار ہے وہ شے اور ہے۔ وہ یہ ہے کہ "انّ اکرمکم عند اللہ اتقکم" (تم میں سے اللہ کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو متقی ہے) اس سے میں نے جانا کہ اگر بزرگی حاصل کرنا ہے تو تقویٰ سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا چاہیئے۔ مال و دولت، حسب و نسب کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔"

☆"میں نے جب لوگوں کی اس بیماری پر سوچ بچار کیا کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کو برا کیوں کہتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچے میں مجھے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ اس کا اصل باعث حسد ہے۔ اس لئے اس بیماری سے نجات حاصل کرنے میں لگ گیا۔"

☆"میں نے مقابلہ و مجادلہ کے اسباب پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ معاملہ رزق و مال کا ہے۔ اور شیطان ان کو ایک دوسرے کے خلاف ازروئے عداوت اکساتا ہے۔ "انّ الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا" (شیطان تمہارا دشمن ہے۔ لہذا اسے اپنا دشمن ٹھہراؤ) میں نے اس نصیحت پر عمل کیا اور شیطان کی انگیخت سے مجتنب رہنے لگا۔"

☆"........ ہر ایک فرد کسی نہ کسی مخلوق پر تکیہ کیے ہوئے ہے۔ کسی کو اپنی صفائی پر بھروسہ ہے۔ اور کوئی صحت بدنی پر سہارا کیے بیٹھا ہے۔ میں نے سوچا یہ سارے سہارے غلط ہیں۔ کیوں نہ اللہ ہی پر بھروسہ کیا جائے۔ "ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ" (اور جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا وہ جان لے کہ اس کے لئے اللہ کافی ہے۔)

۱۔ شریعت پر قائم رہو، طریقت خود بخود حاصل ہو جائے گی۔

۲۔ جب تک نفس مردہ نہ ہو دل زندہ نہیں ہو سکتا۔

۳۔ اگر دل غیر اللہ سے پاک ہے تو محبوب ورنہ مردود۔

۴۔ فقیر انگلی کے پوروں سے اسرار و معارف کو سمجھا دیتا ہے۔

۵۔ دعویٰ صوفیت سہل ہے، لیکن صوفی بننا بڑا ہی مشکل ہے۔

۶۔ متکبر انسان کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

۷۔ تصوف سراپا ادب ہے۔

۸۔ بزرگوں کی صحبت اختیار کرو زندگی سنور جائے گی۔

۹۔ سب سے پہلے جو گناہ وجود میں آیا وہ حسد ہے۔

۱۰۔ صبر و شکر سالک کے لیے دولت لازوال ہے۔

۱۱۔ سالک کے لیے جہاد بالنفس ہی جہاد اکبر ہے۔

حضرت الحاج محمد تیغ علی شاہ قدس سرہ العزیز کا وصال ۲۹ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ (۱۹۵۸ء) کو بعد نماز مغرب ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اور اپنی خانقاہ میں والدہ اور اہلیہ کے قریب آپ مدفون کیے گئے۔

مزار اقدس حضرت مخدوم شعیب رح
شیخ پورہ ۔ مونگیر

حضرت شاہ ابوصالح محمد یونس شعیبی فردوسیؒ

"شرفا کی نگری" حصہ اول کی تالیف وترتیب کے موقع پر مجھے چند کتابوں کی تلاش تھی۔ ان میں حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی قدس سرہ کی "مناقب الاصفیاء" بھی تھی۔ جو کمدہ یابندہ کے مصداق مجھے "مناقب الاصفیاء" کا اردو ترجمہ برادرم سید عزیز ابدالی صاحب مدظلہ سے ملا۔ جس کا ترجمہ "مصابیح رشاد" کے نام سے حضرت شاہ ابوصالح محمد یونس شعیبی فردوسیؒ نے کیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مجھے حضرت شاہ صاحب سے ایک خاص محبت وعقیدت پیدا ہوگئی۔ جب میں ۱۹۹۷ء میں ہندوستان گیا تو بہار شریف میں حضرت کے بڑے صاحبزادے شاہ محمد علاء الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ایک کتاب "یادگار قلندر" مجھے دیتے ہوئے فرمایا "یہ کتاب آپ میرے چچازاد بھائی ظفر سلطان صاحب کو کراچی میں دیدیں گے۔ میرے پاس یہی ایک جلد باقی رہ گئی ہے جو بھائی صاحب کی امانت ہے۔ "یادگار قلندر" مصنفہ ڈاکٹر محمد مجاہد عارف دراصل حضرت الحاج شاہ محمد یونس شعیبیؒ کی سوانح ہے۔ زیر نظر تذکرہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

حضرت شاہ ابوصالح محمد یونس شعیبی فردوسی قدس سرہ العزیز حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد بن یحیٰی منیریؒ کے چچازاد بھائی حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی شیخ پوروی کی اولاد سے ہیں۔ "یادگار قلندر" میں آپ کا شجرہ نسب اس طرح تحریر ہے :

سید ابوصالح محمد یونس بن ابوسعید بن برکت حسین بن محمد حسین بن اسد علی بن غلام حسین بن شیخ شرف الدین بن شیخ غلام مصطفےٰ بن شیخ منہاج الدین بن شیخ شہاب الدین بن شاہ جلال بن مخدوم فیروز بن نظام الدین بن مخدوم مظفر بن مخدوم عالم پناہ حضرت شاہ شعیب بن مخدوم جلال بن مخدوم عبدالعزیز بن امام تاج فقیہ تا حضرت زبیرؓ (عم رسول اللہ ﷺ)۔ حضرت امام محمد تاج فقیہ سے اوپر کا نسب "شرفا کی نگری" حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت الحاج شاہ ابوصالح محمد یونس علیہ الرحمۃ کا خاندان اصل رہنے والا شیخ پورہ، ضلع مونگیر کا تھا۔ لیکن آپ کے والد اپنی سسرال موضع مہانند پور میں آباد ہوگئے تھے۔ اس طرح حضرت شاہ صاحب ۱۹۱۷ء میں موضع مہانند پور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی۔ پھر بہار شریف میں مولوی نورالحسن صاحب اور مولانا حفیظ صاحب کے درس میں شریک ہوئے۔ مدرسہ وحیدیہ، ضلع آرہ سے عربی، فارسی، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرکے مستند عالم دین ہوئے۔ مزید تعلیم کے شوق میں آپ نے الہ آباد، کان پور اور لکھنو کا سفر بھی کیا اور کچھ دنوں ندوۃ العلماء میں بھی زیر تعلیم رہے۔ حصول تعلیم کے بعد کچھ دنوں آپ تلاش معاش میں سرگرداں رہے۔ آخر کچھ دنوں مظفر پور میں اپنے چچازاد بھائی سید محمد مجتبیٰ وکیل کے ساتھ رہے اور وہاں کے ہائی اسکول میں معلمی کرنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں کلکتہ پہنچے۔ کلکتہ کے دوران قیام آپ نے شام نگر کے علاقہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ یہاں آپ نے حصول رزق کے ساتھ سماجی کاموں میں بھرپور طریقہ سے حصہ لیا۔ مذہبی، معاشی، رفاہی، معاشرتی اور تعلیمی کاموں میں مشغولیت کے علاوہ آپ کا تعلق سیاست سے بھی رہا۔ مسلم لیگ کے آپ

سرگرم کارکن تھے۔ حصول آزادی کے لئے بھی آپ نے کام کیا۔۱۹۴۲ء کو آپ کلکتہ سے وطن واپس ہوئے اور امارت شرعیہ بہار سے وابستہ ہوگئے۔ اس دینی تنظیم سے منسلک ہوکر آپ نے تبلیغی کام انجام دیا۔ صوبہ بہار کے گوشہ گوشہ کا سفر کیا اور دین مصطفوی علیہ السلام کے حقیقی روح سے مسلمانوں کو روشناس کرایا۔

ایک بار حضرت شاہ ابوصالح محمد یونس قدس سرہ ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ موضع سملہ، ضلع گیا تشریف لے گئے۔ یہاں آپ کی ملاقات حضرت شاہ محمد قاسم فردوسی علیہ الرحمۃ سجادہ نشیں خانقاہ فردوسیہ سملہ سے ہوئی اور آپ ان کے دست حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہوئے۔ مرشد نے بیعت کے بعد تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ اس طرح آپ نسبی اور روحانی دونوں طرف سے شعیبی فردوسی ہیں۔ آپ اکثر روحانی تعلیم و تربیت کے لئے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ اب آپ نے شہروں کے بجائے پہاڑی اور جنگلی علاقوں کا رخ کیا۔ بقول ڈاکٹر محمد مجاہد صاحب آپ نے اپنی عمر کا آخری طویل حصہ پلاموں، مدھیہ پردیش اور اڑیسہ کے پہاڑی اور جنگلی علاقوں میں گزارا۔ جن میں "چاندو پہاڑی" کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس پہاڑی پر آپ چلہ کشی کیا کرتے تھے۔ اور جنگلی قبائیلیوں میں تبلیغ کا کام کیا کرتے۔ موضع کیری سے متصل چاندو پہاڑی آپ کی چلہ گاہ کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بکثرت چلہ گاہوں، مراقبہ گاہوں اور عبادت گاہوں سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے ذکر و اذکار کا ایک نیا سائنٹفک طریقہ اپنایا تھا۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا اصول تھا کہ مریدوں اور معتقدین کو ان کے مزاج اور ذوق و شوق کو دیکھتے ہوئے ان کی رہنمائی کیا کرتے تھے۔ دینی درسی کتابوں سے شغف رکھنے والوں کے لئے مدرسے قائم کئے۔ لکھنے پڑھنے کا شوق رکھنے والوں کے لئے ایک ادارہ "دارالرشاد" ۱۹۵۹ء میں قائم کیا۔ جس کے تحت دینی کتابوں کی اشاعت کے علاوہ ایک رسالہ "الرشاد" جاری کیا۔ عبادت گزاروں، ورد و وظائف سے ذوق رکھنے والوں اور عشق حقیقی سے سرشار لوگوں کے لئے جنگلوں اور بیابانوں میں چلہ گاہوں اور مراقبہ گاہوں کی بنیاد رکھی۔ حضرت محمد یونس شعیبی قدس سرہ نے جو مدارس قائم کئے اس کی ایک فہرست صاحب "یادگار قلندر" نے تحریر کیا ہے۔ وہ مدارس درج ذیل ہیں:

۱۔ صوبہ بہار کے ضلع نالندہ کے بقرہ اور دیپ نگر قصبوں کے مدارس۔

۲۔ صوبہ بہار کے ضلع گریڈیہہ کے محلہ بڑھیا کھاد کا مدرسہ۔

۳۔ صوبہ بہار کے ضلع پلاموں کے کیری، جنترا ئین اور لاوا گڑھ قصبوں کے مدارس۔

۴۔ صوبہ اڑیسہ کے ضلع میور بھنج کے شہر باری پدا کا مدرسہ۔

۵۔ صوبہ بنگال کے کلکتہ شہر کے محلہ شام نگر (گوریلیا بازار) کا مدرسہ۔

ڈاکٹر محمد مجاہد "یادگار قلندر" میں چلہ گاہوں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: "اندرون صوبہ اور بیرون صوبہ حضور حضرت گرم بیل قلندر (آپ معتقدین اور ہمعصروں میں گرم بیل قلندر کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں) نے کل کتنی چلہ گاہیں قائم کیں اس کی مکمل تعداد کسی کو معلوم نہیں۔ لیکن جن علاقوں کی عوام کی رسائی یعنی آمد و رفت کا سلسلہ قلندر کے دولت کدے (واقع بہار شریف محلہ لہیری سرائے) پر ہوتی تھی۔ ان علاقوں کے چلہ گاہوں کا مندرجہ ذیل پتہ ہے۔"

۱۔ چاندو پہاڑ	موضع کیری کی وپانکی، ضلع پلاموں، صوبہ بہار۔
۲۔ چلہ گاہ قلندر	موضع تاہرو تتبرو، ضلع پلاموں، صوبہ بہار۔
۳۔ چلہ گاہ قلندر	موضع جے نگر، ضلع سرگجہ، صوبہ مدھیہ پردیش۔
۴۔ میدان صالحین	موضع برگیڈیہہ، ضلع سرگجہ، صوبہ مدھیہ پردیش۔
۵۔ چلہ گاہ قلندر	موضع سہٹ، ضلع بالیسر، صوبہ اڑیسہ۔

''یادگار قلندر'' میں مزید لکھا ہے۔

''ان تمام چلہ گاہوں میں ''چاندو پہاڑی'' کو خاص مرکزیت اور اہمیت حاصل ہے ....اس لئے گرم سیل قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کی تاریخ کا علم سب کو قبل ہی سے ہوتا تھا..........آپ کے قیام کے لئے پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹی سی کٹیا ہے۔جس کو ''کہف کبیر'' کہا جاتا ہے۔اور اس کے اطراف نصف پہاڑی کی بلندی تک مریدوں کے ''کہف'' ہیں..........ہر مرید کو دس دنوں کا چلہ کرنا پڑتا تھا..........اپنے چلہ کے دوران وہ دن کو ''صوم صمت'' یعنی روزہ نہ بولنے کی قید کے ساتھ رکھتا اور شام کو جو کی روٹی سے افطار کرتا تھا۔اکثر و بیشتر دسمبر کی سردیوں کا مہینہ ہوتا تھا۔پورا پہاڑی دامن چلہ کشوں سے بھرا ہوتا تھا۔سبھی لوگ اپنے اپنے ''کہف'' میں درود و وظائف میں مشغول ہوتے تھے..........آج کل ان چلہ گاہوں میں بقیہ تمام پروگراموں کے علاوہ ہر انگریزی ماہ کی ۴ تاریخ کو حلقے کے افراد اجتماعی طور پر قرآن خوانی کی مجلس برائے ایصال ثواب حضور گرم سیل قلندر کرتے ہیں۔''

حضرت شاہ ابو صالح محمد یونس شعیبی فردوسی (گرم سیل قلندر) بیسویں صدی کے صاحب شریعت و طریقت اور کشف وکرامت بزرگ تھے۔آپ سے بکثرت کرامات کا ظہور بھی ہوا۔آپ پا پیادہ جنگلوں اور بیابانوں میں چکر لگایا کرتے۔ایک بوڑھے اُدراؤں جو ضلع پلاموں کے جنگلی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا کے نابینا بیٹے کی آنکھ میں اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے اس کو بینائی نصیب ہوئی۔آپ کے ایک مرید شیخ عبداللہ کا بیٹا گونگا تھا۔آپ نے اس بچے کو ایک چھوہارا چبا کر کھلایا اور تمام حاضرین کے ساتھ دعا فرمائی۔وہ بچہ اسی وقت بولنے لگا۔آج شیخ امیر بن امیر اللہ ایک ہائی اسکول میں ٹیچر ہیں۔کلاس میں بڑی روانی سے لیکچر دیتے ہیں۔حضرت شاہ صاحب جڑی بوٹیوں سے امراض کا علاج بھی کرتے تھے۔آپ کو تصنیف و تالیف سے بھی لگاؤ تھا۔درج ذیل تصانیف آپ کی مشہور ہیں جن میں سب سے بڑا کارنامہ حضرت مخدوم شاہ شعیب قدس سرہ کی ''مناقب الاصفیاء'' کا ترجمہ ہے۔

صبح ہدایت۔رہنمائے طریقت۔میلاد الرشاد۔مصابیح رشاد و (ترجمہ مناقب الاصفیاء) دو جلدوں میں۔

حضرت گرم سیل قلندر شاہ ابو صالح محمد یونس قدس سرہ نے ۴ جون ۱۹۸۶ء کو وصال فرمایا اور حضرت مخدوم سید احمد چرم پوش تیغ برہنہ کے آستانہ کے اندر آرام فرما ہیں۔آپ کا عرس ۲۷ رمضان المبارک کو منعقد ہوتا ہے۔

نقشۂ خاندان حضرت شاہ محمد یونس شعیبی فردوسیؒ
مخدوم شاہ شعیب فردوسیؒ
بہاء الدین
دختر زوجہ شاہ جنید
زین الدین محمد
محمد اسد اللہ
محمد رضاء
نواب علی ابراہیم خاں خلیل
(مصنف تذکرہ گلزار ابراہیم)
مخدوم مظفر
بندگی شاہ نظام الدین
مخدوم فیروز
شاہ جمال
شاہ شہاب الدین
شاہ عبد الفتاح
شاہ عین الدین
شاہ فتح اللہ
شاہ شمس الدین
شاہ منہاج الدین
شاہ غلام مصطفیٰ
شاہ شرف الدین
شاہ غلام حسین
شاہ اسد علی
شاہ محمد حسین
شاہ محمد برکت حسین
شاہ ابو سعید
شاہ نور الدین
شاہ محمد آگاہ
بی بی عظیمن
شاہ جمال علی بلخی
شاہ برہان الدین بلخی
شاہ شرف الدین بلخی
شاہ نجم الدین بلخی
(سجادہ خانقاہ مخدوم شعیب شیخپورہ مونگیر)
مسماۃ لطیفن
لاولد
شاہ ضمیر الدین
حاجی نصیر الدین
شاہ ابو صالح محمد یونس شعیبی فردوسی
علیم الدین
ظہیر الدین
سید شاہ محی الدین — زوجین — ام کلثوم
صغرا
عائشہ
شہاب الدین
شاہ محمد علاء الدین
ڈاکٹر محمد مجاہد عارف
مسماۃ صفیہ
سمیع الدین
سید شاہ نظام الدین —— زوجین — مسماۃ سلمٰی
سید شاہ حسام الدین
سید شمس الدین شعیبی
مریم شعیبی زوجہ
سعدیہ شعیبی زوجہ
سید ندیم احمد نظامی بن راقم سید قیام الدین اورنگپوری
عادل عمر بن شاہد۔ شاہ آباد آرہ
سید سعد احمد نظامی
سید معاذ احمد نظامی
فریحہ سلمہا

نقشہ اولاد سید شاہ محی الدین (ساکن بگہ شیخ پورہ ۔ مونگیر)
سید شاہ نظام الدین
سید صبیح الدین
بی بی صفیہ
ظفیر الدین
زبیر شعیبی
شہر بانو
بی بی ہاجرہ
بی بی سکینہ
بی بی مسعودہ
انجم
حسن امام
زبیدہ شعیبی
رقیہ
رضیہ
اقبال
سنبل
افضال
سہیل
بے بی
منی
سید شاہ حسام الدین
سید احتشام الدین
سعیدہ
آمنہ
طاہرہ
خورشیدہ
احمدی
زوجہ سید شاہ محمد علیم (شیخ پورہ)
سید محمد صلاح الدین
ذکی
جاوید
بی بی عرشی
فوزیہ
سہیل
جمال شعیبی
کمال شعیبی
شکیل شعیبی
عقیل شعیبی
عارف شعیبی
شمس العارفین
بی بی عشرت
بی بی نکہت
ممتاز جہاں
عرف حمیرا
زوجہ اکرام الحق
(ابراہیم گنج، مونگیر)
احمد شہاب الدین
شعیبی
شمس الدین
شعیبی
صمصام ضمیر الدین
شعیبی
احتشام الدین
شعیبی
شہناز
عرف لاڈلی
زوجہ احمد علی
(شیخ پورہ، مونگیر)
احترام النساء
عرف ناہید
زوجہ جمال شعیبی
مریم شعیبی
زوجہ سید محمد کریم احمد نظامی بن راقم سید قیام الدین نظامی
سعدیہ شعیبی
سید سعد احمد نظامی
سید معاذ احمد نظامی
فریحہ سلمیٰ
بی بی فرح
یاسر جمال شعیبی
بی بی ثناء
بی بی ثمرہ

مسماۃ ممتاز جہاں عرف حمیرا بنت سید شاہ حسام الدین (شیخ پورہ)
مسماۃ صوفیہ زوجہ نذر الاسلام (امام نگر)
انوار الحق
رضوان الحق
مسعود الحق

سید احمد شہاب الدین شعیبی بن سید شاہ حسام الدین
زوج راشدہ خاتون
بی بی ثریا
سیف الدین شعیبی
صبیح محسن شعیبی
بی بی عالیہ
بی بی ماریہ

سید صمصام ضمیر الدین شعیبی بن سید شاہ حسام الدین
بی بی نوشین
عدیل شعیبی
دانش شعیبی

سید احتشام الدین شعیبی بن سید شاہ حسام الدین
زوج افشاں خاتون بنت سید محی الدین
بی بی سمرین
بی بی سارہ
بی بی شیبہ

شہناز عرف لاڈلی بنت سید شاہ حسام الدین
بی بی زینب
بی بی طلعت
مشرف
یاسمین صبوحی
بی بی ظل ہما
محمد علی

نقشہ اولاد شاہ محمد حسین بن شاہ اسد علی (شیخ پورہ۔ مونگیر)
برکت حسین
شرافت حسین
شجاعت حسین
سخاوت حسین
نامعلوم
نامعلوم
ابوسعید
شاہ ابوصالح محمد یونس
(شعیب فردوسی)
ساکن محلہ مجبری سرائے بہار شریف
شاہ محمد علاء الدین
ڈاکٹر محمد مجاہد عارف
ڈاکٹر ناظر حسین (ساکن موضع بیتھوا)
غلام صادق
مظہر امام
بشیر الدین
نصیر الدین
نجمہ خاتون
زوجہ مرتضیٰ حسن
احمد جمال صادق
نفیسہ خاتون
مسماۃ عفت
مسماۃ فردوسی
زوجہ سید رضا احمد
لاولد
برجیسہ محمود
زوجہ نذیر احمد
جرالانہ لاولد
محمد جعفر صادق
ہاشمہ خاتون
احسن امام
کاظمہ خاتون
وسیمہ خاتون
ذکیہ خاتون
زوجہ قمر الرحمان کاکوی
مرتضیٰ حسن
ڈاکٹر مصطفےٰ آزاد
محمد مجتبیٰ وکیل
نور الہدیٰ عرف
نسیم ندوی، لاولد
ثریا خاتون
زوجہ اسرار الحسن
صوفیہ خاتون
زوجہ سید احمد حسین
(مصدول)
ظفر سلطان
زوج فہمیدہ خاتون بنت
ڈاکٹر علیم الحق (رہی)
ہاشم رضا
زوج فاطمہ خاتون

نقشہ اولاد ڈاکٹر ناظر حسین بن شجاعت حسین (پیٹھانہ)
ذکیہ خاتون
مرتضیٰ حسین
ڈاکٹر مصطفےٰ آزاد
زوج سیدہ خاتون بنت سید نور الحسن
جوڑا ون پور مظفر پور
محمد مجتبیٰ الحسن وکیل
زوج آل زہرا بنت یوسف امام
کرا یہ پر سرائے
نور الہدیٰ
لا ولد
قریشہ خاتون
زوجہ سید مظفر الدین
عتیق الرحمان
ریحانہ خاتون
زوجین لاولد
آفتاب اسلام
جمالہ خاتون
زوجہ رشید الرحمان ارشد کاکوی
جمیل الرحمان
عقیل الرحمان
ثریا خاتون
صوفیہ خاتون
حبیب فاطمہ
باسط علی
مظفر سلطان
ہاشم رضا
روشن آرا
زوجہ حامد رضا
افتخار الحسن
شوکت آرا
زوجہ کاظم رضا
شمع
زوجہ زاہد رضا
انصار الحسن
زوج زیبا
رابعہ
سلمان
خالد رضا
طارق رضا
صالحہ خاتون
سعدیہ
ناجیہ
عالیہ
عمران
عائشہ
حفصہ
ماریہ
مظفر سلطان
یاسمین
زوجہ مزمل رضوی
رضوان
ارسلان
ناہید
زوجہ میر عبداللہ قادری
غضنفر سلطان
زوج عزالہ عبداللہ قادری
شہریار غضنفر
شمع
سہیلہ
فوزیہ
فواد رضا
فیصل رضا
اسعد رضا

نقشہ اولاد محمد مجتبیٰ وکیل بن ڈاکٹر ناظر حسین (پیٹھانہ)
شمس الضحیٰ
زوجہ عقیلہ بنت
وصی امام کراکے پہرائے
عسکری امام
صدیقہ خاتون
زوجہ شاہ برکت اللہ
مظفر پور
نجم الہدیٰ
زوجہ نسیمہ خاتون بنت
عبدالماجد اختر
راکعہ خاتون
زوجہ نظمی مظہر ماجد
موضع پچرو کھی ضلع گیا
ساجدہ خاتون
زوجہ زاہد امام
شاہدہ خاتون
لاولد
سنبل
آصف امام
ساجد عالم
زوجہ شیریں بنت عبدالمتین
موضع فیروزی
عیشہ
رحمانی
حشمت اللہ
صادقہ
نوری
راشد
اطہر
عادل
ادیبہ
فریدہ
ماہر
فیصل
زوجہ مہوش بنت
سید وصی احمد زیدی
(بھانجی راقم قیام الدین)
یاسر
اسد امام
یاور امام
امیر امام
ناہید زہرا
نورعین زہرا
شوکت ضحیٰ
الماس زہرا
بدلاکس زہرا
ثروت ضحیٰ
ندرت
فروزہ

حضرت مولانا قاضی محب اللہ بہاریؒ

دنیائے اسلام کے مایہ ناز عالم دین شاہزادہ رفیع القدر بن محمد معظم شاہ عالم بن اورنگزیب عالمگیر کے معلم اور اتالیق اور "مسلم العلوم" و "مسلم الثبوت" جیسی مشہور عالم کتاب کے مصنف حضرت مولانا قاضی محب اللہ بہاریؒ کے حالات زندگی تاریکی میں ہیں۔ یہاں تک کہ مولانا موصوف کے نسب پر بھی تحقیق نہ ہوسکی بلکہ اس مسئلہ کو مشکوک بنا دیا گیا ہے۔ "علمائے ہند کا شاندار ماضی" میں مولانا محمد میاں دہلوی نے قاضی صاحب جیسے جید عالم دین اور منطق و اصول فقہ کے عالمی شہرت کے مالک اور بے نظیر مصنف کا تذکرہ سرسری طور پر بہت مختصر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

"عنفوان شباب میں دیار پورب کی سیاحت کی۔ اور جابجا چیدہ چیدہ حضرات سے ابتدائی اور درجات وسطی کی کتابیں پڑھیں۔ آخر میں سید قطب الدین شمس آبادی کی خدمت میں پہنچے اور قطب والا درجات کی رہنمائی سے درجات تکمیل طے کئے زیور فضائل سے آراستہ ہوکر دکن کی جانب سفر کیا۔ اور بارگاہ خلد مکانی (عالمگیر بادشاہ) میں باریاب ہوکر لکھنؤ کے منصب قضا پر فائز ہوئے......دوبارہ دکن کا رخ کیا اور حیدرآباد کے منصب قضا کی خدمت پر مامور و سرفراز ہوئے......شاہزادہ رفیع القدر کے اتالیق مقرر ہوئے۔ جب شاہ عالم پیش گاہ خلافت سے صوبہ کابل کی گورنری پر مامور ہوئے تو قاضی محب اللہ صاحب شاہزادہ کے ہمرکاب کابل پہنچے۔ حضرت سلطان عالمگیر کی وفات کے بعد جب شاہ عالم سلطنت مغلیہ کے فرماں روا اعظم اور مختار مطلق شہنشاہ ہوکر ہندوستان واپس آئے تو قاضی صاحب کا اختر اقبال بھی اوج جلال پر پہنچا۔ جملہ ممالک محروسہ کی صدارت اور فاضل خان کے پرہیبت خطاب سے آپ کے فخر و مباہات میں چار چاند لگائے گئے"

مولف موصوف کی مندرجہ بالا عبارت کو مفصل اور غور سے پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ موصوف کو، قاضی صاحب کا پے در پے قاضی مقرر ہونا، صدارت پر متمکن ہونا اور فاضل خان کا خطاب حاصل کرنا اچھا نہ لگا۔

محترم جناب مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی صاحب مدظلہ اپنی کتاب "تذکرہ علمائے بہار" میں تحریر فرماتے ہیں :

"قاضی محب اللہ عثمانی صدیقی صوبہ بہار کے ملک برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کا نام عبدالشکور تھا۔ ولادت ضلع نالندہ کے کڑا گاؤں میں ہوئی۔ یہ راجگیر کے راستہ میں بہار شریف سے ۱۵ کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اور آج کل حیدر گنج کڑا کے نام سے مشہور ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کیا۔ علوم دینیہ عربیہ میں فضل و کمال کی تکمیل کے لئے قنوج کا سفر کیا۔ اور شمس آباد میں قطب دوراں شیخ قطب الدین شمس آبادی کی خدمت میں حاضر ہوکر علوم و فنون کی تکمیل کی......سلطان محمد معظم شاہ عالم نے ان کی انتہائی قدر کی اور پورے ملک کے لئے صدر ہند کے عہدہ پر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ بٹھایا۔ اور ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء میں فاضل خان کے لقب سے سرفراز کیا"

جناب قاسمی صاحب مدظلہ قاضی صاحب موصوف کو ایک طرف عثمانی اور دوسری طرف صدیقی بھی لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ملک برادری سے بھی تعلق بتاتے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد صدیقی اور خلیفہ سوئم کی اولاد عثمانی کہلاتی ہے

اور بہار کے ملک حضرات ایک الگ برادری سے ہیں۔ حضرت مولانا قاضی محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ نسبی طور پر نہ عثمانی تھے اور نہ ہی صدیقی۔ اور ملک برادری سے تو ان کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ بلکہ وہ صحیح النسب سادات گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ والدہ، دادی یا نانی کی طرف سے عثمانی یا صدیقی حسب رکھتے ہوں۔ اس سلسلہ میں جناب حکیم سید احمد اللہ ندوی مرحوم اپنی کتاب "مسلم شعرائے بہار" حصہ اول کے صفحہ نمبر ۲۷۹ پر لکھتے ہیں: "موضع قطب پور ضلع پٹنہ کے ایک معزز سید خاندان جس کے جد امجد مولانا محب اللہ بہاری مصنف "مسلم العلوم" اور "مسلم الثبوت" تھے۔ جو جامعہ از ہر تک میں پڑھائی جاتی ہے۔" پھر "مسلم شعرائے بہار" کے حصہ سوم کے صفحہ نمبر ۲۰ پر صبا چشتی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "منظور الحسن نام صبا تخلص...... والد ماجد کا نام مولانا سید محمد اسحاق ہے جو شہر آرہ کے رہنے والے ہیں۔ لیکن بعد میں موضع سالار پور میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور والدہ ماجدہ موضع قطب پور ضلع پٹنہ کی رہنے والی ہیں۔ جن کی ساتویں پشت کے بزرگ مولانا محب اللہ بہاری مصنف "مسلم العلوم و مسلم الثبوت" ہیں۔" برادر محترم سید محمد اسلم صاحب سالار پوری مقیم کراچی (جو محترم صبا چشتی کے سگے خالہ زاد بھائی ہیں) سے اس سلسلہ میں اس ناچیز کی گفتگو ہوئی تھی۔ موصوف کا بیان ہے کہ ان کی نانیہالی موضع قطب پور میں ہے اور ان کی والدہ محترمہ بی بی فاطمہ بنت سید محمد حسین کا نسبی تعلق حضرت مولانا قاضی محب اللہ بہاری سے ہے جو صحیح النسب سادات میں تھے۔ محترم سید محمد اسلم صاحب کے ماموں سید صادق اللہ ندوی مرحوم قاضی صاحب کے ساتویں پشت کے پوتے ہیں۔

راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی جب اپنی کتاب "شرف کی نگری" حصہ اول کو ترتیب دے رہا تھا تو یہ خیال تھا کہ حصہ سوم میں علماء و مشاہیرین بہار کا تذکرہ کروں گا۔ لیکن معلوم ہوا کہ میرے دوست محترم امین صاحب میر نگری علمائے بہار پر کام کر رہے ہیں اور ایک بڑا ذخیرہ انہوں نے جمع کر رکھا ہے۔ اس خبر کے بعد میں نے اپنا کام ملتوی کر دیا اس لئے کہ امین صاحب مجھ سے بہتر طریقے سے یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں موصوف سے اکثر گفتگو ہوتی رہی۔ دوران گفتگو انہوں نے بتایا کہ حضرت مولانا محب اللہ بہاریؒ پر کافی مواد مع مکمل نسب نامہ ان کے پاس موجود ہے۔ میں اپنی کتاب کے حصہ دوم میں تبرکاً چند علماء کا ذکر کر رہا ہوں۔ جن میں قاضی صاحب موصوف بھی ہیں۔ اگر امین صاحب قاضی صاحب کا نسب نامہ عنایت فرما دیتے تو میں ان کے حوالے اور شکریہ کے ساتھ زیر نظر تذکرہ میں درج کر دیتا۔ بہر حال اپنے محترم دوست سے گزارش کروں گا کہ ایک مضمون حضرت مولانا قاضی محب اللہ بہاری کے نسب نامے کے سلسلہ میں کسی رسالے یا اخبار میں شائع کرا دیں تاکہ ان کی تحقیق ان ہی کی تحریر سے منظر عام پر آ جائے، قاضی صاحب کے نسب کا مسئلہ حل ہو جائے اور نسب نامہ ضائع ہونے سے قبل شائع ہو کر محفوظ ہو جائے۔

حضرت مولانا قاضی سید محب اللہ بہاری قدس سرہ العزیز جیسی علوم اسلامیہ پر گہری نظر اور اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے آپ کے زمانہ میں خال خال نظر آتے ہیں۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیر اور سلطان محمد معظم شاہ عالم کے دور حکومت میں آپ کی قدر دانی آپ کے فضائل علوم دینیہ کی وجہ سے تھی۔ سلطان عالمگیر نے اپنے پوتے کا معلم اور اتالیق مقرر کیا۔ پھر لکھنؤ کا قاضی بنایا اور تمام تر درباری مخالفت کے باوجود آپ کو دکن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ سلطان شاہ عالم اول نے اپنے دور حکومت میں پورے ہندوستان کا صدر اعلیٰ مقرر کیا اور ہیبت خان کا لقب عطا کیا۔ حضرت مولانا قاضی سید محب اللہ ہیبت خان نے عمر بہت کم پائی۔ لیکن اپنی مختصر سی عمر اور ہیبت خانی کی تھوڑی سی مدت میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ علمی دنیا

سے ان کا نام مطایانہ جاسکا۔ آپ بکثرت کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سلّم العلوم، مسلّم الثبوت، الجواہر الفرد اور مغالطہ عامۃ الورود وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ جناب سید مرتضیٰ پرویز مرحوم اپنی کتاب "تاریخ کے گمشدہ اوراق" میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کی ایک تحریر نقل کرتے ہیں:

"عالمگیری عہد میں تلوار تو زیادہ تر اور صوبوں کے باشندوں کی دکن میں آئی لیکن تلوار کے بعد جب دکن کو قلم کی ضرورت ہوئی تو ابن وقت خود حضرت خلد مکانی اورنگ زیب کی نگاہ مردم شناس بہار کی طرف اٹھی اور بہار کے مشہور فاضل جلیل علامہ محب اللہ بہاری کو حیدر آباد کے منصب قضاء پر مامور فرمایا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عہدہ کے لئے یعنی مفتوحہ ملک کی عدالت کے نظم کے لئے علامہ محب اللہ سے زیادہ اس زمانے میں کوئی دوسرا شاید ہی مستحق ہو سکتا تھا۔ جس شخص کی صرف دو چھوٹی چھوٹی کتابوں سلّم اور مسلّم نے (بقول شبلی نعمانی) دو سو سال تک درس نظامیہ کے نصف نصاب کو اپنے پیچھے دبا رکھا یعنی اس درس کے نصاب میں تو دنیا بھر کے علوم کی کتابیں تھیں اور آدھا نصاب صرف ان ہی دو کتابوں کی شرح و حواشی کے نیچے دبا ہوا تھا۔ آج سے پچاس سال پہلے تک یہ حال تھا کہ ہندوستان سے بخارا تک عالم ہونے کی سند اسی شخص کو مل سکتی تھی جس نے ان دونوں کتابوں یا ان میں سے کسی ایک پر کچھ لکھ دیا ہو۔ یعنی ثابت کر دیا کہ اس میں ان دونوں کتابوں کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے۔"

"تذکرہ علمائے ہند" کے مصنف مولوی رحمان علی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"علوم کے سمندر اور ستاروں میں چاند کے مصداق تھے......... عالمگیر بادشاہ کی طرف سے لکھنؤ اور حیدر آباد کے یکے بعد دیگرے قاضی ہوئے۔ اس کے بعد بادشاہ کے پوتے رفیع القدر بن شاہزادہ معظم ملقب بہ شاہ عالم کی تعلیم پر مقرر ہوئے۔ ممالک ہند کی صدارت اور فاضل خاں کا خطاب ملا۔"

حضرت مولانا قاضی سید محب اللہ بہاری کو تصوف سے خاص لگاؤ اور حضرت مخدوم سید شاہ فرید الدین طویلہ بخش چشتی چاند پوری بہاری قدس سرہ اور ان کے سجادہ نشینان خانقاہ چشتیہ فریدیہ، محلہ چاند پورہ، بہار شریف سے خصوصی عقیدت و ارتباط تھا۔ آپ چاند پورہ کے چشتی فریدی سلسلے کے ایک بزرگ سے بیعت و ارادت رکھتے تھے۔ آپ کا وصال چوالیس سال کی عمر میں ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء کو ہوا اور مخدوم سید فرید الدین طویلہ بخش قدس سرہ کے احاطہ مزار میں آسودہ خاک ہیں۔ تمام تر کوششوں کے باوجود راقم السطور سید قیام الدین نظامی القادری الفردوسی، حضرت قاضی صاحب کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر روشنی نہ ڈال سکا۔ امید رکھتا ہوں کہ میرے محترم دوست جناب امین میر تکری صاحب تذکرہ علمائے بہار مرتب کر کے کمی پوری فرمائیں گے۔

علمائے صادق پور

(اور ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک)

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، تاریخ میں جہاد تحریک کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس تحریک کو انگریزوں نے وہابی تحریک کے نام سے مشہور کیا۔ اس کے بانیوں میں سید احمد بریلوی، مولانا اسماعیل دہلوی اور صادقپور، پٹنہ کے مولانا ولایت علی تھے۔ اس تحریک کا پہلا بڑا مرکز عظیم آباد، پٹنہ کا محلہ صادقپور تھا۔ وہ عمارت جس میں مرکز کا دفتر، مجاہدین کی تربیت گاہ اور مبلغین کا صدر مقام تھا "قافلہ" کہا جاتا تھا۔ صادقپور پٹنہ کی اسی عمارت سے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تربیت یافتہ مجاہدین کثیر تعداد میں اور مالی وسائل صوبہ سرحد میں محاذ جنگ پر فراہم کی جاتی تھیں۔ مجاہدین کی غالب اکثریت علمائے صادقپور کے اعزاء و اقارب اور بہار و بنگال کے مسلمانوں کی ہوا کرتی تھی۔ اس تحریک میں اولیت صوبہ بہار کو حاصل تھی۔ لیکن افسوس نام نہاد متعصب اور بددیانت مورخوں اور تذکرہ نگاروں نے اس متبرک تحریک اور اس کے محترم بانیوں کی تاریخ کو مسخ کرکے چھوڑا۔ اس تحریک کے چھ سالہ دور پر صد در صد صفحات اس طرح سیاہ کئے گئے کہ چالیس سال کی جدوجہد اور قربانیوں کی تاریخ مدھم ہو کر رہ گئی۔ تحریک کے شہید ال مولوی باقر علی، ناظم صوبہ بہار کے ناز و نعم میں پرورش پانے والے پوتے قمر الدین حسین شہید، قاضی میر سید عثمان شہید اور اسی طرح ان گنت شہیدوں کی قربانیوں کو بددیانت مورخوں کا نوک قلم پی گیا۔ حضرت علامہ غلام رسول مہرؒ (اللہ ان کے درجات کو بلند کرے) نے قلم کا حق ادا کر دیا۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ اپنی کتاب "جب ایمان کی بہار آئی" میں لکھتے ہیں: "یہ پوری تاریخ مہم جوئیوں اور قربانیوں اور ایسے حوادث و مصائب اور ایذا رسانی و بربریت کی داستان ہے، جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں، یہ مسلسل جنگوں اور معرکہ آرائیوں کا سلسلہ تھا، جو قتل و غارت گری، املاک و جائیداد کی ضبطی، طویل مقدمات، جلاوطنی اور اخراج، اور ایسی تحقیق و تفتیش پر مشتمل تھا، جو قرون وسطٰی میں یورپ کی عدالتوں کے ساتھ مخصوص تھا، اگر جان نثاری ایثار و قربانی اور ہمت و جوانمردی کے وہ سارے کارنامے جو اس ملک کے جہاد حریت اور قومی آزادی کی تاریخ سے متعلق ہیں، ایک پلڑہ پر رکھے جائیں اور اہل صادق پور (خاندان مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ) کے کارنامے اور قربانیاں ایک پلڑہ میں تو آخر الذکر کا پلڑہ نمایاں طور پر بھاری ہوگا۔"

مسلمانوں کا مشہور زمانہ انگریز دشمن ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر جذبہ دشمنی میں اپنا بے قابو ہوا کہ بڑے ہی نفرت انگیز الفاظ میں سب کچھ اگل گیا۔ وہ اپنی مشہور کتاب "OUR INDIAN MUSALMANS" میں لکھتا ہے۔ ترجمہ۔

"پٹنہ میں طویل قیام کے بعد ان کے (سید احمد بریلویؒ کے) مریدوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ ایک باقاعدہ نظام حکومت کی ضرورت پیش آ گئی........ انہوں نے چار خلیفے (مولانا ولایت علی، عنایت علی، فرحت حسین برادران اور مولوی محرم علی کو) مقرر کئے یعنی روحانی نائب اور قاضی

القضاۃ (شاہ محمد حسین کو جو مولانا ولایت علی کے ماموں تھے) مقرر کیا.........اس طرح پٹنہ میں ایک مستقل مرکز قائم کرنے کے بعد انہوں نے دریائے گنگا کے ساتھ کلکتہ کی طرف (حج کے لئے ۱۸۲۱ء) کوچ کر گئے۔"

ہنٹر مزید لکھتا ہے:

"پٹنہ (صوبہ بہار) کی عدالت کے کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے خلفاء (مولانا ولایت علی و مولانا عنایت علی صادقپوری) نے مذہبی آتش بیانوں کی حیثیت سے سرحد میں کافی نام پیدا کر لیا تھا......... وہ پنجاب میں مجاہدین کے نام سے موسوم تھے اور اسی حیثیت سے محافظوں کے درمیان (یعنی پولیس کسٹڈی میں) ان کو ان کے وطن پٹنہ میں پہنچا دیا گیا......... لیکن ۱۸۵۰ء میں وہ پھر جنوبی بنگال کے راجشاہی ضلع میں بغاوت پھیلاتے ہوئے پائے گئے۔ اور وہاں بھی ان سے امن قائم رکھنے کے لئے مچلکہ لیا گیا......... ۱۸۵۲ء میں بھی دونوں خلفاء باوجودیکہ وہ مچلکہ اور ضمانت کی بنا پر.........اپنے گھر پٹنہ میں رہنے کے لئے مجبور تھے۔ پھر بھی پنجاب کی سرحد پر بغاوت پھیلاتے ہوئے پائے گئے۔"

"انہی دنوں (۱۸۵۲ء) پٹنہ کے مجسٹریٹ نے رپورٹ دی کہ اس شہر میں باغی جماعت کے آدمیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اس انگریز صوبہ کے دارالخلافہ کے مجاہدین شہر میں بغاوت کی اعلانیہ تبلیغ کر رہے تھے۔ پولیس بھی ان ہی دیوانوں کی طرفدار تھی۔ اور ان کے لیڈروں میں سے ایک نے اپنے مکان (واقع محلہ صادقپور) میں سات سو آدمی اس غرض کے لئے جمع کر رکھا تھا کہ اگر اس سلسلہ کی کوئی مزید تفتیش ہوئی تو ان کا مقابلہ ہتھیار سے کیا جائے۔"

"ایک دفعہ پھر ان مجنونوں کی تحریک تباہی کے قریب معلوم ہوتی تھی (یعنی سید احمد کی شہادت ۱۸۳۱ء کے بعد)۔ مگر پٹنہ کے خلیفوں کے تبلیغی جوش اور مال و دولت نے جو ان کے تصرف میں تھی (یعنی ان کی ذاتی دولت) مقدس جھنڈے کو خاک سے اٹھا کر ایک بار پھر بلند کر دیا۔ انہوں نے تمام ہندوستان میں اپنے مبلغ دوڑا دیئے اور مذہب کو اس حد تک زندہ کیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا.........پٹنہ کا مرکزی پراپیگنڈہ ان کے اقتدار کو پائیدار اور مستقل کرتا رہتا تھا.........اب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجاہدین کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔ پنجاب کی سرحد پر ان کی قوت بالکل توڑ دی گئی تھی اور ان کا سردار قتل کر دیا گیا تھا۔ جنوبی بنگال میں بھی باغیوں کا یہی حشر ہوا تھا۔ مگر وہ خلیفے جن کو امام صاحب (سید احمد) نے پٹنہ (بہار) میں اپنا نائب مقرر کیا تھا بچاؤ کے لئے آموجود ہوئے.........سب سے مقدم پٹنہ کا مرکزی دارالاشاعت ہے۔ جس نے کچھ مدت کے لئے اس شہر میں انگریزی حکام کا مقابلہ کیا تھا اور جو سرکاری مقدمات کی وجہ سے اب بہت کمزور ہو گیا ہے۔ لیکن پھر بھی تمام بنگال (اس وقت بنگال و بہار ایک ہی صوبہ تھا) میں کافی اثر رکھتا تھا.........پٹنہ کے خلفاء جو انتھک واعظ، خود اپنے آپ سے بے پرواہ، بے داغ زندگی بسر کرنے والے، انگریزی حکومت کو تباہ کرنے میں ہمہ تن مصروف، روپیہ اور رنگروٹ جمع کرنے کے لئے ایک مستقل نظام قائم کرنے میں نہایت چالاک، وہ اپنی جماعت کے اراکین کا نمونہ اور ان کے لئے ایک مثال تھے۔ ان کی بہت سی تعلیم بے عیب تھی اور یہ انہیں کا کام تھا۔"

ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر، مولوی جعفر تھانیسری اور مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی "جعفر بہت دور دراز تک پھیلی ہوئی وہابی سازش میں داخل ہو گیا۔ اس کے خفیہ فرائض نے اس کے نفرت انگیز پیشہ کو بھی مقدس بنا دیا۔ کیونکہ وہ اس کے متعلق لکھتا ہے "میں نے اس کام کو ایک خاص آدمی کے حکم کے مطابق اور ایک خفیہ مقصد کے لئے اختیار کر رکھا

ہے۔" ......یہ خاص شخص پٹنہ (بہار) کا مولوی یحییٰ علی (مولانا ولایت علی صادقپوری کے بھتیجے داماد، مرید، خلیفہ اور شاگرد تھے) ہندوستان میں وہابیوں کا پیشوا تھا......... یحییٰ علی مبلغین کا افسر اعلیٰ اور خلیفہ تھا......... یحییٰ علی رئیس المبلغین کے بہت سے فرائض تھے وہ ہندوستان میں تمام سفری مبلغین کا روحانی پیشوا ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ خط و کتابت کرتا۔ پھر جملہ دستاویز کو خفیہ زبان میں ترتیب دیتا اور لکھتا......... وہ مسجد میں نماز با جماعت کی امامت کرتا، ان بندوقوں کی جانچ پڑتال بھی کرتا جو مجاہدین کو روانہ کی جاتیں اور وہ طالب علموں کو الٰہیات کا درس دیتا۔ اس کا اپنا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا...... سب سے زیادہ یہ کہ یحییٰ علی اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ پٹنہ میں انگریزی حاکموں کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اس خاندان میں سے ایک ہماری حکومت میں اعزازی عہدے پر مامور اور دوسرا ہماری سرحد پر مجاہدین کی چھاپہ مارنے والی جماعت کی رہنمائی کر رہا تھا...... سر ہربرٹ ایڈورڈ نے اس کے لئے (مولوی یحییٰ علی عظیم آبادی کے لئے) سزائے موت تجویز کرتے ہوئے ...... کہا کہ یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ گیا ہے کہ یحییٰ علی ہی اس سازش کا کرتا دھرتا ہے جس کا انکشاف اس مقدمہ میں ہوا......... وہ بہت تعلیم یافتہ انسان ہے۔ اور اپنی لاعلمی کا عذر پیش نہیں کر سکتا...... وہ موروثی باغی ہے۔"

سید احمد بریلوی: جہادی تحریک کے قائد سید احمد بریلوی بن سید محمد عرفان ۱۲۰۱ھ کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ذہنی اور باضابطہ تعلیم بہت کم پائی۔ لیکن تصانیف کو دیکھنے سے آپ کے علم اور قدرت زبان کا واضح پتہ ملتا ہے۔ والد کے انتقال کے بعد سترہ سال کی عمر میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ دنوں لکھنؤ کے ایک نواب کے یہاں ملازمت کی۔ دہلی بھی گئے۔ پہلے سفر دہلی میں شاہ عبد القادر کی شاگردی اختیار کی اور شاہ عبد العزیزؒ کے مرید ہو گئے۔ ۱۲۲۴ھ میں ٹونک تشریف لے گئے اور امیر خاں نواب ٹونک کی فوج میں ملازم ہو گئے جہاں آپ کے بڑے بھائی سید ابراہیم پہلے سے ملازم تھے۔ سات سال بعد ۱۲۳۱ھ میں پھر دہلی آ گئے۔ جہاں مولانا اسماعیل دہلویؒ اور مولانا عبد الحئیؒ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ۱۲۳۱ھ سے مختلف علاقوں مثلاً سہارنپور، شاہجہاں پور، رام پور اور پیلبھیت وغیرہ کا دورہ کر کے لوگوں کو اتباع سنت اور شریعت کی پیروی کی ترغیب دیتے رہے۔ وزیر نصیر الدولہ کی دعوت پر لکھنؤ گئے۔ لکھنؤ میں بہار کے ایک رئیس زادے، ایک اعلیٰ خاندان کے فرد اور ناظم صوبہ بہار کے نواسے مولانا ولایت علی زبیری الہاشمی صادقپوریؒ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ مولانا سید صاحب کے مرید ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے ان کے ہو رہے۔

سید احمد بریلویؒ، مولانا ولایت علی صادقپوریؒ کے ساتھ بریلی لوٹے اور ان کے مشوروں سے مسلمانوں میں جذبہ جہاد فی سبیل اللہ اجاگر کرنے کا پروگرام مرتب فرمایا۔ سید صاحب ۱۲۳۶ھ کو حج پر روانہ ہوئے۔ دریائی راستہ سے بنارس، الہ آباد، مرزا پور، چنار گڑھ، غازی پور، زمانیہ، بکسر، دانا پور، پٹنہ، قصبہ باڑھ، سورج گڑھ، پھلواری شریف، مظفر پور، مونگیر اور راج محل ہوتے ہوئے اور ان علاقوں میں قیام کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ ۱۲۳۹ھ کو آپ حج سے واپس لوٹے اور دو سال بعد تمام مریدوں اور مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مغربی سرحد کے آزاد قبائلی علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور علم جہاد بلند کیا۔ بعد ازاں اپنے نامور خلفاء حضرت مولانا ولایت علی و مولانا عنایت علی برادران صادقپور اور مولانا محمد علی رامپوری کو حیدرآباد دکن، بنگال و بہار اور مدراس کے علاقوں کی طرف روانہ کیا تاکہ مجاہدین کی کمک اور مالی وسائل بہم پہنچائیں۔

۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۴ء تا ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء یعنی چھ سال تک سید صاحب مسلمانوں کے دشمن سکھوں سے نبرد آزما رہے اور

دوسری طرف جاہل و متعصب اور غدار و بے وفا درانی ، ہوتی ، ہتولی سرداروں اور یوسف زئی و بارک زئی سرحدی قبائل کو راہ راست پر لانے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس دوران مولانا ولایت علی ، مولانا عنایت علی ، شاہ محمد حسین ، مولوی یحییٰ علی ، مولانا فرحت حسین (علمائے صادق پور) ، سید محمد علی رام پوری اور مولانا عبدالرحمان لکھنوی وغیرہ مجاہدین کو محاذ جنگ پر بھیجتے رہے اور جنگی اخراجات کے لئے روپے فراہم کرتے رہے۔ آخر چھ سال کی مدت میں چھوٹی بڑی کئی لڑائیاں سکھوں اور غدار مسلمان قبائلی سرداروں سے لڑ کر ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو جنگ بالاکوٹ میں سید احمد بریلویؒ ، مولانا اسماعیلؒ اور دوسرے جانثاروں کے ساتھ شہید ہوئے۔

سید صاحب نے پہلی جنگ سکھوں سے اکوڑہ میں لڑی تھی۔ جس میں مولانا ولایت علی کے حقیقی چچازاد بھائی مولوی باقر علی ۱۹ سال کی عمر میں سب سے پہلے شہید ہوئے اور تحریک کے شہید اول کا خطاب پایا۔ پشاور کے ساتھ میں مولانا کے بھگنے ماموں زاد بھائی شیخ قمر الدین ، ناظم صوبہ بہار کے پوتے ۱۸ سال کی عمر میں غدار سردار سلطان محمد خان درانی کے آدمیوں کے ہاتھوں اپنے ہم وطن اور پشاور کے قاضی سید مظہر علی عظیم آبادی کے ساتھ شہید کئے گئے۔ مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کے پھوپھی زاد برادر نسبتی قاضی میر سید عثمان علی ، سید صاحب کے ساتھ بمقام سید و سکھوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی ۱۸۳۱ء کی جہاد تحریک ، سید احمدؒ اور مولانا اسماعیلؒ کی شہادت اور دوسری طرف طالبان کے ملا عمر اور اسامہ بن لادن کی جہاد تحریک کو سب سے بڑی اسلامی تحریک تصور کرتا ہے۔ دونوں تحریکوں کا تعلق پاکستان کے صوبہ سرحد کے قبائلیوں اور ملک افغانستان سے بڑا گہرا ہے۔ اور دونوں میں مسلمانوں کا بے حد و حساب جانی و مالی نقصان ہوا۔ اور تحریک کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ راقم السطور نے بڑے دکھ و کرب کے عالم میں ناکامی کے وجوہات پر پوری سنجیدگی سے غور کیا تو غیبی طور پر جو آگہی ہوئی وہ کچھ اس طرح ہے...... دونوں تحریکوں میں قائدین صرف اور صرف توحید خداوندی کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اور رسالت کی قدر و اہمیت ان کی نظروں سے اوجھل رہی۔ افغان جنگ کے دوران علماء اور قائدین نے اپنے اخباری بیانات اور خطبات میں اللہ ، دین اسلام ، شریعت ، امت اور مسلمانوں کا ذکر تو بڑے شد و مد سے کیا لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نامی اسم گرامی لینا ضروری نہ سمجھا۔ اور بخالت سے کام لیا گیا۔ طالبان کے کابل چھوڑنے سے قبل میں نے کراچی کے چار علمائے ذی احتشام کی خدمت میں دستی خطوط ارسال کئے اور روزنامہ "جنگ" میں مراسلہ کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی کوشش کی تھی۔

حضرت مولانا ولایت علی زبیری الہاشمی صادق پوریؒ:

سانحہ جنگ بالاکوٹ کے بعد تحریک جہاد سرد پڑ چکی تھی۔ مولانا نصیر الدین دہلوی سندھ کے مزاری سرداروں کی بے وفائی اور سرحد کے زر پرست قبائلیوں کی مجاہدین سے کنارہ کشی اور سکھوں سے ان کی صلح کے نتیجے میں تحریک کو آگے بڑھانے میں ناکام رہے۔ تحریک جہاد بڑے نازک دور سے دوچار تھی کہ علمائے صادق پور نے اس کو پھر سے زندہ کر دیا۔ مجاہدین کو سکھوں اور غاصب انگریزوں سے جنگ کے لئے منظم کیا۔ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم اپنی کتاب "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں لکھتے ہیں:

"فاجعہ بالاکوٹ کے بعد تمام ملک پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ جماعت تتر بتر ہوگئی۔ اچھوں اچھوں کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ جہاد کا سارا کام

ختم ہوا چاہتا تھا کہ عظیم آباد پٹنہ محلہ صادقپور کے ایک فرزند نے یہ گرتا ہوا علم اپنے ہاتھوں سے تھام لیا۔ اور زندگی بھر (۱۸۳۱ء تا ۱۸۵۲ء یعنی اکیس سال تک) اپنے سینوں سے لگائے رکھا اور پھر اس فرد کامل کے بعد اس کے بھائیوں، بھتیجوں اور عزیزوں نے جس طرح اپنے خون سے اس نخل خزاں دیدہ کی آبیاری کی ہے وہ اسلامی ہند کی پوری تاریخ میں اپنی آپ مثال ہے۔''

حضرت مولانا ولایت علی صادق پوریؒ، سلطان المحققین مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری فردوسی قدس سرہ کے منجھلے بھائی مخدوم شیخ خلیل الدین فردوسی کی اولاد سے تھے۔ جن کا سلسلہ نسب فاتح شہر منیر حضرت امام محمد تاج فقیہ ؒ سے ہوتا ہوا حضرت زبیر عم رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے ''شرفا کی نگری'' حصہ اول)۔ مولانا ولایت علی ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے۔ آپ بڑے ذہین و ذکی تھے اس لئے سات سال کی عمر میں اچھی استعداد پیدا کر لی۔ پھر آپ کے والد مولوی فتح علی صاحب نے آپ کی تعلیم خود شروع کی اور مختصرات تک تعلیم مکمل کی۔ آپ نے مولوی رمضان علی صاحب مجتہد امامیہ سے بھی درس لیا۔ مولانا محمد اشرف لکھنوی سے لکھنو میں چار سال تک تعلیم حاصل کی۔ لکھنو کے قیام کے دوران ہی آپ کی ملاقات حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ سے ہوئی۔ آپ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان کے ساتھ بریلی تشریف لے گئے۔ بریلی میں آپ نے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے حدیث پڑھی۔ مولانا اسمٰعیلؒ نے آپ کو جماعت میں اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔ مولانا ولایت علی کا تعلق بہار کے ایک رئیس گھرانے سے تھا۔ آپ ایک خوش پوش، نفاست پسند اور شوقین نوجوان تھے لیکن سید صاحب کی صحبت بابرکت نے زندگی میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ جماعت والوں کی خدمت کرنے لگے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے، اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتے۔ مسجد بریلی کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ کام کرتے اور مٹی کے گارے تیار کرتے۔ اپنے شیخ کی سرپرستی میں تحریک جہاد کی بنیاد رکھی۔

سید احمد شہید کی حج پر روانگی اور واپسی کے موقع پر جب صوبہ بہار سے گذر ہوا تو علمائے صادقپور کا پورا گھرانہ اور ان کے عزیز و اقارب کی بڑی تعداد بیعت سے مشرف ہوئی۔ اس خاندان کے جن افراد نے تحریک جہاد میں جانی و مالی قربانیاں پیش کیں، کتابوں میں ان کے نام ملتے ہیں۔ وہ نام درج ذیل ہیں:

شاہ محمد حسین (خلیفہ اول سید صاحب)، مولانا احمد اللہ (اسیر اول جزیرہ انڈمان)، مولانا یحییٰ علی (اسیر انڈمان)، مولانا عنایت علی، مولوی طالب علی، مولانا فرحت حسین (برادران حقیقی مولانا ولایت علی)، مولوی باقر علی شہید اول (جنگ اکوڑہ)، مولوی قمر الدین حسین شہید (پشاور) اور قاضی میر سید عثمان علی شہید (جنگ سیدو) وغیرہ۔

شاہ محمد حسین کو سید صاحب نے بنگال و بہار کے لئے پٹنہ مرکز میں اپنا پہلا خلیفہ مقرر کیا۔ شاہ صاحب مولانا ولایت علی کے ماموں تھے۔ انہوں نے پٹنہ، مظفر پور، دربھنگہ اور مونگیر کے علاقوں میں جم کر جہاد کی تبلیغ کی اور مجاہدین کی کھیپ کی کھیپ سرحد و کشمیر کے جنگی محاذوں پر روانہ کیا اور مجاہدین کے جنگی اخراجات کے لئے خطیر رقوم فراہم کی۔

حضرت مولانا ولایت علی معہ اپنے بھائیوں اور عزیزوں کے ۱۸۲۴ء میں سید صاحب کے ساتھ سرحد پہنچے۔ وہاں سے بحیثیت سفیر والی کابل اور اس کے وزیر سے ملاقات کی اور تحریک کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا۔ کابل سے واپسی اور کچھ دنوں سرحد میں رہنے کے بعد سید

صاحب نے مولانا ولایت علی کو حیدرآباد دکن، مولانا عنایت علی کو بنگال اور مولوی سید محمد علی رامپوری کو مدراس کے علاقوں میں مجاہدین کی بھرتی اور مالی وسائل کے حصول کے لئے ہندوستان روانہ کیا اور ان علاقوں میں یہ حضرات ۱۸۳۱ء تک اپنا کام انجام دیتے رہے۔

سانحہ بالاکوٹ کے بعد مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی واپس پٹنہ تشریف لائے اور باہم مشورت سے تحریک کی تنظیم نو کا کام شروع کیا۔ مولانا پٹنہ مرکز میں رہے، بھائی کو دوبارہ بنگال بھیجا اور شاہ محمد حسین صاحب کو مسجد تموسیہ میں واعظ و مبلغ مقرر کیا اور جنوبی بہار کے علاقوں میں انہیں اپنا کام جاری رکھنے کی ہدایت کی۔ مولوی زین العابدین اور مولوی محمد عباس حیدرآبادی کو اڑیسہ اور الہ آباد میں متعین کیا۔ ہندوستان میں تحریک کو پورے طور پر مستحکم کرنے کے بعد آپ ۱۲۴۵ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ جہاں مولانا عبداللہ سراج محدث مکہ اور قاضی محمد بن علی شوکانی سے سند حدیث حاصل کیا۔ بعد حج نجد، یمن اور مسقط وغیرہ تشریف لے گئے۔ صدہا مسلمان ان علاقوں کے آپ کے مرید ہوئے۔

حج سے واپسی پر اپنے بھائی مولانا عنایت علی کو سرحد جانے کی ہدایت کی۔ مجاہدین کی دو ہزار جماعت کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں ۱۸۴۳ء سے روانہ کیا جانے لگا۔ اور مولانا عنایت علی ۱۸۴۴ء کے آخری دنوں میں سرحد پہنچے۔ اور بالاکوٹ کو سکھوں سے لڑکر خالی کرایا۔ سید ضامن شاہ کو ان کے علاقے سکھوں سے لڑکر واپس دلوائے۔ ستمبر ۱۸۴۶ء میں خود مولانا ولایت علی مع مولوی فیاض علی، مولوی یحیٰی علی اور مولوی اکبر علی سرحد پہنچ گئے۔ ۱۸۴۸ء میں دونوں بھائیوں کو حکومت برطانیہ پولیس حراست میں پٹنہ لے گئی اور گھر میں رہنے کے لئے مچلکہ (ضمانت) لیا گیا۔ لیکن مولانا عنایت علی موقع پاکر اپنے پرانے تبلیغی مشن پر بنگال نکل گئے۔

اب مولانا ولایت علی نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہجرت کرکے سرحد جانے کا فیصلہ کیا اور اپنے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی کو بھی پروگرام سے آگاہ کیا۔ لیکن انہیں بنگال سے واپسی میں دیر ہوگئی۔ مولانا ولایت علی ستمبر ۱۸۴۹ء کو مع اہل و عیال سرحد روانہ ہوئے اور مولانا عنایت علی نو ماہ بعد ۱۸۵۰ء کو روانہ ہوئے اور کھنڈ کی سرائے میں بھائی سے جا ملے اور ساتھ سفر جاری رکھا۔ دہلی میں قیام کے دوران آپ کے وعظ کی بڑی دھوم مچی۔ ہندوستان کے نام نہاد بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے دربار میں شرف باریابی کا شرف بخشا آپ نے درباری ادب کے خلاف زندگی کی ناپائیداریوں اور خوف خدا پر ایسی تقریر کی کہ بادشاہ اور درباریوں کے روتے روتے داڑھیاں تر ہوگئیں۔ مشہور شاعر مومن خان مومن اور ایک درباری معلم امام بخش آپ کے مرید ہوگئے۔

حضرت مولانا ولایت علی کامل آٹھ سال بحیثیت امام و امیر مجاہدین کی قیادت کرتے رہے۔ قبائلی سرداروں کو منظم کرنے کی کوشش کرتے رہے اور سکھوں اور انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ آخر ۱۸۴۴ء تا ۱۸۵۲ء مسلسل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد آپ شدید علیل ہوئے اور ۱۸۵۲ء کو اس دار فانی سے کوچ کرگئے۔

زبدۃ الکاملین، قدوۃ العارفین، شمس العلماء حضرت مولانا شاہ محمد سعید محدث عظیم آبادی قدس سرہ ساکن محلہ مغلپورہ، پٹنہ نے عربی میں قطعہ تاریخ وصال لکھا ہے۔ وہ درج ذیل ہے۔

ولایت علی العالم المتورع — توفی بالهجرة للذین ناصر

و هذا الذی قد طاب حیا ومیتا — فارخ قلبی طاب غاز مهاجر

حضرت مولانا اپنے وقت کے جید عالم دین، واعظ و ناصح اور مبلغ دین تھے۔ آپ کی تحریر و تقریر پر تاثیر ہوا کرتی تھی۔ جو کوئی آپ کی تقریر سنتا یا آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرتا دل و جان آپ کے سپرد کر دیتا۔ آپ کی تصانیف میں "ہدایۃ التوحید، رسائل تسعہ (اردو)، رسالہ شجرہ باثمرہ (اردو)، رسالہ دعوت (اردو)، بیان الشرک (اردو)، رسالہ رد شرک (فارسی)، رسالہ عمل بالحدیث (فارسی)" وغیرہ ہیں۔ انہیں کی تقریر و تحریر کا اثر تھا کہ بنگال و بہار کی سرزمین چالیس پچاس سال تک مجاہدین و غازی اور شہید پیدا کرتی رہی اور دور ساحل سے نظارہ کرنے والے قلمی مفکر و مجدد کی تصویر کشی کرتی رہی۔

حضرت مولانا عنایت علی صادقپوری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا ولایت علی کے منجھلے بھائی اور مولوی فتح علی کے صاحبزادے تھے۔ بڑے بھائی کے وصال کے بعد جہاد تحریک کے قائد اور امام المجاہدین منتخب ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر پٹنہ کے ممتاز رئیس اور تفسیر کے عظیم استاد سید محمد مسافرؒ کے شاگرد ہوئے بعد تعلیم استاد کی دختر نیک اختر سے منسوب ہوئے۔ اہلیہ اولی کے انتقال کے پندرہ سال بعد آپ کی دوسری شادی بیوہ اکبر علی دختر شاہ محمد حسین ساکن محلہ نمو بیہ، پٹنہ سے ہوئی۔

حضرت مولانا عنایت علی نے ۱۸۵۲ء کے بعد مجاہدین اور جہاد کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لی۔ جس طرح آپ نے صوبہ بنگال میں تبلیغ اور ارشاد کا کام مجاہدین کی بھرتی اور جنگی اخراجات بہم پہنچانے میں اپنی زندگی کے طویل قیمتی اوقات صرف کیے اسی طرح جنگ کے محاذ پر ایسی بے جگری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان کا مزاج اور طبیعت کا رنگ جدا تھا۔ ان پر تیزی اور شجاعت غالب تھی۔ سید صاحب سے بیعت کرنے کے بعد ایک منٹ کے لئے بھی آرام نہیں کیا...........اپنے شیخ کے ساتھ یہ بھی میدان جہاد میں شریک تھے کہ انہیں مولانا شہید دہلوی کے مشورے سے نواح دہلی کی طرف ان غلط فہمیوں کے سد باب کے لئے روانہ کیا گیا، جو بعض مدعیان علم نے مجاہدین کے خلاف ان اطراف میں پھیلا رکھی تھیں......آپ نے پہلی بار سات برس مسلسل نہایت جانفشانی اور بردباری کے ساتھ گاؤں گاؤں کا دورہ کیا اور انہیں دوروں کا اثر تھا کہ بنگال کی سرزمین تیس چالیس برس تک مجاہدین سرحد کے لئے آدمی اور روپے فراہم کرتی رہی۔ پھر آپ سید ضامن شاہ رئیس بالاکوٹ کی مدد کے لئے میدان جہاد پہنچے جہاں ایک مدت تک راجہ گلاب سنگھ والی کشمیر سے برسر پیکار رہے......جب حضرت مولانا ولایت علی خود سرحد پہنچ گئے تو آپ ان کی ماتحتی میں مصروف جہاد و قتال رہے۔"

رئیس بالاکوٹ سید ضامن شاہ کے علاقے سید صاحب کی جنگ بالاکوٹ میں شہادت اور ناکامی کی وجہ سے سکھوں کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ مولانا عنایت علی نے سکھوں سے جنگ کر کے ان کو بالاکوٹ سے نکال بھگایا اور سید ضامن شاہ کے تمام علاقے اور قلعے سکھوں سے واپس دلوائے۔ نتیجے کے طور پر سکھوں نے انگریزوں سے مدد طلب کی اور انگریزی حکومت نے علی برادران آف صادق پور کو پولیس حراست میں پٹنہ پہنچا دیا اور وہیں رہنے کا مچلکہ لیا۔ لیکن اللہ کے شیروں کو کب قرار تھا۔ آخر ۱۸۵۱ء میں وہ دونوں مع اہل و عیال اور مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرحد کو ہجرت کر گئے۔ اور کئی پشتوں تک چوکھی لڑائی سکھوں، انگریز کمپنی بہادر اور بے وفا مسلمان قبائلی

سرداروں سے لڑتے رہے۔ مورخوں نے مولانا عنایت علی کے جنگی کارناموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ ۱۸۴۴ء میں جب آپ سید صاحب کے دوش بدوش سرحدی جنگ میں شریک رہے۔ دوسرا دور سید صاحب کی شہادت کے سات سال بعد کا ہے۔ جب ۱۸۴۴ء میں آپ نے اپنے بڑے بھائی کے حکم پر سید ضامن شاہ کی مدد کے لئے سکھوں سے جنگ کی۔ اور آخر گلاب سنگھ کے مکر و فریب، انگریزوں سے ان کا گٹھ جوڑ اور سرحدی صوبے کے مسلمان سرداروں اور خوانین کی غداری کے نتیجے میں آپ اپنے بڑے بھائی مولانا ولایت علی کے ساتھ پٹنہ بھیج دیے گئے۔

تیسرا دور ۱۸۵۰ء سے شروع ہوتا ہے۔ آپ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے سرحد کو ہجرت کر گئے اور بڑے بھائی مولانا ولایت علی کے ۱۸۵۲ء میں انتقال کے بعد قائد تحریک جہاد بنائے گئے۔ ۱۸۵۵ء تک آپ کی انگریزوں سے معرکہ آرائی رہی اور قبائلی مسلمان سرداروں اور خوانین کی غداری کا سامنا رہا۔ اس دور ابتلاء میں آپ کو معرکہ آرائی، فقر و فاقہ، عسرت اور بے بسی و بے چارگی کا منہ بھی دیکھنا پڑا اور درختوں کی پتیوں سے پیٹ کی آگ بجھانے کی نوبت آئی۔ لیکن آپ کے پائے استقامت کو ایک لمحے کی لغزش نہ آئی۔ آپ پوری استقامت سے محاذ پر ڈٹے رہے۔ جناب محمد ایوب قادری "مولوی جعفر تھانیسری کی کتاب "تواریخ عجیب" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولوی عنایت علی نے نہایت عزم و ارادے کے ساتھ مردانہ وار حصہ لیا۔ مجاہدین کی قیادت کی اور انگریزی حکومت کے لئے مشکلات پیدا کیں۔ جس کے نتیجے میں نوشہرہ اور مردان کے فوجیوں میں کچھ شورش و بغاوت ہوئی اور نارنجی کا واقعہ پیش آیا۔ ہنٹر کا بیان ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مولوی محمد جعفر اپنے بارہ معتمد ہمراہیوں کے ساتھ مجاہدین کے کیمپ کی طرف (مولوی عنایت علی کے پاس) گئے اور نہایت قابلیت سے جنگ میں حصہ لیا۔ لیکن جب دہلی میں (ستمبر ۱۸۵۷ء) باغیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں تو محمد جعفر تھانیسر واپس آ گئے۔"

۱۸۵۷ء کے واقعہ کو مولانا عنایت علی صادق پوری کے حوالے سے مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب "سرگزشت مجاہدین" میں نہایت تحقیق و تفصیل سے درج کیا ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت مولانا عنایت علی کے ہاتھوں نوشہرہ میں سکھوں کو عبرتناک شکست ہوئی۔ انہوں نے انگریزی چوکیوں پر حملے شروع کئے اور گوریلا طرز جنگ کا آغاز کیا۔ ۵۸-۱۸۵۷ء کی شورش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حملے کرتے رہے۔ آخر حضرت مولانا عنایت علی غازی صادق پوری ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں بیماری کا شکار ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

مولانا عبداللہ صادق پوری:

مولانا عنایت علی کے بعد آپ کے بھتیجے مولانا عبداللہ ابن مولانا ولایت علی جہاد تحریک کے قائد منتخب ہوئے۔ آپ کی امامت و امارت کا دور ۱۸۶۲ء سے ۱۹۰۲ء تک جاری رہا۔ والد اور چچا کے دور میں مجاہدین کی ٹریننگ، پریڈ اور ڈرل کا کام آپ کے سپرد تھا۔ محمد ایوب قادری مرحوم اپنے ایک مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

"مولانا عنایت علی کے بعد ۱۸۶۲ء میں ان کے بھتیجے مولانا عبداللہ امیر قرار پائے۔ مولانا عبداللہ زمام کار ہاتھ میں لیتے ہی تندہی

اور مستعدی کے ساتھ جماعت کی فوجی تربیت میں لگ گئے۔ مولانا عبداللہ کے دور امارت کا اہم واقعہ معرکہ امبیلا (۱۸۶۳ء) ہے۔ معرکہ امبیلا میں مجاہدین نے دین کی عظمت اور سربلندی کے لئے جس عزم و استقلال اور بہادری و جانبازی کا مظاہرہ کیا اس سے انگریز حکومت کے حوصلے پست ہوگئے۔"

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور سرحد میں جنگ امبیلا کے نتیجے میں انگریزی حکومت نے پورے ہندوستان اور خصوصاً پٹنہ، انبالہ اور راج محل میں مجاہدین اور ان کے ہمدردوں و کارکنوں اور خصوصاً اہل بہار پر ۱۸۶۳ء سے مقدمات قائم کر کے پھانسی، عمر قید اور قید جزیرہ انڈمان (کالا پانی) کی سزا دینا شروع کیا۔ اور املاک بحق سرکار ضبط کیا۔

مولانا عبداللہ کی والدہ محترمہ مرزا وحید بیگ حیدر آبادی کی صاحبزادی تھیں۔ جو حضرت مولانا ولایت علی کی اہلیہ دوم تھیں۔ مولانا عبداللہ صاحب اپنی ننھیال حیدر آباد دکن میں ۱۲۴۶ھ کو پیدا ہوئے۔ ہمیشہ اپنے والد کے سفر و حضر میں ساتھ ساتھ رہے۔ ۱۸۶۹ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ علوم دینیہ کی تعلیم حکیم عبدالحمید اور مولانا فیاض علی سے حاصل کی۔ اپنے والد مولانا ولایت علی سے حدیث پڑھی اور سند حاصل کی۔ بیالیس سال تک آپ نے سرحد میں مجاہدین کی قیادت کی۔ آخر شعبان ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو آپ نے وصال فرمایا۔ آپ کی اولاد اب تک صوبہ سرحد میں موجود ہے۔

مقدمات اور سزائیں:

مقدمہ انبالہ ۱۸۶۴ء کے نتیجے میں گیارہ ملزمان پکڑے گئے۔ جن میں مولانا یحیٰی علی عظیم آبادی، مولوی محمد جعفر تھانیسری اور محمد شفیع ساکن انبالہ کو سزائے موت ہوئی اور باقی مولانا عبدالرحیم صادق پوری، عبدالغفار (ملازم مولانا عبدالرحیم)، قاضی میاں جان ضلع پٹنہ، عبدالغفور ساکن ہزاری باغ بہار، حسینی تھانیسری، حسینی ساکن پٹنہ سٹی بہار، الٰہی بخش ساکن پٹنہ سٹی بہار اور عبدالکریم انبالوی کو کالا پانی (جزیرہ انڈمان) کی سزا ہوئی۔ مولانا یحیٰی علی اور جعفر تھانیسری کی سزائے موت بعد میں سزائے جزیرہ انڈمان میں تبدیل ہوگئی۔ محمد شفیع انبالوی، الٰہی بخش ساکن پٹنہ، عبدالکریم انبالوی، عبدالغفور، حسینی تھانیسری، حسینی ساکن پٹنہ سٹی یہ چھ افراد سرکاری گواہ بن گئے اور جیل کی سزا کاٹ کر رہا ہوگئے۔ قاضی میاں جان ضلع پٹنہ بہت بوڑھے تھے، جیل کی نظربندی کے دوران انتقال کر گئے۔ باقی چار افراد مولانا یحیٰی علی صادق پوری، مولانا عبدالرحیم صادق پوری، مولوی جعفر تھانیسری اور عبدالغفار (ملازم مولانا عبدالرحیم) کالا پانی بھیج دیے گئے۔

پہلا مقدمہ پٹنہ (۱۸۶۵ء) اس مقدمہ میں مولانا یحیٰی علی کے حقیقی بھائی مولانا احمد اللہ صاحب کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ لیکن ہائی کورٹ نے موت کی سزا کو کالا پانی کی سزا اور جائیداد کی ضبطی میں تبدیل کردیا۔ اور انبالے کے مجرموں کے جزیرہ انڈمان پہنچنے سے قبل ہی جزیرے پر پہنچا دیئے گئے۔

انبالے کے مجرم مولانا یحیٰی علی اور مولانا عبدالرحیم اور پٹنہ کے پہلے مقدمہ کے مجرم مولانا احمد اللہ کا تعلق خاندان صادق پور سے تھا۔ مولانا یحیٰی علی اور مولانا احمد اللہ حقیقی بھائی تھے اور دونوں نے جزیرے میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ اہل صادق پور کی جائیدادیں ضبط کرلی گئیں۔ صادق پور کی حویلی اور خاندانی مقبرے پر ہل چلوا دیے گئے اور اس جگہ میونسپلٹی کی عمارت اور مارکیٹ بنادی گئی تمام املاک اور تے

ہونے نیلام کرکے مبلغ ۱۴۰۴۔۱۲۱۹۶۸ روپے میں فروخت کردی گئی۔

مقدمہ **ضلع مالدہ** صوبہ بنگال میں مولوی امیر الدین ۱۸۷۰ء میں گرفتار کیے گئے اور کالا پانی اور جائیداد کی ضبطی کی سزا ہوئی۔ ۱۸۷۲ء میں جزیرہ انڈمان بھیج دیے گئے۔

مقدمہ **راج محل** صوبہ بہار ۱۸۷۰ء میں قائم ہوا۔ اس مقدمے میں ابراہیم منڈل اسلام پوری گرفتار ہوئے۔ ان کو کالا پانی کی سزا ہوئی اور جائداد ضبط کرلی گئی۔

دوسرا مقدمہ **پٹنہ** ۱۸۷۱ء میں دائر ہوا۔ اس مقدمے میں سات افراد پیر محمد، امیر خان، حشمت داد خان، مبارک علی، تبارک علی، حاجی دین محمد اور امین الدین گرفتار ہوئے۔ حشمت داد خان اور پیر محمد رہا کیے گئے۔ باقی پانچ افراد پر جرم ثابت ہوا اور کالا پانی و ضبطی جائیداد کی سزا ہوئی۔ امیر خان بہار کے بہت بڑے بڑے رئیس تاجر تھے۔ انگریز حکومت کو ان کی جائیداد سے دلچسپی تھی۔ اس لئے ضعیفی کے باعث ان کو رہا تو کردیا گیا لیکن جائیداد کا ایک پائی بھی واپس نہیں ملا۔ مندرجہ بالا مقدمات میں ان افراد کا ذکر ہے جن کے نام اور تفصیل تواریخ کی کتابوں سے مل جاتے ہیں ان مقدمات میں ایسے ہزاروں افراد سزا یاب ہوئے جن کی تفصیل حاصل نہ ہوسکی۔

نقشہ خاندان حضرت مولانا ولایت علی صادق پوری رحمۃ اللہ علیہ

بن مولوی شیخ علی بن مولوی وارث علی بن ملا محمد سعید بن قاضی احمد اللہ بن ملا حفیظ اللہ بن مولانا محمد عارف بن شیخ محمد ابراہیم بن ملا محمد منصور بن شیخ ابوالحسن بن حاجی عبداللہ بن خواجہ علی بن شیخ حمید الدین بن مخدوم عزیز الدین پکھنی بن مخدوم خلیل الدین برادر مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری فردوسیؒ

نقشہ اولاد علی برادران صادق پور
مولوی فتح علی
مولانا ولایت علی
مولانا عنایت علی
مولانا طالب علی
مولانا فرحت حسین
آپ سید احمد شہید کے ساتھ سرحد تشریف
لے گئے اور وہیں بیمار ہو کر وصال کیا۔ لاولد
حافظ عبدالمجید
مسماۃ ہاجرہ زوجہ
مولوی عبدالکریم
مسماۃ مریم
محمد ہارون
محمد یوشع
مسماۃ شہربانو
پروفیسر محمد مسلم
محمد اسلم (کراچی)
از
محل
اولی
از
محل
ثالثہ
مسماۃ صالحہ زوجہ
عبدالرحیم
مسماۃ سارہ زوجہ
مسماۃ فاطمہ
مسماۃ سعیدہ زوجہ
شمس العلماء مولانا عبدالرؤف
مولانا عبداللہ مہاجر سوات سرحد مولف تذکرہ صادقہ
ہدایت اللہ
عقد ثانی از مولانا یحیٰی علی
شمس العلماء محمد حسن
محمد یوسف رنجور
مسماۃ رحمت زوجہ
مسماۃ زینب زوجہ
عبدالفتاح
نوراللہ
حکیم عبدالحکیم
ڈاکٹر آیت اللہ
ظہیر حسن عرف محمد شوکل
عبدالقدیم
مسماۃ آسیہ زوجہ
مولانا عبدالخبیر
عبدالحسیب
سید محمد یوسف
محمد زکریا
محمد الیاس
مسماۃ میمونہ زوجہ
محمود حسن، بیرسٹر
مسماۃ مجیدہ

نقشہ اولاد حضرت مولانا ولایت علی صادق پوریؒ
از محل حاجی بنت مرزا واجد بیگ حیدرآباد دکن
از محل ثالثہ بنت الٰہی بخش (بیوہ قمرالدین حسین شہید)
مولانا عبداللہ
زوج صالحہ بنت
مولانا فرحت حسین
ہدایت اللہ
زوج سارہ بنت
مولانا فرحت حسین
عبدالکریم
زوج ہاجرہ بنت
مولانا عنایت علی
شمس العلماء محمد حسن
زوج سعیدہ بنت
مولانا فرحت حسین
مسماۃ شاکرہ
زوجہ
حکیم عبدالحکیم
بن مولانا احمد اللہ
مسماۃ ذاکرہ زوجہ
عبدالرحیم آروی
مسماۃ مریم
ڈاکٹر آیت اللہ
زوج زینب بنت مولانا عبدالرحیم
مولف تذکرہ صادقہ
مسماۃ صغریٰ
مسماۃ کبریٰ
زوجہ عبدالکریم سورج گڈھ
لاولد
حامد حسن
محمود حسن بیرسٹر
زوج میمونہ بنت
شمس العلماء عبدالرؤف
محمد ناظم
محمد کاظم
مسماۃ قمریہ
مسماۃ عائشہ زوجہ
عبدالقدیم
امان اللہ
مطیع اللہ
عبدالقدوس

نقشہ خاندان ننھیالی حضرت مولانا ولایت علی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا کے نانا شیخ رفیع الدین حسین خان نائب صوبہ دار بہار تھے۔ انگریزی حکومت نے جب یہ عہدہ ختم کر دیا تو آپ نے اپنی بقیہ زندگی گھر پر گزاری۔ آپ خلیفہ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ مکمل نسب نامہ "تذکرہ صادقہ" میں درج ہے۔ آپ اصل رہنے والے موضع الاول پور کے تھے لیکن آپ محلہ مغلپورہ، پٹنہ سٹی میں آباد ہو گئے تھے۔

نقشہ خاندان شاہ محمد حسین محلہ تموہیہ، پٹنہ

شاہ صاحب نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد سے تھے۔ مکمل نسب نامہ "تذکرہ صادق" میں موجود ہے۔ آپ کا خاندان موضع دیورہ سے محلہ تموہیہ، پٹنہ میں آباد ہوا تھا۔ صادق پور کے بعد محلہ تموہیہ تحریک جہاد کا دوسرا اہم مرکز تھا آپ اس تحریک کے خلیفہ اول تھے۔

نقشہ اولاد شاہ محمد حسین محلہ تھمو ہیہ، پٹنہ
شاہ محمد معز بن شاہ محمد عزیز درگاہی
شاہ ابوالحسن
شاہ محمد حسین
خلیفہ جہاد تحریک
مسماۃ ظہورن زوجہ
رضی الدین حسین خان
ساکن مغلپورہ، پٹنہ
مسماۃ جگجن زوجہ
بشارت علی
صادق پوری
مسماۃ لطیفن زوجہ
الٰہی بخش
ساکن مہندانواں
مسماۃ بصیرن زوجہ
مولانا احمد اللہ
مسماۃ محمودہ زوجہ
مولانا فرحت حسین
عبدالرحیم صادق پوری
مولف "تذکرہ صادقہ"
مسماۃ حمیدن زوجہ
مولانا یحییٰ علی
عبدالقیوم
امجد علی
محمد موسیٰ
مسماۃ شریفن زوجہ
مولانا عنایت علی
مسماۃ ہاجرہ زوجہ
عبدالکریم بن مولانا ولایت علی
عبدالقادر
لاولد
حکیم عبدالحمید
مفقود الخبر
مسماۃ امینہ
فہیم الدین احمد
ڈاکٹر قیام الدین احمد
عظیم الدین احمد
پروفیسر کلیم الدین احمد
اشرف علی
عبدالحکیم
مسماۃ خدیجہ
از محل اولیٰ
مسماۃ ذاکرہ
از
عبدالقدیم
محل
مسماۃ آسیہ
عبدالخبیر
ثانی
عبدالحسیب
از بطن غیر کفو
عبدالکبیر

نقشہ خاندان مولانا احمد اللہ و مولانا یحییٰ علی برادران

یہ دونوں بزرگ جہاد تحریک کے نتیجے میں سزایاب ہوئے۔ جزیرہ انڈمان (کالاپانی) بھیج دیے گئے۔ وہیں وصال فرمایا اور مدفون ہوئے۔ مولف "تذکرہ صادقہ" نے آپ کو جعفری النسب لکھا ہے۔

شیخ معزالدین ساکن موضع مہدانواں

شیخ ہدایت علی ساکن صادقپور، پٹنہ

مولوی الٰہی بخش ساکن صادقپور، پٹنہ

احمد اللہ — اسیر انڈمان (کالاپانی)
فیاض علی — لاولد
یحییٰ علی — اسیر انڈمان (کالاپانی)
اکبر علی
مسماۃ جمیلہ زوجہ مولانا ولایت علی
مسماۃ وجیہہ — لاولد
مسماۃ وکیلن زوجہ شیخ ولایت حسین موضع استھاواں

مولانا ولایت علی:
شمس العلماء محمد حسن
مسماۃ شاکرہ زوجہ حکیم عبد الحکیم بن احمد اللہ

یحییٰ علی:
اکبر — عبد القیوم (لاولد)
محل — شمس العلماء امجد علی
اول — محمد موسیٰ
ازمحل ثانی — محمد یوسف رنجور، ایڈیٹر پٹنہ انسٹیٹیوٹ گزٹ

شیخ ولایت حسین:
مسماۃ زاہدہ زوجہ حکیم عبد الحمید (لاولد)
شیخ عبد الصمد — از وطن تغیر برادری نسل جاری ہے

محمد یوسف رنجور:
مسماۃ نجم النساء زوجہ ڈاکٹر محمد منظور احمد کاکوی
مسماۃ زاہدہ
محمد یٰسین
محمد حسان
مسماۃ حسنہ
مسماۃ بتول

شمس العلماء امجد علی:
محمود علی
محمد علی
مسماۃ سلمیٰ

احمد اللہ:
حکیم عبد الحمید
اشرف علی
عبد الحکیم
مسماۃ خدیجہ

نقشہ اولاد مولانا احمد اللہ صاد قپوری
از محل اولی بنت شاہ محمد حسین از بطن غیر کفو
حکیم عبدالحمید متخلص پریشاں
اشرف علی
عبدالحکیم
مسماۃ خدیجہ زوجہ
محمد یقین
منسوب از ــــــ
شمس العلماء عبدالرؤف
محمد متین وغیرہ
محمد ایوب
لا ولد
کبیر الدین وغیرہ
از محل اولی دختر عبدالرحیم صادقپوری از محل غیر کفو
عبدالقدیم
مسماۃ آسیہ زوجہ
مولانا عبدالخبیر
عبدالحسیب
عبدالکبیر
محمد صغیر وغیرہ
سید محمد یوسف
محمد یونس
عبدالرقیب
محمد معصوم وغیرہ
کراچی
مسماۃ امینہ زوجہ
شیخ واعظ الدین احمد
فہیم الدین احمد
عظیم الدین احمد
ڈاکٹر قیام الدین احمد
مشہور دانشور اور مورخ
ڈاکٹر پروفیسر کلیم الدین احمد
مشہور اردو تنقید نگار و دانشور

شمس العلماء شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی البہاریؒ

طبقہ اہل حدیث اور غیر مقلدوں کے امام شمس العلماء، شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی البہاری رحمۃ اللہ علیہ تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری کے بے نظیر اور بے مثال جید عالم دین گزرے ہیں۔ آپ ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء کو صوبہ بہار کے ضلع مونگیر اور پرگنہ سورج گڑھ کے قریب ایک بستی بلتھوا میں پیدا ہوئے۔ آپ بہار کے ایک زیدی الواسطی جاجنیری سید گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور سید احمد جاجنیری کی اولاد سے تھے۔ جن کا مفصل تذکرہ کتاب ہذا میں اپنے محل پر موجود ہے۔ آپ کے اجداد دادھیالی ننھیالی حنفی المذہب تھے۔ آپ کے تلمیذ خاص حضرت مولانا شمس الحق محدث ڈیانوی نے اپنی کتاب "غایۃ المقصود" (مطبوعہ ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء) میں آپ کا شجرہ نسب تحریر کیا ہے جو درج ذیل ہے:

سلسلۂ نسب: سید نذیر حسین بن سید جواد علی بن سید عظمت اللہ بن سید اللہ بخش بن سید محمد بن سید ماہرو بن شاہ
سید محبوب بن سید قطب الدین بن سید ہاشم بن سید چاند بن سید معروف بن سید بدھن بن سید یحییٰ
الحاج بن سید بزرگ بن سید زیرک بن سید رکن الدین بن سید جمال الدین بن سید احمد جاجنیری تا
سید ابو الفرح واسطی تا امام حسن عسکری بن امام زین العابدین تا حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ۔

ابتدائی تعلیم مولانا میاں نذیر حسین کی اپنے والد بزرگوار سید جواد علی مرحوم سے گھر پر ہوئی۔ اردو و فارسی میں اچھی دستگاہ حاصل کر لی اور عربی کی بھی ابتدائی چند کتابیں اپنے والد سے ہی ختم کیں۔ بچپن میں آپ کھیل کود کے بڑے شوقین تھے اور تعلیم کی طرف رغبت کم تھی۔ آپ کے والد کے ایک ہندو برہمن دوست نے کھیل کود، شہسواری، پتنگ بازی اور تیراکی کا شوق آپ میں حد سے زیادہ دیکھا تو بڑے موثر انداز میں نصیحت کی اور تعلیم کی طرف رغبت دلائی۔ اس طرح آپ میں تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ جو کچھ تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی اس کے بعد مزید تعلیم کا کوئی انتظام گاؤں میں نہ تھا۔ عمر مبارک سولہ سال کی ہو چکی تھی۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی تھی اور تعلیم کا شوق بے چین کئے ہوئے تھا۔ آخر سترہ سال کی عمر میں اپنے ہم عمر طالب علم ساتھی مولوی امداد علی کے ساتھ ایک تاریک رات میں گھر سے بغیر کسی کو بتائے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ اور ۱۸۲۱ء کو پٹنہ پہنچے۔ پٹنہ میں جہاد تحریک کے خلیفہ اول شاہ محمد حسین ساکن محلہ ٹمو ہیہ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ شہر عظیم آباد (پٹنہ) جو اس وقت بہار کا مدینۃ العلم تھا میں چھ ماہ قیام رہا۔ اس دوران آپ نے علمائے صادق پور ٹمو ہیہ سے ترجمہ قرآن اور مشکوۃ کی تعلیم حاصل کی۔ اور وہاں کے میدان (گاندھی میدان) میں آپ نے سید احمد بریلوی کا وعظ بھی سنا اور ان کی امامت میں نمازیں بھی ادا کیں۔ بعد چھ ماہ کے آپ پٹنہ سے پاپیادہ دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں غازی پور میں مولانا احمد علی صاحب اور چھ ماہ علمائے الہ آباد سے صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ پھر آپ غازی پور، علاقہ فتح پور، فرخ آباد اور کانپور ہوتے ہوئے ۱۸۲۸ء کو دہلی پہنچ گئے۔ دہلی

میں آپ کا قیام پنجابی کٹرہ کی اورنگ آبادی مسجد میں رہا۔ آپ اس مسجد اور اس مدرسہ کے متولی مولانا عبدالخالق صاحب مرحوم کے درس میں شامل ہوئے "کافیہ"، "قطبی"، "مختصر معانی"، "شرح وقایہ"، "نور الانوار" اور "حسامی" وغیرہ ان سے پڑھیں۔ اور مولانا اخوند شیر محمد قندھاری سے بھی کچھ ضروری کتابوں کا درس لیا۔ "شرح مسلم"، "حمد اللہ"، "قاضی مبارک" اور "شرح مطالع" حضرت جلال الدین ہروی سے پڑھیں۔ مولوی کرامت علی اسرائیلی مولف "سیرۃ احمدیہ" مولوی محمد بخش عرف تربیت خان، مولانا عبدالقادر رام پوری، مولوی محمد سعید پشاوری اور مولوی حکیم نیاز احمد سہوانی وغیرہم جیسے جید علماء کے دہلی سے تین سال میں تمام علوم رسمیہ سے فارغ ہوکر فاتحہ فراغ کے بعد تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم کے لیے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین مولانا شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں داخل ہوئے اور تیرہ سال ان کی خدمت میں رہ کر تمام علوم اسلامیہ کی تکمیل کی اور تفسیر، حدیث اور فتویٰ نویسی میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ آپ کی ذہانت، شوق تعلیم اور فتویٰ نویسی کی رغبت کو دیکھ کر حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمۃ والرضوان تحسین سے نوازتے اور ہمت بڑھاتے۔

حضرت مولانا میاں نذیر حسین محدث دہلوی البہاری قدس سرہ العزیز کی طبیعت شروع سے تقلید کی بندش کو ناپسند کرتی تھی۔ کتاب (قرآن حکیم) وسنت (حدیث نبوی ﷺ) سے براہ راست سیراب ہونے کا جذبہ ابتداء سے آپ میں پایا جاتا تھا۔ عموماً تمام علوم اسلامیہ اور خصوصاً قرآن و حدیث پر آپ کی مکمل گرفت تھی اور آپ کی طبیعت کے رجحان سے متاثر ہوکر حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق نے میاں صاحب کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ یہ لڑکا پکا وہابی ہوگا۔ زمانہ طالب علمی سے آپ کو مطالعہ کا از حد شوق تھا۔ مذہبی درسی کتابوں اور اساتذہ کے درس سے جب بھی فرصت ملتی تو وقت ضائع کیے بغیر مختلف علوم جیسے طب، زبان وادب، شاعری اور تاریخ و فلسفہ کے ماہر فن اساتذہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے۔ آپ کے مطالعہ اور یادداشت کا یہ حال تھا کہ استادوں کے درس میں جب سوال وجواب کا سلسلہ چلتا تو آپ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور بہت مختلف کتابوں کا حوالہ پیش کرتے کہ اس موضوع پر فلاں مصنف نے اس نام کی کتاب لکھی ہے۔ اور اس کتاب میں فلاں صفحہ پر یوں لکھا ہے۔ یہ کتاب فلاں لائبریری یا فلاں شخص کے پاس ہے۔ یا فلاں کتاب فلاں ملک میں ہے اور "ابھی تک وہ کتاب ہمارے ہندوستان میں نہیں پائی جاتی ہے۔ آپ اکثر یہ بھی بتاتے کہ فلاں مصنف کی فلاں کتاب میں صفحہ نمبر اتنے سے صفحہ نمبر اتنے تک فلاں مصنف کی فلاں کتاب کی سراسر نقل ہے۔ مولانا مفتی صدر الدین خان مرحوم کی بڑی خواہش تھی کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق قدس سرہ ان کو سند اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیتے۔ مفتی صاحب نے میاں صاحب سے سفارش کرنے کی درخواست کی۔ "الحیوۃ بعد المماۃ" کے مصنف لکھتے ہیں کہ "......دوسرے روز صبح کے بعد پھر میاں صاحب نے عرض کی۔ مفتی صاحب کی کم نصیبی ہے کہ حضرات ثلثہ (حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین) سے سند نہ لی۔ اب حضور بھی تشریف لے چلے اور سند نہ دی۔ اس پر مولانا نے مفتی صاحب کی سند لکھ دی اور میاں صاحب سے فرمایا کہ تم نے بھی سند نہیں لی ہے...... معہذا مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمۃ نے از خود سند لکھ کر میاں صاحب کے حوالے کی"۔

شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث جس زمانہ میں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب کے درس میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس دوران اپنے استاذ اول مولانا عبدالخالق صاحب کی مسجد میں طلبا کو صرف و نحو اور دوسرے علوم اسلامیہ کا درس خود دیا کرتے تھے جیسا

کہ میاں صاحب کا اپنا قول ہے کہ سات آٹھ سال میں نے طلباء کو صرف و نحو کی تعلیم دی ہے۔ جب حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق ؒ نے مکہ کو ہجرت کی تو میاں صاحب نے باضابطہ دہلی میں اپنا مسند درس بچھایا اور کم و بیش ستر سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آپ کے درس اور مدرسے کی شہرت چار دانگ عالم تک پہنچی اور ملک ہندوستان کے علاوہ عرب و عجم تک سے طلباء جوق در جوق آپ سے تفسیر و حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے آنے لگے۔ درس و تدریس اور علم دین کے کام کو جو شہرت شہر دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین قدس سرہم سے ملی تھی، میاں صاحب نے تن تنہا اس معیار کو برقرار رکھتے ہوئے تمام اسلامی علوم خصوصاً قرآن و حدیث اور تفسیر و فقہ کی تعلیم کو عام کرتے رہے۔ چنانچہ ''الحیاۃ بعد المماۃ'' کے مصنف مولانا فضل حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب قدس سرہ العزیز نے ۱۲۵۸ھ میں ہندوستان سے ہجرت کی۔ دہلی میں نامور متعدد علماء (جن میں سے اکثر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے نہ صرف تلمیذ و تربیت یافتہ تھے بلکہ درس و تدریس میں مشغول تھے......)......جناب شاہ صاحب کے بھتیجے مولوی مخصوص اللہ......عرصہ دراز تک خود بھی درس دیتے رہے تھے......اور مولانا شاہ محمد اسحاق کے مشاہیر تلامذہ دہلی اور مختلف بلاد و اطراف ہند میں پھیلے ہوئے وعظ و ارشاد و درس و افتاء وغیرہ خدمت دین کو انجام دے رہے تھے۔ بلکہ بعض بعض صاحب سجادہ و طریقہ بھی تھے......مگر یہ بات کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ مولانا (شاہ محمد اسحاق) کا واقعی اور حقیقی جانشین اور مولانا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے مسند درس کا مالک باوجود انتہائی مخالفت اور مزاحمت کے مولوی سید محمد نذیر حسین کے سوا اور کوئی نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ''میاں صاحب'' کا لقب جو (صرف) مولانا شاہ ولی اللہ کے خاندان کے واسطے مخصوص تھا اور بسلسلہ جانشینی منتقل ہوتا ہوا مولانا شاہ محمد اسحاق تک پہنچا تھا وہاں کے بعد مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی (البہاری) کے نام کے ساتھ اس طرح چسپاں ہوا کہ اب ''میاں صاحب'' اور مولوی نذیر حسین گویا دو مترادف لفظ ہو گئے۔''

حضرت شمس العلماء شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث قدس سرہ کی تمام ہی علوم اسلامیہ پر ایسی مضبوط گرفت تھی کہ ہر فقہ و ملت کے افراد کے سوالوں کے جوابات اس کے اپنے فقہ اور قرآن و حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں فی الفور دیا کرتے تھے۔ میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ حضرت امام اہل حدیث میاں سید نذیر حسین محدث ؒ نے سات آٹھ سال تک صرف و نحو کی تعلیم دی۔ آپ کا اپنا قول ہے کہ ''فتاویٰ عالمگیری'' جیسی ضخیم کتاب فقہ حنفی کو شروع سے آخر تک لفظ بہ لفظ تین بار پڑھ چکا ہوں۔ اور بلا ترتیب وار پڑھنے کا شمار ہی نہیں۔ تفسیر قرآن و حدیث کے درس میں تو آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ دوران دونوں علوم کا درس آپ اپنی آخری عمر تک دیتے رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''صحاح ستہ'' کو میں نے گلستاں بوستاں کر دیا۔ ایک شاگرد کے پوچھنے پر کہ صحاح اور خصوصاً بخاری شریف کا آپ نے کتنی بار درس دیا جواب میں فرمایا کیا شمار بتاؤں اللہ کو علم ہے۔ میری یاد صحیح ہے تو کئی سو بار پڑھائی ہو گی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی کیا شان ہے کہ علم حدیث کا درس جس کی ابتداء ہندوستان میں پہلی بار حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے صوبہ بہار میں بیٹھ کر کی تھی، اس علم کا عام کرنے اور اس کے درس و تدریس کو بام عروج تک پہنچانے

میں صوبہ بہار کے ہی ایک مایہ ناز فرزند نے دہلی میں وہ مقام حاصل کیا جو کسی کے حصہ میں نہ آیا۔ میاں سید نذیر حسین محدث کے شاگردوں کی کثیر تعداد تھی جس کا شمار ممکن نہیں۔ آپ کے بیشتر شاگرد درجہ کمال کو پہنچے اور غیر مقلدوں کی بے شمار تعداد تمام صوبہ جات ہند و بیرون ملک میں پیدا کر دی۔ ہندوستان اور کابل کے علاوہ عرب، یمن، نجد، حجاز، ستوس، حبشان، افریقہ، عجم، چین، کوچکن اور تبت وغیرہ میں آپ کے شاگرد گروہ در گروہ پائے جاتے ہیں۔ "الحیاۃ بعد المماۃ" میں لکھا ہے کہ: "مولوی ابو عبد الرحمان محمد بن عبد اللہ بن مولانا الحاج صاحم الدہر جمال الدین ہزاروی جیلانوی لکھتے ہیں کہ میں ۱۲۸۲ھ میں تحصیل علم کے لیے دہلی گیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی احمد علی سہارنپوری، مفتی صدر الدین خان صدر الصدور دہلوی، مولانا عبد الغنی بن ابو سعید المجددی وغیرہم بڑے بڑے علماء سے ملا اور بہت دنوں تک ان لوگوں کے درس کا مقابلہ اور موازنہ کرتا رہا۔ آخر فیصلہ میرے دل نے یہی کیا کہ میاں صاحب کے درس میں بالکل ہی نرالا پن ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی البہاری نے اپنی زندگی کو درس و تدریس قرآن و حدیث کے لئے وقف کر دیا تھا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ آٹھ لاکھ آدمیوں کو عالم با لحدیث بنا کر چھوڑا۔ "الحیاۃ بعد المماۃ" میں پانچ سو چید و مشاہیر شاگردوں کی فہرست دی گئی ہے۔ آپ ہمیشہ زیر تعلیم طلباء کی خدمت میں ہمہ تن معروف رہتے۔ طلباء کی رہائش اور کھانے پینے کی فکر کرتے۔ اکثر کھانے کا خانچہ گھر سے اٹھا کر خود مدرسہ میں پہنچاتے۔ رمضان کے مہینہ میں سحری تک طلباء کو پہنچایا کرتے۔ اگر کوئی طالب علم بیمار ہو جاتا تو اس کے کمرے میں تشریف لے جاتے اس کو تسلی دیتے۔ دوا علاج کی تدبیر کرتے اور جب تک صحت نہ ہو جاتی اس طالب علم کے پاس بیٹھے رہتے۔

میاں صاحب کثیر الملاقات انسان تھے۔ دہلی میں اپنے اساتذہ، طبقہ علماء، طلباء، شعراء، اطباء کے علاوہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر اور ولی عہد مرزا فخر الدین عرف مرزا فخرو سے لے کر ایک موچی تک سے ملتے۔

قاضی حکیم مظفر احمد کا بیان ہے کہ: "۱۳۰۹ھ میں، میں لکھنو سے گنج مراد آباد آیا۔ اور حضرت مولانا شاہ فضل رحمان کی جناب میں حاضر ہوا۔ حسب اتفاق کرہ میاں صاحب کا تذکرہ آ گیا۔ فرمانے لگے: وہ پکے اہل حدیث ہیں۔ اور بہت کچھ کلمۃ الخیر آپ کی شان میں فرماتے رہے۔" حضرت مولانا گنج مراد آبادی کا ہی قول ہے کہ: "مولوی نذیر حسین کو چاہے کوئی کچھ کہے مگر حدیث رسول ﷺ کا فیض جیسا کہ ان کی ذات سے جاری ہے کسی سے بھی نہ ہوا۔" مختصر یہ کہ میاں صاحب کے درس کا حال، وعظ کی کیفیت، کتابوں کے حوالہ جات کی بھرمار، ان کی سادگی، بوریا نشینی اور حدیث نبوی ﷺ سے پر خلوص لگاؤ اور محبت پر نظر ڈالنے والا ان کو نہ صرف حافظ الحدیث اور فرقہ اہل حدیث کا زبردست امام تسلیم کرنے پر مجبور ہے بلکہ اس کا کانشس (نور ایمان یا قوت ممیزہ) اسلامی دنیا کا ایسا مجتہد مطلق جس نے ہر مسئلہ شرعیہ کو اپنی میزان اجتہاد میں جانچا اور جو نہ کسی کی مخالفت کی پرواہ کرتا ہے نہ کسی کی موافقت کی بلکہ صرف قرآن و حدیث کو نصب العین رکھتا ہے منوائے دیتا ہے۔ (از الحیاۃ بعد المماۃ)

ان سب کے باوجود شہر دہلی میں آپ کے مخالفین کی کمی نہ تھی۔ جنہوں نے آپ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ آپ کے خلاف عوام کو بھڑکایا گیا۔ نام نہاد بادشاہ ہند اور کمپنی بہادر کے ریزیڈنٹ تک شکایات پہنچائی گئیں۔ کمپنی (انگریزوں) کا دشمن ثابت کرنے

کی کوشش کی گئی۔ اور جھوٹی مخبری کی گئی۔ نتیجے کے طور پر آپ کو کبھی بادشاہ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی پڑی اور کبھی مخالف علمائے وقت کے ساتھ دربار میں مناظرہ سے دوچار ہونا پڑا۔ وہابی مقدمات کا مقدمہ جب ۱۸۶۴ء میں پٹنہ، دناپور، راج محل (علاقہ صوبہ بہار)، میرٹھ اور انبالہ وغیرہ میں چلایا گیا تو جھوٹی مخبری کے نتیجہ میں آپ تقریباً ایک سال راولپنڈی جیل میں نظر بند رہے۔ جہاں تحریک (جو وہابی تحریک کے نام سے بدنام تھی) کا مرکز صوبہ بہار کا شہر پٹنہ تھا اور میاں صاحب کا آبائی وطن تھا اس لئے انگریز حاکموں کا شک آپ کے خلاف پختہ ہو گیا۔ آخر مقدمہ میں آپ بے گناہ ثابت ہوئے اور رہا کئے گئے۔ جب ۱۳۰۰ھ میں آپ کا ارادہ حج کا ہوا تو حکومت وقت (کمپنی بہادر) کے افسران اعلیٰ سے اجازت نامہ حاصل کر کے حج کے لئے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر مخالفین کی ایک جماعت پیچھے لگ گئی۔ اور وہ نہ یہ کہ صرف دہلی سے بمبئی تک اور بحری جہاز تک بلکہ مکہ اور مدینہ میں ایذا رسانی کے لئے جا دھمکے۔ باضابطہ ایک کمیٹی قائم کی گئی جس میں بلا مبالغہ چار سو افراد شامل تھے۔ دوران حج آپ کے قتل کی کوشش کی گئی۔ خدا خدا کر کے آپ نے حج مکمل کیا۔ قیام منیٰ میں حجاج کرام کے درمیان وعظ و تقریر کے ذریعہ اتباع سنت نبوی ﷺ کی تبلیغ بھی کی۔ آپ بعد حج زیارت روضہ رسول ﷺ کے لئے مدینہ منورہ جانے کے منتظر تھے کہ ۲۳ ذی الحجہ کو مخالفین نے مکہ میں بادشاہ کے یہاں مخبری کر دی کہ مولوی نذیر حسین معتزلی اور وہابی ہیں۔ اور خنزیر کی چربی اور خالہ سے نکاح کو حلال قرار دیتے ہیں۔ تین سو آدمیوں نے گواہی بھی پیش کی۔ نتیجہ کے طور پر آپ اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ بادشاہ کے سامنے پیش کئے گئے۔ تین دن نظر بند رہے۔ آخر میاں صاحب اور ان کے مرید خاص مولانا تلطف حسین عظیم آبادی کی بادشاہ سے سوال و جواب کے بعد رہائی ہوئی۔ اور آپ بعد زیارت روضہ رسول ﷺ مدینہ منورہ سے وطن واپس ہوئے۔

جب صوبہ پنجاب سے قادیانیت کا فتنہ کھڑا ہوا۔ اور مردود و لعین مرزا غلام احمد قادیانی نے بتدریج امام، مجدد، مسیح موعود اور پھر نبوت و رسالت کا دعویٰ دار ہوا تو مسلمانوں میں شدید بے چینی اور تردد پیدا ہوئی۔ علماء اور مشائخ وقت نے ہر محاذ پر ڈٹ کر قادیانیوں کا مقابلہ کیا۔ حضرت شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب محدث اور ان کے شاگرد مولانا محمد حسین بٹالوی، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری بہاری، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، حضرت مولانا شاہ عطاء اللہ بخاری وغیرہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے غلام احمد قادیانی کے کفر کا فتویٰ جو حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا، حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث نے اپنے دستخط سے جاری کیا۔ اس فتویٰ پر تمام علماء برصغیر پاک و ہند نے اپنے اپنے دستخطوں سے تصدیق کی۔ اس سلسلے میں غلام احمد کی تحریر ہے: "چونکہ علمائے پنجاب اور ہندوستان کی طرف سے فتنہ و تکذیب حد سے زیادہ گذر گیا ہے اور نہ فقط علماء بلکہ فقراء اور سجادہ نشین بھی اس عاجز (غلام احمد) کے کافر اور کاذب ٹھہرانے میں مولویوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ ایسا ہی ان لوگوں کے اغواء سے ہزار ہا لوگ ایسے پائے جاتے ہیں کہ ہمیں نصاریٰ اور ہنود سے بھی اکفر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس تکفیر کا بوجھ نذیر حسین دہلوی کی گردن پر ہے۔ مگر تاہم دوسرے مولویوں کا یہ گناہ ہے کہ انہوں نے اس نازک امر تکفیر میں اپنی عقل اور تفتیش سے کام نہیں لیا بلکہ نذیر حسین کے دجالانہ فتویٰ کو دیکھ کر جو محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا۔ بغیر تحقیق و تنقیح کے ایمان لے آئے۔" (انجام آتھم از غلام احمد قادیانی صفحہ ۴۵ مطبوعہ ۱۸۹۷ء بحوالہ پاک و ہند کے علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ مطبوعہ ۱۹۸۶ء)

برادرم محمد عزیز شمس اپنے ایک مضمون میں مرزا کی کتاب "آسمانی فیصلہ" کے حوالے سے ثابت کرتے ہیں کہ قادیانیت پر پہلا کاری ضرب میاں صاحب نذیر حسین محدث نے لگائی۔ مرزا لکھتا ہے: "حضرت میاں صاحب نے میری باتوں کی طرف کچھ بھی التفات نہ کی اور بغیر اس کے کہ کچھ تحقیق و تفتیش کرتے مجھے کافر ٹھہرایا بلکہ میری طرف سے انا مومن انا مومن کے صاف اقرارات سن کر بھی لست مومناً کہہ دیا اور جا بجا اپنی تحریروں اور تقریروں اور اپنے شاگردوں کے اشتہارات میں اس عاجز کا نام کافر اور بے دین اور دجّال رکھا اور عام طور پر مشتہر کر دیا کہ یہ شخص کافر اور بے ایمان اور خدا اور رسول سے روگرداں ہے۔ سو میاں صاحب کی اس پھونک سے عوام الناس میں ایک سخت آندھی پیدا ہو گئی اور ہندوستان اور پنجاب کے لوگ ایک سخت فتنہ میں پڑ گئے خاص کر دہلی والے تو میاں صاحب کی اس اشکر اندازی سے آگ بگولا بن گئے۔ شاید دہلی میں ساٹھ ستر ہزار کے قریب مسلمان ہوں گے۔ لیکن ان میں سے واللہ اعلم شاذ و نادر کوئی ایسا فرد ہو گا جو اس عاجز کی نسبت گالیوں، لعنتوں اور ٹھٹھوں کے کرنے یا سننے میں شریک نہ ہوا ہو۔"

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ اور حضرت اسماعیل شہید نے رد تقلید پر کتابیں لکھیں، رفع الیدین اور آمین بالجہر کے جواز میں بھی بہت کچھ لکھا۔ لیکن اس زمانہ میں نشر و اشاعت کے ذرائع مفقود تھے۔ اس لئے ان بزرگوں کے زمانہ میں غیر مقلدوں کی باضابطہ جماعت نہ بن سکی اور نہ ان بزرگوں کے کسی شاگرد نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ بلاشبہ رد تقلید کے سلسلہ میں میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی البہاریؒ کی تقریر و تحریر اور کثرت تلامذہ نے وہ کام کیا کہ آج آپ بلا شرکت غیر مجدد وقت، امام اہل حدیث و غیر مقلدین قرار دیئے جاتے ہیں۔ آپ ساٹھ ستر سال تک دلی میں حدیث رسول ﷺ کا درس دیتے رہے۔ اسی پر آپ کا خاتمہ ہوا۔ مسلمانوں کو جب پکارا تو حدیث نبوی ﷺ کی جانب پکارا۔ لاکھوں آدمیوں کو عامل بالحدیث بنا کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا۔ مسائل شرعیہ میں وہ زمانہ کی ضرورتوں کے متعلق اپنی وسعت معلومات سے ایسا مجتہدانہ کام لیتے تھے جو تقلیدی بندش کے ساتھ ممکن نہیں تھا۔ آپ نے شرعی حدود سے کبھی تجاوز نہیں کیا نہ سلف الصالحین کے خلاف کوئی من گھڑت تاویل کی۔ اور نہ آپ نے کبھی کسی حدیث کا انکار کیا۔

حضرت شمس العلماء شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث کی تصانیف حد شمار سے باہر ہیں۔ صاحب "الحیاۃ بعد المماۃ" نے آپ کی ستاون تصانیف کی فہرست لکھی ہے۔ جس میں "معیار الحق" سب سے اہم، مفصل معرکہ آرا اور مشہور و معروف کتاب ہے۔ اس کتاب کی ابتداء ان الفاظ میں کی گئی ہے:

ترجمہ: خداوندا! ہم تیری حمد کرتے ہیں۔ کہ تو نے ان پڑھوں میں ایک اپنا رسول بھیجا۔ جو ان کے سامنے تیری آیتیں پڑھتا ہے۔ اور ان کو ظاہر و مطہر بناتا ہے۔ اور ہم درود بھیجتے ہیں تیرے نبی محمد ﷺ پر جن کی پیروی کو تو نے ہم لوگوں پر واجب کر دیا ہے۔ اور ان کو ہمارے ہادی اور میرے لئے چراغ ہدایت بنایا ہے۔ اور ان کی آل و اصحاب پر جنہوں نے ان کی [illegible] ... ان سب کو تو نے آفتاب ہدایت اور دین کا یاور بنایا اور پھر ان کی ساری امت پر خصوصاً چاروں اماموں (ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل) پر جو قواعد دین کے لئے مثل چاروں عنصر (آب، آتش،

خاک ، باد) کے ہیں اور اہل عناد کے سوا اس امر سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ان میں کا ہر شخص دین کا معاون اور پشت پناہ ہے۔"

حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی البہاریؒ کی شادی دہلی میں ان کے استاد اول مولانا عبد الخالق رحمۃ اللہ علیہ متولی مسجد و مدرسہ اورنگ آبادی کی لڑکی سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادے مولانا سید شریف حسین اور دو لڑکیاں اول بی بی ام الکرام زوجہ حکیم میر شاہ جہاں دہلوی، دوم بی بی ہملی زوجہ شاہ احمد عمر دہلوی ہوئیں ۔میاں صاحب نے اپنے بچوں، پوتوں، پوتیوں اور نواسیوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا ۔ آپ قناعت و سادگی پسند تھے ۔کبھی کوئی عہدہ اور ملازمت پسند نہیں کیا ۔ درس و تدریس سے جو کچھ مل گیا اس پر گزر کیا ۔ شاگردوں ، معتقدوں ، جاں نثاروں اور چاہنے والے امراء و رؤساء کی کوئی کمی نہ تھی ۔ اگر چاہتے تو دولت و امارت اور زمین و جائیداد حاصل کر سکتے تھے ۔

آپ نے اپنی ساری زندگی کرائے کے مکان میں گزار دی۔ اپنے لئے ایک ذاتی رہائشی مکان بھی نہ بنوا سکے ۔ مدرسہ اور مسجد کی چٹائی اور بوریے پر بیٹھ کر درس دیتے ۔ آپ کی غذا عام طور پر روٹی اور سرکہ یا ستو تھا۔ لیکن اگر کوئی مہمان آجاتا تو اس کے لیے انواع و اقسام کے کھانے گھر کی خواتین سے تیار کرواتے ۔ پہلی بار جب آپ دہلی سے والد کے انتقال کی خبر سن کر اپنے وطن سورج گڑھ صوبہ بہار گئے تو آپ کے ماموں صاحب نے حیرت و ناگواری کے ساتھ کہا :" سنا ہے کہ تم نے دہلی میں شادی کر لی ہے ۔ افسوس اپنے سید خاندان کا نام ڈبو دیا۔" آپ نے جواب دیا کہ :" کیا کروں اوپر ہی سے ایسا ہوتا آرہا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی تو بی بی شہر بانو سے بیاہے گئے جو ہرمز کسریٰ (ایران) کی دختر تھیں اور امام زین العابدینؓ انہیں کے بطن سے تھے۔"

حضرت میاں سید نذیر حسین محدث بہاری دہلویؒ نے انگریزی تعلیم اور انگریزوں کی ملازمت کو کبھی برا نہیں کہا ۔ اکثر عام ملنے والوں اور پوچھنے والوں کو اس کی اجازت دیا کرتے تھے ۔ آپ نے انگریزی تعلیم اور انگریزی حکومت کی ملازمت کو حلال قرار دیا تھا۔ جبکہ اس زمانہ میں لوگ اسے کفر سمجھتے تھے ۔ آپ مسلمانان ہند کی بے حسی اور شاہزادگان مغلیہ کی عیش پسندی، آرام طلبی اور ان کی بد اندیشی اور کم مائیگی کو بڑے کرب و دکھ سے محسوس کر رہے تھے ۔اس لیے کمپنی بہادر سے دشمنی اور چھیڑ چھاڑ کے برے نتائج کا پورا پورا اندازہ تھا۔ اسی لئے آپ نے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔

راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی اپنی محدود علمی صلاحیت کی بنا پر تقلید اور رد تقلید کے شرعی مسئلہ پر کسی قسم کے تبصرے کی جسارت نہیں کر سکتا ۔ یہ معاملہ علمائے دین کا ہے۔ میری سمجھ میں جو بات آتی ہے وہ اس قدر ہے کہ کوئی مسلمان کتاب و سنت کا انکاری نہیں ۔ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی فرد واحد کا قول یا تحریر کسی اہمیت کا حامل نہیں ۔ عام مسلمان اپنی علمی کم مائیگی کی بنا پر ائمہ اہل سنت (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کی تقلید کا پابند ہے ۔اسی طرح فرقہ غیر مقلدین و اہل حدیث کے عام افراد اپنے اماموں میاں سید نذیر حسین محدثؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی پیروی یا ان کی فقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو تقلید ہی کے زمرے میں آتا ہے۔

حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی البہاری قدس سرہ کو برطانیہ کی انگریزی حکومت کی جانب سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔ اس لئے کہ آپ نے ایک انگریز زخمی عورت کو جسے غدر کے زمانہ میں مجاہدین نے مار کر پھینک دیا تھا، اٹھا کر اپنے گھر لے گئے گھر کی خواتین نے اس کی خدمت کی اور جان بچائی۔ آپ کے ہمعصر مشاہیر علماء نے شیخ الکل کے لقب سے پکارا اور عام مسلمان میاں صاحب سے مخاطب کرتے تھے اور آج بھی آپ اسی سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ آبائی وطن بہار تھا، اکیس سال کی عمر میں دہلی پہنچے اور ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہے اور دہلوی کہلائے۔ ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو اس جہان فانی سے دنیائے جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ زندگی کے سفر میں بہار اور دہلی جیسے سرائے میں قیام رہا۔ زندگی بھر خاک نشین رہے اور مرنے کے بعد بھی محلہ شیدی پورہ دہلی میں اپنے صاحبزادے سید شریف حسین مرحوم کے قریب آسودہ خاک ہیں۔ مسلمان ہمیشہ سے مردہ پرست رہے ہیں۔ زندوں سے عداوت، مخالفت اور دشمنی کا برتاؤ اور مرنے کے بعد محبت، چاہت اور فدائیت کا اظہار۔ اس لئے آپ کے وصال کی خبر کو پورے ہندوستان اور بیرون ہند اخبارات میں نمایاں طور پر شائع کیا گیا۔ الہ آباد، علی گڑھ، امرتسر اور دہلی کے اردو اور انگریزی اخبارات میں خبر کے ساتھ حالات زندگی پر سیر حاصل مضامین شائع کئے گئے۔ علمائے وقت، مشاہیرین، شعراء و ادباء اور شاگردوں نے تعزیتی خطوط، مضامین، قصائد، مرثیے اور تاریخ وصال لکھے۔

نقشہ اولاد سید میاں نذیر حسین محدث
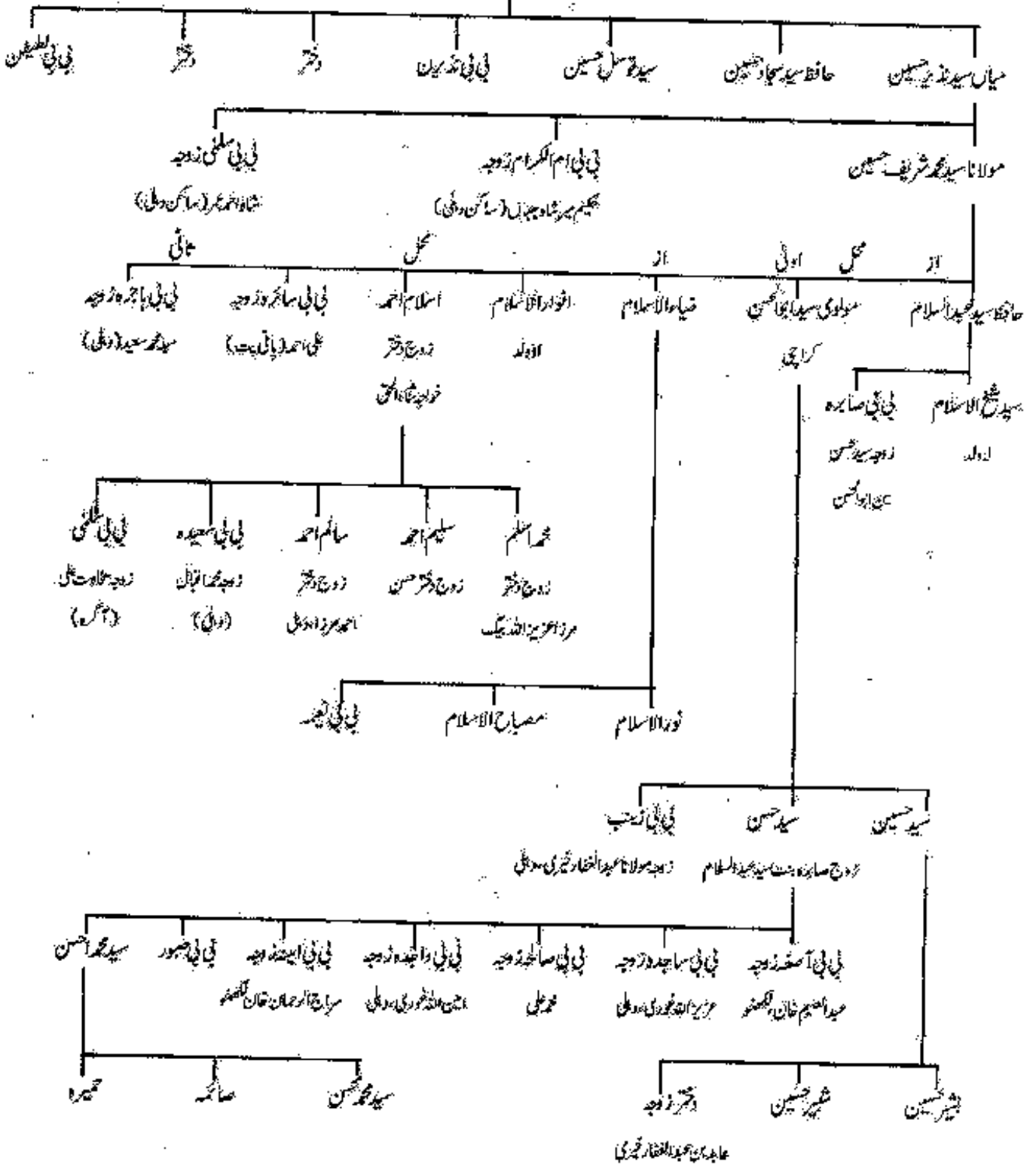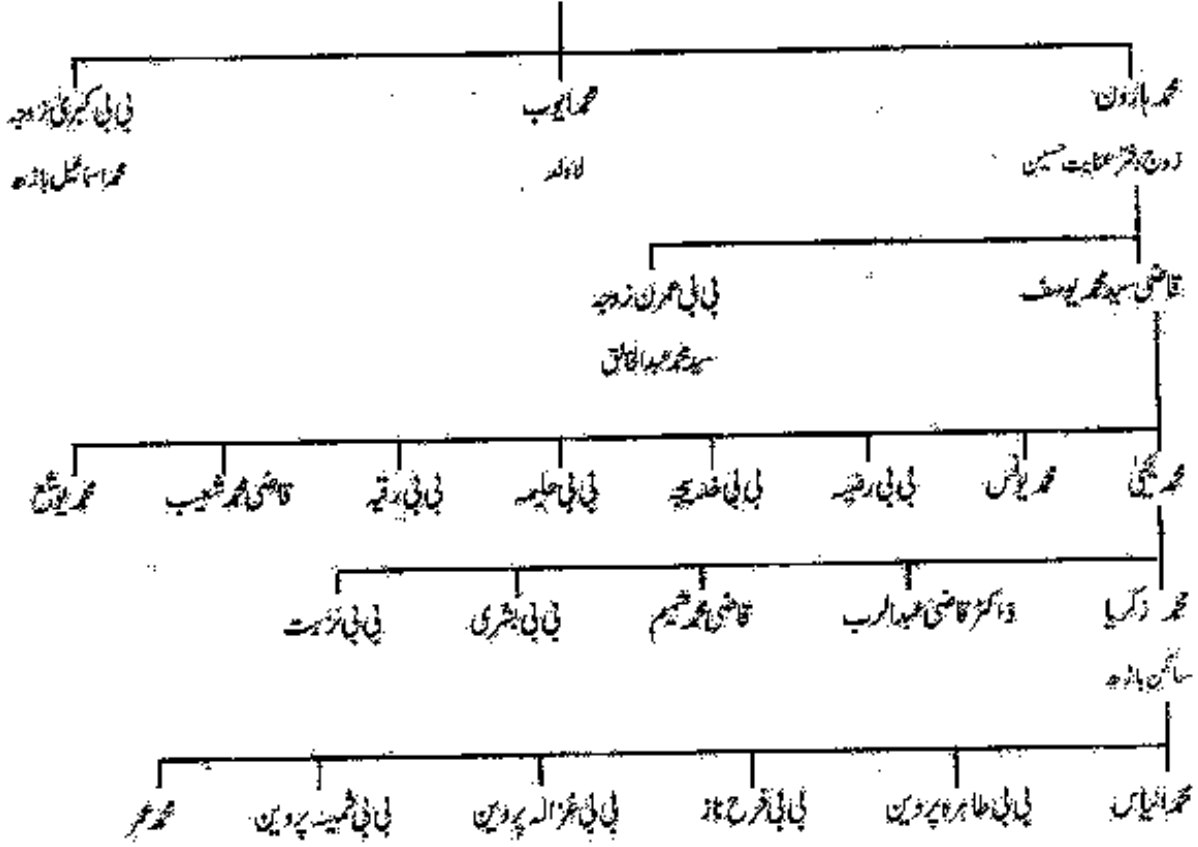
(بشکریہ سید عبدالقیوم چھاروی مولف "سادات جاجیری")

حضرت علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ

حضرت علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ اپنے وقت کے جید عالم دین، محدث وقت، میدان شعر و سخن کے استاد، اردو زبان و ادب کے بے مثال مصنف اور فارسی و عربی نظم و نثر کی دنیا کے مانے ہوئے شہسوار تھے۔ آپ کا پیشہ طبابت تھا اور اسی سے روزی کماتے تھے۔ لیکن خدمت دین اسلام اور زبان و ادب سے جذباتی لگاؤ کا نتیجہ تھا کہ دنیا اور حصول دنیا سے کوئی واسطہ نہ رہا۔ چوالیس سال کی مختصر زندگی کو اسلامی علوم اور اردو، فارسی و عربی زبان و ادب کی خدمت میں صرف کر دی اور مختصری پر شباب زندگی میں وہ علمی و ادبی کام کر دکھایا جو اپنی مثال آپ ہے۔

صوبہ بہار کے ضلع پٹنہ میں ایک بستی نیمی ہے۔ جس کو عرف عام میں نیمی سالار پور کہتے ہیں۔ دراصل نیمی اور سالار پور دو مختلف بستیاں قریب قریب واقع ہیں۔ اور ان دونوں بستیوں کے رہنے والے اپنے آپ کو نیمی سالار پور کا باسی بتاتے ہیں۔ موضع نیمی ایک خوبصورت اور پر فضا مقام ہے۔ یہاں ایک بڑا سا تالاب ہے۔ جس کے ایک کنارے پر نیمی آباد ہے اور دوسرے کنارے پر موضع ممن پور (مومن پور) اور میاں چک دو اور بستیاں ہیں جو دراصل نیمی کے محلے ہیں۔ یہ تینوں بستیاں یار غار رسول اللہ ﷺ، خلیفہ اول امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے آباد ہیں۔ یہاں کے مسلمان اپنے آپ کو شیخ صدیقی کہلاتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہاں کئی مایہ ناز اور صاحب کشف و کرامت بزرگوں کے مزارات ہیں جن میں حضرت سید شاہ اکبر علیؒ، حضرت مخدوم شہید بخشؒ، حضرت مخدوم پیر از غیبؒ اور حضرت مخدوم شیخ ابوالبرکات وغیرہم ہیں۔ حضرت سید شاہ اکبر علی کے ذریعے نیمی میں بیعت و ارشاد کا سلسلہ کافی زمانہ تک جاری رہا۔ نیمی میں بڑے بڑے علماء وقت اور فضلاء بھی پیدا ہوئے جن میں حضرت مولانا شیخ سبحان علی ممن پوری، اور حضرت مولانا شیخ الطاف حسین ساکن نیمی کا نام علامہ شوق نیموی نے اپنی کتاب "یادگار وطن" میں خاص طور سے لیا ہے۔ حضرت علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ نے اسی دینی، روحانی اور علمی ماحول میں ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی اور پروان چڑھے۔ علامہ نے "یادگار وطن" میں اپنا سلسلۂ نسب اس طرح لکھا ہے:

محمد ظہیر احسن بن شیخ سبحان علی بن شیخ دھومن بن شیخ فتح علی بن شیخ محمد وزیر بن شیخ محمد ولی بن شیخ غلام بدر بن شیخ عبدالہادی بن شیخ نصیر بن شیخ محمد صالح بن شیخ ضیاء اللہ بن شیخ عبدالغنی بن شیخ عبد الرحمان بن شیخ عبداللہ بن شیخ نور اللہ بن شیخ محمد زاہد قدس سرہ بن شیخ محمد عابد صدیقی بن شیخ اسماعیل بن شیخ ابراہیم بن شیخ عبدالسلام بن شیخ عبدالغفار بن شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالعزیز بن شیخ عثمان بن شیخ سالم بن سعید بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن عبدالحمید بن علی بن عبدالرحمان بن امام قاسم بن محمد بن حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔

حضرت علامہ ظہیر احسن محدث متخلص بہ شوق نیموی کی عمر جب پانچ سال کی ہوئی تو تعلیم کے لئے بٹھائے گئے۔ ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے اور گاؤں کے مدرسہ میں ہوئی۔ فارسی کی چند کتابیں ختم کیں اور عربی کی تعلیم شروع ہوئی۔ جب آپ میں کچھ تعلیمی استعداد پیدا ہوگئی تو شہر

عظیم آباد (پٹنہ) کے مشہور و معروف صوفی بزرگ زبدۃ الکاملین شمس العلماء حضرت مولانا محمد سعید ہاشمی متخلص بہ حسرتؔ عظیم آبادی قدس سرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور کئی سال تک ان کی شاگردی میں رہ کر علوم اسلامیہ کی کئی کتابیں پڑھیں۔ مولانا سعید حسرتؔ قدس سرہ نے بھی ہونہار شاگرد کو خصوصی توجہ سے نوازا۔

حضرت مولانا محمد سعید محدث حسرتؔ عظیم آبادی اپنے وقت کے جید عالم دین، محدث وقت، سلسلہ قادریہ کے صوفی بزرگ، عربی و فارسی زبان کے ماہر فن استاد اور قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ عظیم آباد کے ایک بوریا نشیں صوفی رئیس تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دولت و ثروت کے ساتھ علم ظاہری و باطنی سے سرفراز کیا تھا۔ آپ نے دنیاوی دولت و وجاہت کے ہوتے ہوئے فقر و استغنا کو اختیار کر رکھا تھا۔ آپ کا خاندان بڑے بڑے علماء، فضلاء، صوفیاء، شعراء و ادباء سے بھرا پڑا ہے۔ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد حمید شاعر اور علوم صرف و نحو اور منطق کے استاد تھے جن کی کئی کتابیں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ مولانا کے نواسے حضرت مولانا حافظ سید شاہ نذر الرحمان رضوی قادری متخلص بہ حفیظؔ مولانا سعید حسرتؔ کے خلیفہ اور سجادہ نشیں تھے اور قادر کلام شاعر، مستند عالم دین اور کئی کتابوں کے مصنف اور صاحب دیوان تھے۔

حضرت علامہ شوقؔ نیموی نے دوران قیام عظیم آباد کئی دوسرے علماء سے بھی درس لیا۔ اس کے بعد آپ غازی پور تشریف لے گئے اور حضرت مولانا مفتی محمد فرنگی محلی کے مدرسہ چشمہ رحمت میں مفتی صاحب، مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری جیسے فقیہ و محدث اور مولانا عبد الاحد شمشاد لکھنوی کے درس میں شامل ہوئے۔ آپ نے یہاں نثر ظہوری، قصائد عرفی، قصائد خاقانی اور حدائق البلاغت کی تعلیم مولانا شمشاد لکھنوی سے حاصل کی۔ آپ نے غازی پور میں چھ سال قیام کیا۔ علوم اسلامیہ کے حصول کے ساتھ ساتھ آپ کو یہاں بھرپور ادبی ماحول میسر آ گیا۔ آپ یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے اور خود بھی مشاعروں کا اہتمام کرتے۔ چھ سال کے عرصہ میں آپ نے غازی پور میں ایک اچھے شاعر اور اردو، فارسی اور عربی زبان و ادب کی دنیا میں خاصی شہرت حاصل کر لی۔ عظیم آباد میں آپ نے مولانا سعید حسرتؔ عظیم آبادی سے اپنے کلام میں اصلاح لی اور غازی پور میں عبد الاحد شمشاد لکھنوی سے اصلاح لیتے رہے۔ ۱۳۰۰ھ میں علامہ نیموی لکھنؤ تشریف لے گئے۔ اور علمائے احناف کے مایہ ناز محدث حضرت مولانا عبد الحئی فرنگی محلی کے درس میں شریک ہوئے۔ لکھنؤ میں آپ فقہ، تفسیر اور حدیث کے علاوہ دوسرے علوم اسلامیہ کے حصول میں ہمہ تن مصروف ہوئے۔ اور ساتھ ہی حکیم سید باقر حسین صاحب سے علم طب بھی پڑھی۔ لکھنؤ میں آپ اپنا کلام تسلیمؔ لکھنوی کو دکھاتے اور اس پر اصلاح لیتے تھے۔

علامہ محمد ظہیر احسن شوقؔ نیموی کی کتاب ''یادگار وطن'' کے مطالعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ جس وقت لکھنؤ پہنچے تو والد اور گاؤں کے مدرسے کی تعلیم، مولانا سعید حسرتؔ عظیم آبادی کی صحبت اور غازی پور کے ادبی ماحول سے اردو، فارسی اور عربی زبان کے پختہ ماہر فن اور شعر و ادب کی دنیا کے استاد کی حیثیت سے پہنچے۔ اور آپ کی شہرت عظیم آباد اسکول سے نکل کر لکھنؤ اسکول اور دہلی اسکول تک پہنچ چکی تھی۔ علامہ کے اساتذہ کی مجھے کوئی لمبی چوڑی فہرست دستیاب نہیں ہو سکی بلکہ یہ ان کا اپنا ذوق مطالعہ تھا کہ وہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ہی زبان و ادب کی دنیا میں اور شاعر کی حیثیت سے آفتاب و ماہتاب ہو کر چمکے۔ اور بعد طالب علمی کے چند سال کے اندر ایک فقیہ اور محدث کی حیثیت سے وہ کام کیا کہ بقول مولانا انور شاہ کشمیری: ''تین سو برس سے ہندوستان میں اس پائے کا محدث پیدا نہیں ہوا'' علامہ کو زمانہ طالب علمی سے تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ اس لیے اپنی

مختصر سی زندگی میں بکثرت کتابیں تصنیف کیں۔

۱۳۰۲ھ میں ''نغمہ راز'' کے عنوان سے ایک پر درد مثنوی لکھی اور اسی زمانہ میں عربی و فارسی زبان کی تحقیق اور اردو زبان کی درستگی کے خیال سے دو کتابیں ''ازاحۃ الاغلاط'' اور ''اصلاح'' نامی تصنیف کیں۔ دونوں کتابوں کی ایسی شہرت ہوئی کہ اہل علم حضرات نے تعریف کی اور اہم اخباروں نے تبصرے لکھے۔ نواب رام پور کلب علی خان نے دعوت دے کر بلوایا۔ رام پور میں نواب کی شان میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ جس کو دیکھ کر حضرت داغ دہلوی جیسے استاد نے بڑی تعریف کی۔ نواب نے دربار میں اعلیٰ عہدہ کی پیشکش کی۔ لیکن آپ نے معذرت کر لی اور لکھنؤ واپس آگئے۔ علامہ کا اصل میدان غزل گوئی اور مثنوی نگاری ہے۔ لیکن آپ نے رباعیات، قصائد اور قطعات بھی لکھے۔ آپ کا ایک شعری مجموعہ آپ کے وصال کے بعد محمد نور الہدیٰ نیموی نے شائع کروایا ہے۔ آپ نے ''نغمہ راز'' کے بعد ''سوز و گداز''، ''درد جدائی''، ''صبح وصال'' اور ''شام فراق'' لکھی۔ ان تمام مثنویوں میں سب سے زیادہ شہرت دوام مثنوی ''نغمہ راز'' اور ''سوز و گداز'' کو حاصل ہوئی آپ کے ادبی کارناموں اور تصانیف کو دیکھ کر ہمعصر شعراء، ادباء، اردو، فارسی اور عربی کے ماہر اساتذہ حضرت مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی، تسلیم لکھنوی، شمشاد لکھنوی، داغ دہلوی، امیر مینائی، آسی مدراسی اور احسن مارہروی وغیرہم نے تحریری طور پر آپ کی زبان دانی اور صلاحیت کو خراج تحسین پیش کیا۔ علامہ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ان کے اور حضرت استاد جلال لکھنوی کے درمیان ادبی معرکہ آرائی کا ہے۔ ہوا یوں کہ جب علامہ تعلیم سے فراغت کے بعد گھر واپسی کی تیاری کر رہے تھے کہ انہیں استاد جلال لکھنوی کی ایک کتاب ''رد تردید'' ملی جو علامہ کی کتاب ''ازاحۃ الاغلاط'' کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ علامہ وہ کتاب اپنے ساتھ پٹنہ لیتے آئے اور یہاں بیٹھ کر ''رد تردید'' کا جواب لکھا اور اس کا نام ''سرمہ تحقیق'' رکھا۔ علامہ نے اس کتاب کے ذریعہ استاد جلال لکھنوی کی خوب اچھی طرح خبر لی۔ اخبارات میں بھی ''سرمہ تحقیق'' کے اقتباسات چھپے۔ علامہ نے ''سرمہ تحقیق'' میں حضرت استاد جلال لکھنوی کے کلام کو سامنے رکھ کر ان کے زبان و انشاء کی ایک ایک خامی کو عیاں کر کے دکھا دیا۔ یہ ادبی نوک جھونک کافی دنوں تک اخبارات کے ذریعہ چلتی رہی۔ آخر مشرق کے شہر عظیم آباد اسکول کے ایک اہل زبان و قلم علامہ محمد ظہیر احسن شوق نیموی کے ہاتھوں مغرب کے شہر لکھنوی اسکول کے اہل زبان حضرت استاد جلال لکھنوی نے اپنی ہار تسلیم کر لی اور خاموش ہو رہے۔ لکھنؤ کے قیام کے دوران ابتدائی دنوں میں علامہ گنج مراد آباد تشریف لے گئے اور حضرت مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

لکھنؤ سے واپسی کے چند ہی سال میں آپ کی زندگی میں انقلاب برپا ہوا۔ آپ کی طبیعت کا رجحان شدت کے ساتھ مذہب کی طرف ہو گیا اور اسلامی کتب کی تصانیف کی طرف رغبت پیدا ہو گئی۔ جناب ڈاکٹر محمد عتیق الرحمان قاسمی صاحب اپنی کتاب ''علامہ شوق نیموی حیات و خدمات'' میں لکھتے ہیں:

''علامہ نیموی کے جو مفصل حالات اوپر بیان کیے گئے ہیں ان سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے زمانہ طالب علمی میں اور پھر فراغت کے بعد چند برسوں تک اردو زبان و ادب سے خصوصی دلچسپی لی اور اس موضوع پر کچھ اہم کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔ لیکن اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا طبعی میلان اور فکری رجحان یکسر بدل جاتا ہے۔ اور اردو زبان و ادب کے بجائے علوم دینیہ کے مطالعہ اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر فن حدیث میں اس قدر دلچسپی لیتے ہیں اور غائر مطالعہ کرتے ہیں کہ اس میدان میں تمام ہندوستانی

علماء احناف کے سرخیل ہوجاتے ہیں۔اور مرکزی شخصیت اختیار کرجاتے ہیں۔"

حضرت علامہ نیموی محدث کے گھر کا ماحول دینی تھا۔دوسرے آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی علمائے احناف میں بڑے پایے کے محدثین میں تھے۔اور ان کی صحبت سے آپ نے بہت کچھ استفادہ کیا تھا۔تیسرے غیر مقلد علماء کے وعظ و تقاریر نے آپ میں حنفی عقیدہ کے لئے ایک نیا جوش و جذبہ پیدا کردیا تھا۔ڈاکٹر محمد عتیق الرحمان قاسمی لکھتے ہیں:

"علامہ نیموی کی دینی غیرت و حمیت جاگ اٹھی اور احناف کی طرف سے جواب دینے کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی۔تلاش و جستجو اور تحقیق کے بعد اہل علم کے سامنے حقائق پیش کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔اس بناء پر ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ نیموی اس کے بعد علوم دینیہ اور خاص طور پر حدیث شریف کی خدمت کی طرف متوجہ ہوگئے۔مسلک احناف کی تائید اور حمایت میں پورا زور اور پوری صلاحیت صرف کردی۔اور یہ مشغلہ اخیر عمر تک رہا۔"

اس سلسلہ میں علامہ نے بکثرت تصانیف چھوڑی ہیں۔ڈاکٹر محمد عتیق الرحمان قاسمی صاحب نے آپ کی بارہ دینی کتابوں کی فہرست درج کی ہے۔جن میں چند مشہور کتابوں کا ذکر یہاں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید: یہ فقہ اسلامی کی تاریخ ہے۔مسئلہ تقلید کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔حضرت امام ابوحنیفہ پر غیر مقلد علماء کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔امام اعظمؒ کے کشف و کرامات تحریر کیے گئے ہیں۔یہ کتاب تقلید ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) پر نہایت مدلل اور مفید کتاب ہے۔

۲۔حبل المتین: امام شافعی اور اہل حدیث کے یہاں جماعت میں امام کے ساتھ مقتدی بھی سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں، آمین بآواز بلند کہتے ہیں اس کتاب میں انہیں مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔اور مستند احادیث، طریقہ صحابہ اور علمائے متقدمین کے اقوال سے حضرت امام ابوحنیفہ کے طریقہ کو درست ثابت کیا گیا ہے اور اس کی تائید کی گئی ہے۔

۳۔رد السکین: اہل حدیث کے ایک عالم حضرت مولانا محمد سعید بنارسیؒ نے علامہ کی کتاب "حبل المتین" کے جواب میں ایک کتاب "سکین" لکھی۔علامہ نے اس کے رد اور جواب الجواب کے طور پر یہ کتاب "رد السکین" لکھی۔اس میں علامہ نے علمائے اہل حدیث کی کتابوں سے حوالہ جات اور دلائل پیش کیے ہیں۔

۴۔آثار السنن: مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ مقالہ کاملہ، وسیلۃ العقبیٰ، الدرۃ الغرہ، تبصرۃ الانظار فی رد تنویر الابصار، تبیان التحقیق اور آثار السنن آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔آثار السنن نے ثابت کردیا کہ علامہ کی فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث پر بڑی مضبوط گرفت تھی۔یہ کتاب احادیث صحیحہ کا ایک مستند مجموعہ ہے اور حنفیوں اور علمائے احناف کے لئے بڑی کارآمد کتاب ہے۔علامہ کو حضرت مولانا محمد سعید محدث عظیم آبادیؒ اور مولانا عبدالحئی حنفی فرنگی محلیؒ کی صحبت، تعلیم و تربیت نے صحاح اور فقہ حنفی کا ایک پختہ کار عالم بنادیا تھا۔آپ نے امام ابوحنیفہ کے مسلک اور حنفی عقیدہ کی تبلیغ و تشریح کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا تھا۔آپ کی اپنی تحریر ہے کہ

"یہ تو ظاہر ہے کہ حدیث میں بلوغ المرام یا مشکوٰۃ شریف پڑھائی جاتی ہے۔اور ان کے (یعنی بلوغ المرام یا مشکوٰۃ کے) مؤلف

شافعی مسلک تھے۔ ان کتابوں میں زیادہ تر وہی حدیثیں ہیں جو مذہب شافعی کی مؤید اور مذہب حنفی کے خلاف ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر معلم در پردہ غیر مقلد ہوتے ہیں۔ بے چارے طلباء یہ ابتدائی کتابیں پڑھ کر مذہب حنفی سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ پھر جب صحاح ستہ کی نوبت آتی ہے تو ان کے خیالات اور بھی بدل جاتے ہیں۔ علمائے حنفیہ نے کوئی ایسی کتاب قابل درس تالیف ہی نہیں کی کہ جس میں مختلف کتب احادیث کی وہ حدیثیں ہوں جن سے مذہب حنفی کی تائید ہوتی ہو۔ پھر بے چارے طلباء ابتداء میں پڑھیں تو کیا اور ان کے عقائد درست ہوں تو کیوں کر۔ آخر بے چارے غیر مقلد نہ ہوں تو کیا ہوں۔ فقیر نے انہیں خیالات سے حدیث شریف میں "آثار السنن" نام سے ایک کتاب بنائے تالیف کی ہے۔"

علامہ نیموی نے "آثار السنن" کے تالیف کے سلسلہ میں احادیث کی سینکڑوں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نادر و کمیاب کتب حاصل کر کے اکٹھا کیں۔ دور دراز مقامات کا سفر کیا۔ نتیجے کے طور پر آپ کی لائبریری میں احادیث کی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا کہ شاید ہی کسی عالم دین کے پاس نایاب کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ رہا ہو۔ اس سلسلہ میں علامہ خود تحریر فرماتے ہیں :

"آج کل بطور "مشکوٰۃ شریف" میں نے "آثار السنن" نام کی ایک کتاب کی بنائے تالیف ڈالی ہے۔ جس کے لئے بلاد مختلفہ خصوصاً مصر و روم و حرمین شریفین کا سفر درکار ہے۔ اگر یہ کتاب تیار ہو گئی تو انشاء اللہ حنفیہ کے لئے کار آمد ہو گی۔ حضرت واہب العطا کا یہ مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ فن حدیث میں جس کا شوق مجھ کو زیادہ ہے۔ چند قلمی کتابیں ایسی ہاتھ آ گئیں ہیں جو ہندوستان کیا عرب میں بھی کم یاب ہیں۔"

جناب ڈاکٹر عتیق الرحمان صاحب قاسمی کا بیان ہے کہ "آثار السنن" کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہندوستان کی پہلی کتاب ہے جس میں وہی صحیح حدیث جمع کی گئی ہیں جو مسلک احناف کی تائید کرتی ہیں۔ اور فقہی ترتیب کے ساتھ خالص محدثانہ رنگ میں بحث کی گئی ہے......دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علامہ نیموی نے احادیث و رجال صحت و عدم صحت اور ضعیف کے بارے میں جابجا اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کیا ہے اور انہیں قال النیموی (نیموی کہتا ہے) کہہ کر پیش کیا ہے۔ یہ خیالات درحقیقت علامہ نیموی کی نہایت گراں قدر تحقیقات ہیں۔ اس کتاب پر خود علامہ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا حفیظ الرحمان سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ اور علامہ کے صاحبزادے مولانا عبدالرشید فوقانی نے شرحیں لکھیں۔

حنفی مسلک کے نقطہ نظر سے جن علماء نے مجموعہ احادیث مرتب کیں ان میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی، سید مرتضیٰ بلگرامی اور حضرت علامہ ظہیر احسن شوق نیموی کے علاوہ کوئی حنفی عالم دین نظر نہیں آتا ہے۔ اور ان تینوں بزرگوں میں بھی علامہ نیموی قدس سرہ واحد محقق دوراں، محدث عصر اور سر تاج علمائے احناف ہیں جنہوں نے فقہی ترتیب کے ساتھ ساتھ خالص محدثانہ رنگ میں "آثار السنن" کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا اور اس میں وہی صحیح حدیث جمع کیں جو مسلک احناف پر دلالت کرتی ہے۔ "آثار السنن" سے متعلق علماء کی رائے درج ذیل ہے :

حضرت مولانا شاہ عبدالحق دہلوی مہاجر مکی علامہ کو لکھتے ہیں : "آپ کی کتاب "آثار السنن"........اس وقت پہنچی جب علمائے مکہ کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان لوگوں نے آپ کی کتاب پڑھی اور آپ کی تحقیقات و دُرہ معلوم کر کے بے حد مسرور ہوئے اور آپ کو دعائیں دیں۔"

مولانا حبیب الرحمان اعظمی، ڈاکٹر عتیق الرحمان کو اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں : "........خالص محدثانہ حنفی نقطہ نظر سے ہندوستان

میں جو پہلی کتاب لکھی گئی، جہاں تک مجھے معلوم ہے، "آثار السنن" ہے۔ میری نگاہ میں اس کتاب کی بہت قدر و قیمت ہے اور مولانا ظہیر احسن شوق نیموی کا تصنیفی شاہکار ہے۔ ہمارے استاذ مولانا انور شاہ کشمیریؒ بھی اس کتاب کی بہت قدر کرتے تھے۔ اس کتاب اور مولف کی منقبت میں ان کا قصیدہ "آثار السنن" کے آخر میں طبع ہو چکا ہے۔ اس سے بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو ہمیشہ مطالعہ میں رکھ کر اس کے مباحث میں بکثرت اضافے کئے ہیں۔"

جناب ڈاکٹر عتیق الرحمان صاحب لکھتے ہیں: "۱۹۸۲ء میں آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے سہ روزہ اجلاس منعقدہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں شریک ہوا اور "بہار میں علوم اسلامی کا ارتقاء" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا۔ جس میں علمائے بہار کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے علامہ شوق نیموی کی حدیث میں خدمات پیش کیں تو حدیث کے ایک اچھے عالم نے کھڑے ہو کر میرے مقالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج یہ جان کر نہایت خوشی ہوئی کہ علامہ نیموی ہندوستان کے باشندہ تھے۔ ورنہ میں اب تک یہ سمجھتا تھا کہ وہ عرب کے کسی خطہ کے رہنے والے ہیں۔ کیونکہ علمائے ہند نے کثرت سے ان کی کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں۔" اس کتاب سے ہند و بیرون ہند کے علماء نے استفادہ کیا اور اپنی کتابوں میں حوالہ کے طور پر تحریر کیا ہے۔ مثلا حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، سلیمان الفتیحیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرھم۔

اس کے علاوہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کا قول ہے کہ "مولانا شوق نیموی نے "جامع الآثار فی اختصاص الجمعۃ بالا مصار" میں نماز جمعہ پر لاجواب بحث کی ہے۔"

علامہ کشمیری کا قول ہے کہ "محدث نیموی بڑے محقق گزرے ہیں اور مذہب حنفی کی بڑی خدمت انجام دی ہے........ تین سو برس سے ہندوستان میں اس پائے کا محدث پیدا نہیں ہوا۔"

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ان الفاظ میں تعریف و توصیف فرماتے ہیں: "مولانا ظہیر احسن شوق نیموی کی کتاب "آثار السنن" محدثانہ نقد و نظر اور مذہب حنفی کی تائید میں ایک بلند پایہ تصنیف ہے اور ہندوستان کی فن حدیث کی تصنیفات میں ایک وقیع اور جدید اضافہ ہے۔ افسوس ہے کہ مصنف کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی۔ اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو حنفی نقطۂ نظر اور محدثانہ طرز پر ایک بڑا علمی کارنامہ ہوتا۔"

حضرت علامہ ظہیر احسن محدث متخلص بہ شوق نیموی قدس سرہ العزیز نے بڑی مختصر عمر پائی۔ آپ ۱۲۷۸ھ کو موضع صالح پور، ضلع پٹنہ میں اپنی خالہ کے گھر پیدا ہوئے۔ نام محمد ظہیر احسن، کنیت ابوالخیر اور ظہیر الاسلام مادہ تاریخ قرار پایا۔ ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۰۰ھ میں خالہ کی بڑی صاحبزادی بی بی مخدومن بنت شیخ بشارت علی سے آپ کی شادی ہوئی جن سے ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرشید فوقانی پیدا ہوئے۔ آپ کی اس پہلی شادی میں آپ کے استاد اول حضرت مولانا محمد سعید حسرت قدس سرہ شریک تھے جنہوں نے قطعہ تاریخ کہا۔

مشفق مولوی ظہیر احسن	کتخدا گشت چوں بفضل خدا
سال تاریخ شد بروئے جمیل	از زواج ظہیر احسن ما

دوسری شادی آپ نے اپنے چچا کی بیوہ دختر سے کی جن سے ایک صاحبزادے عبدالسلام پیدا ہوئے اور کمسنی ہی میں فوت ہوئے۔

علامہ نیموی نے خود چوالیس سال کی عمر میں ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۰۴ء کو وصال فرمایا۔ آپ کے شاگردوں کی کثیر تعداد تھی۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا اشفق عماد پوری اور شہزادہ مرزا محمد رئیس بخت زبیر بن مرزا محمد دارا بخت بن سلطان ہند بہادر شاہ ظفر کا نام بہت مشہور و معروف ہے۔

نقشہ خاندان و اولاد علامہ شوق نیمویؒ
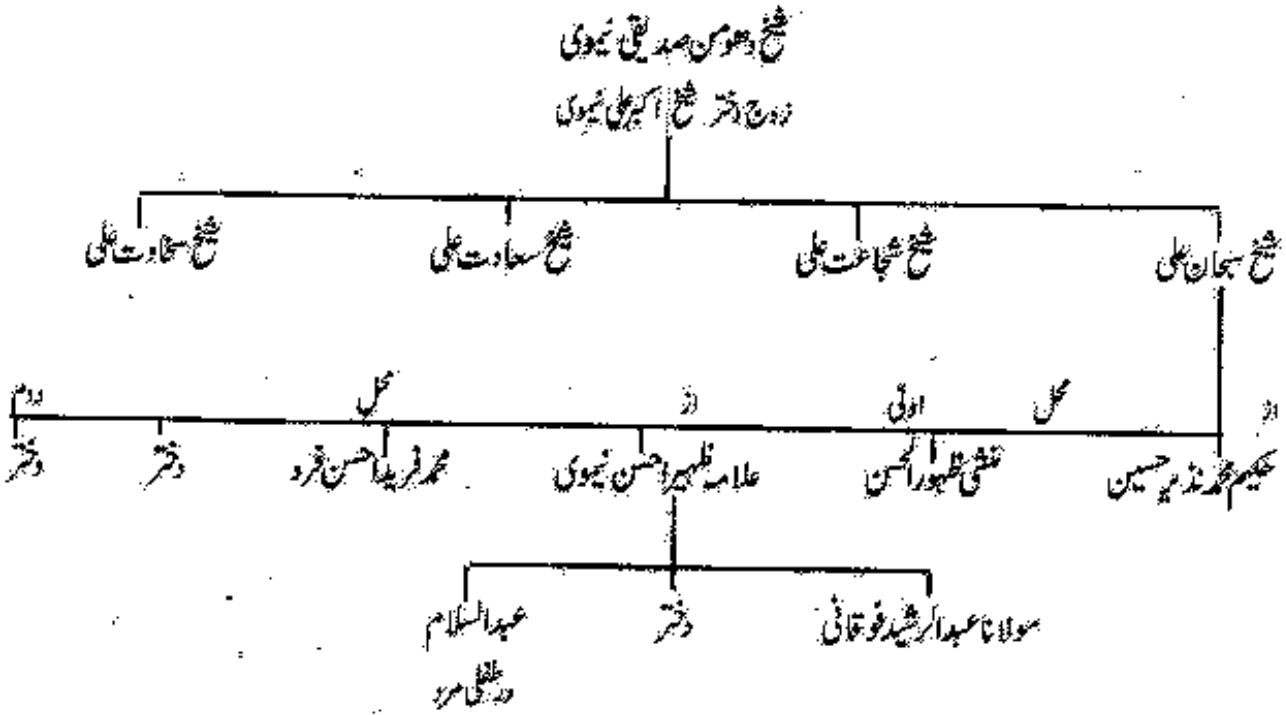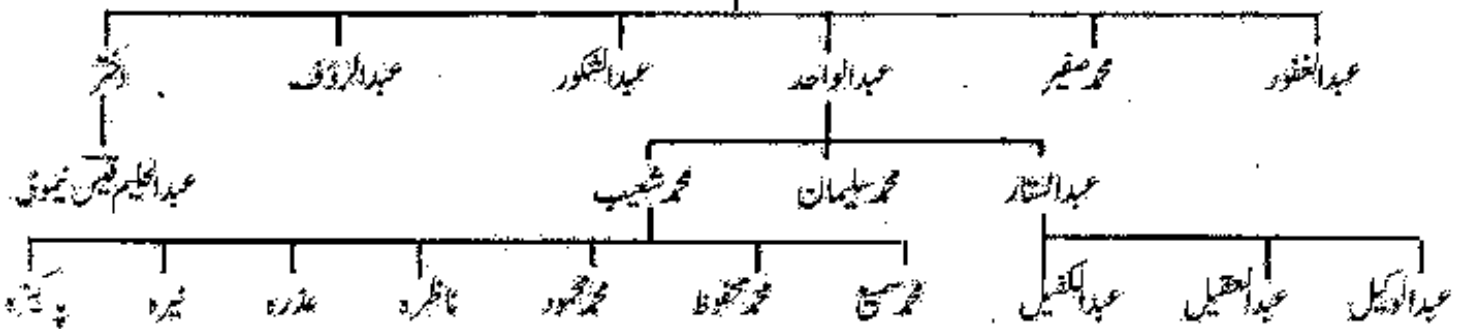
حضرت مولانا شمس الحق محدث رحمۃ اللہ علیہ

مسلمانوں کو اپنی زندگی عین اسلامی اصولوں کے مطابق گزارنے کے لئے اللہ جارک تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید فرقان حمید اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی عملی زندگی کا نمونہ موجود ہے۔ آپ ﷺ کے اقوال و افعال پر عمل پیرا ہو کر ہی مسلمانان عالم دونوں جہانوں کی کامیابی و کامرانی سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کو جاننے، سیکھنے اور دوسرے مسلمانوں تک پہنچانے کا عمل حیات نبوی ﷺ سے جاری و ساری ہے۔ آج دنیا میں ہمارے پیارے رسول ﷺ کی زندگی کے ایک ایک لمحے کا عملی نمونہ تحریری شکل میں موجود ہے جس کو "حدیث نبوی ﷺ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ قرآن مجید کو سینے میں محفوظ کرنے والوں کو "حافظ قرآن" اور حدیث پاک کو یاد کرنے والوں اور تحریر و تقریر کے ذریعہ دوسرے مسلمانوں تک پہنچانے والوں کو "محدث" کہا جاتا ہے۔ حفاظ قرآن کی طرح محدثین کی کثیر تعداد حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی حیات میں صفہ کے چبوترے سے لے کر آج تک ہر زمانہ میں موجود رہی۔ احادیث نبوی ﷺ کی ترویج و تشہیر کا کام کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ زیر نظر چند صفحات پر ایک ایسے ہی محدث کا ذکر خیر مقصود ہے، جنھوں نے اپنی زندگی بی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی احادیث کی اشاعت و تبلیغ کے لئے وقف کر رکھی تھی اور اپنی کثیر دولت اسی نیک کام پر صرف کی۔

محدث کبیر حضرت ابوالطیب محمد شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی قدس سرہ العزیز کی شخصیت علم حدیث اور ترویج حدیث کے سلسلہ میں حضرت صدیق حسن خان قنوجی نواب آف بھوپال، حضرت میاں سید نذیر حسین محدث بہاری ساکن دہلی اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کسی طرح کم نہ تھی۔ لیکن افسوس ہم نے حضرت محدث ڈیانوی عظیم آبادیؒ کی خدمات کو عوام کی نظروں سے دور رکھ کر ایک بڑے دینی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ کی وہ کتابیں جو عربی و فارسی میں شائع ہوئیں، اردو زبان میں منتقل کی جاتیں، جو اب تک طبع نہ ہو سکیں وہ زیور طباعت سے آراستہ کی جاتیں اور ان کی ایسی تصنیف شدہ کتابیں جو نایاب و ناپید ہوتی جارہی ہیں، انھیں تلاش کر کے شائع کیا جاتا، اگر تعصب کی عینک اتار کر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس مرد قلندر نے اپنی مختصری زندگی میں ایک چھوٹے سے قصبہ موضع ڈیانواں اور مرکز سے دور ایک صوبائی دارالحکومت شہر عظیم آباد (پٹنہ) میں بیٹھ کر جو علمی اور دینی کام انجام دیا ویسا کام مرکز میں بیٹھ کر گوناگوں وسائل اور میڈیا کے ہوتے ہوئے نہیں کیا جاسکا۔ سب سے افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ حضرت مولانا شمس الحق محدثؒ کی سوانح حیات پر بس ایک دو مختصر کتاب لکھ کر ہم یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ ظاہر ہے پانچ وقت کی چند رکعتیں ادا کر کے اپنی گردن سے فرض اتار پھینکنے والی قوم سے اور کیا امید کی جاسکتی ہے۔

حضرت مولانا شمس الحق محدث رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ ذیقعد ۱۲۷۳ھ کو اپنی ننھیالی مکان محلہ رمنہ شہر عظیم آباد (پٹنہ) میں پیدا

ہوئے۔آپ کا ددھیالی اور ننھیالی دونوں سلسلۂ نسب خلیفۂ اول،امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، یارِ غار رسول ﷺ سے ملتا ہے۔آپ کے والد حضرت امیر علی بن مقصود علی بن غلام حیدر بن ہدایت اللہ بن محمد زاہد بن نور محمد بن علاء الدین صدیقی کا وطن آبائی موضع ہرواس بگہہ، ضلع پٹنہ تھا۔اس طرح آپ کا ددھیال موضع ہرواس بگہہ کے خاندان صدیقی سے تعلق رکھتا ہے۔جن کی مالی حیثیت ایسی مستحکم تھی کہ آپ کے دادا حضرت غلام حیدر صاحب کی شہر عظیم آباد میں کئی عالی شان کوٹھیاں تھیں۔آپ کے آباء واجداد ننھیالی مسلک احناف سے منسلک تھے۔حضرت محدث ڈیانوی کے نانا شیخ گوہر علی مرحوم بن شیخ مہر علی موضع ڈیانواں، ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے۔حضرت مولانا محدث ڈیانوی کے نبیرہ حضرت محمد احسن اللہ مرحوم اپنی کتاب ''محدث ڈیانوی'' (زیر طبع) میں لکھتے ہیں: ''شیخ گوہر علی کی ولادت ڈیانواں میں ۱۲۱۳ھ میں ہوئی، تحصیل علم کے لئے آپ کے والد شیخ مہر علی نے آپ کو بیتھو شریف (ضلع گیا) بھیجا تھا''۔

بیتھو شریف ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کو حضرت سید شاہ عبدالرزاق نور العین قدس سرہ سجادہ نشین حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی مقیم کچھوچھہ شریف کی اولاد میں حضرت مخدوم سید شاہ درویش اشرفؒ نے بسایا تھا۔یہاں آپ نے خانقاہ، مسجد اور تعلیمات اسلامی کے لئے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔احسن اللہ مرحوم کے بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت محدث ڈیانوی کی ننھیال صوفیوں کا گھرانہ تھا جو حنفی المشرب تھا۔شیخ گوہر علی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی تعلیم خانقاہ بیتھو کے مدرسہ چشتیہ میں ہوئی اور حضرت شیخ صاحب کے بزرگوں کو مشائخ بیتھو شریف سے خاص ارادت اور قلبی لگاؤ رہی ہوگی۔عزیز محترم محمد تنزیل صاحب جو حضرت محدث ڈیانوی کے پرپوتے ہیں کا بیان ہے کہ حضرت شیخ گوہر علی اور ان کے خاندان کو بزرگان پھلواری شریف سے بیعت وارشاد اور روحانی وابستگی تھی۔شیخ گوہر علی صاحب ڈیانواں کے بہت بڑے رئیس تھے۔اللہ نے دینی اور دنیوی حیثیت سے شہرت عطا کی تھی۔شہر عظیم آباد پٹنہ کے محلہ رمنہ میں ان کی حویلی ایک طویل وعریض قطعہ زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔

حضرت ابوالطیب محمد شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن اور طالب علمی کا زمانہ محلہ رمنہ کے ننھیالی حویلی اور قصبہ ڈیانواں میں گذرا چونکہ آپ کے والد حضرت امیر علی نے جوانی میں بعمر ۲۴ سال وصال فرمایا اس لئے آپ کی پرورش، تعلیم اور تربیت آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد احسن علیہ الرحمۃ کی زیر نگرانی ہوئی۔آپ کے ابتدائی اساتذہ میں مولانا محمد ابراہیم نگرنہسوی خلیفہ سید احمد شہید، حافظ اصغر علی رام پوری، مولانا لطف علی بہاری اور ماموں مولانا نور احمد ڈیانوی مشہور ہیں۔مزید تعلیم کے لئے آپ نے سفر اختیار کیا۔لکھنؤ، بھوپال، مرادآباد اور دہلی کے جید علمائے وقت کے درس میں شامل ہوئے۔آپ کے اساتذہ میں مولانا فضل اللہ لکھنوی، مولانا بشیر الدین قنوجی، حضرت شیخ حسین بن محسن یمانی انصاری خزرجی اور شیخ الکل حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث بہاری مقیم دہلی کا نام نامی پایا جاتا ہے۔آپ نے میاں سید نذیر حسین محدث قدس سرہ سے حدیثیں پڑھیں اور دو سند حدیث حاصل کی۔۱۳۱۱ھ میں سفر حج کے موقع پر چھ ماہ حرمین شریفین میں مقیم رہے۔وہاں کے جید علمائے عرب سے استفادہ کیا اور سند حدیث حاصل کیا۔ان علمائے محدثین کے نام درج ذیل ہیں: حضرت شیخ احمد بن سلیمان شافعی، حضرت علامہ عبدالرحمان بن عبداللہ سراج محدث مکی، حضرت علامہ خیر الدین ابوالبرکات نعمان آلوسی بغدادی، حضرت شیخ احمد شرقی نجدی، قاضی عبدالعزیز بن صالح بن مرشد حنبلی، حضرت شیخ صالح بن محمد مدنی،

حضرت علامہ احمد بن احمد بن علی مغربی تونسی اور حضرت شیخ ابراہیم بن احمد بن سلیمان مکی رحمۃ اللہ علیہم۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے اوقات عزیز درس و تدریس تشریح و تشہیر حدیث اور کتب احادیث کی تصنیف و تالیف میں صرف کیں۔ آپ طبقہ علمائے مسلک اہل حدیث و غیر مقلدین میں بڑی نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ حضرت میاں سید نذیر حسین محدث علیہ الرحمۃ کے حقیقی جانشین تھے۔ آپ کی شہرت برصغیر سے نکل کر بلاد عرب تک پہنچی۔ عرب دنیا کے علاوہ ممالک افریقہ سے بکثرت طلبہ بہار کے دور افتادہ دیہات موضع ڈیانواں پہنچنے لگے۔ آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ حدیثیں پڑھیں اور سند حدیث لے کر اپنے اپنے ممالک کو لوٹے۔ آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں مشہور نام درج ذیل ہیں: علامہ شرف الدین محدث دہلوی، علامہ ابوالقاسم سیف بنارسی، قاضی صالح بن عثمان نجدی، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی، قاضی یوسف حسین خانپوری، مولانا عبدالحمید سوہدروی، شیخ اسماعیل خطیب ازہری، علامہ ابو عبدالرحمان شرف الحق محمد اشرف ڈیانوی، شیخ عبدالحفیظ الفاسی المراکشی، مولانا فضل اللہ مدراسی اور مولانا نذیر احسن نسیم پھلوی وغیرہم۔

حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث ڈیانوی عظیم آبادی قدس سرہ العزیز حضرت شیخ الکل میاں صاحب محدث دہلوی کے برصغیر میں وہ واحد جانشین تھے جنہوں نے میاں صاحب کے مشن کو بڑی کامیابی سے آگے بڑھایا۔ آپ نے احادیث شریفہ کی بکثرت قلمی کتب جو نایاب و نایافت تھیں، کو تلاش کرکے زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ بکثرت کتابیں آپ کے رشحات قلم سے منظر شہود پر آئیں اور بکثرت احادیث کی کتابوں پر شروح و حواشی لکھ کر شائع کیں۔ آپ کی اردو، فارسی اور عربی میں مطبوعہ تصانیف کی تعداد تقریباً بیس بتائی جاتی ہیں۔ غیر مطبوعہ اور نایاب کتب کو شامل کیا جائے تو تعداد تیس سے تجاوز کر جائے گی۔ آپ کی تصانیف میں "غایۃ المقصود" اور "عون المعبود" نے بڑی شہرت حاصل کی، بلاشبہ جس طرح "سلّم العلوم" اور "مسلّم الثبوت" نے حضرت مولانا محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ کو پورے دنیائے اسلام میں شہرت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچا دیا اسی طرح "غایۃ المقصود" اور "عون المعبود" نے حضرت محدث ڈیانوی علیہ الرحمۃ کو قیامت تک کے لئے زندۂ جاوید کر دیا ہے۔

میں قبل لکھ چکا ہوں کہ مندرجہ بالا دو کتابوں کے علاوہ بکثرت دوسری کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ خدمت حدیث کے سلسلہ میں آپ کے کارناموں کو بڑے بڑے علمائے وقت، مصنفین، اور واعظین نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ آپ کے پوتے عزیز محترم محمد تنزیل صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: "آپ نے بطریق محدثین ہندوستان میں سب سے پہلے حدیث کی شرح لکھی"۔

استاذ مکرم حضرت سید مصباح الہدیٰ دیسوی مدظلہ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں: "علاوہ ازیں حدیث کی مشہور کتاب "سنن دار قطنی" بھی پہلی مرتبہ ایڈٹ کرکے مولانا شمس الحق محدث ہی نے شائع کی تھی۔"

مولانا ابوالحسنات عبدالشکور ندوی رقم طراز ہیں: "مولانا ڈیانوی وہ مایہ ناز ہستی ہے جس پر اس آخری دور میں ہندوستان جس قدر چاہے فخر کر سکتا ہے۔ تمام عمر خدمت علم حدیث میں بسر کر گئے۔"

علامہ سید سلیمان ندوی محدث ڈیانوی کی خدمت حدیث سے متعلق لکھتے ہیں: "مولانا شمس الحق صاحب مرحوم ...... نے کتب حدیث

کی جمع و اشاعت کو اپنی دولت اور زندگی کا مقصد قرار دیا اور اس میں وہ کامیاب ہوئے گئے"

مولانا عبدالمالک آبروی کا بیان ہے کہ "آپ نے اپنے گرد جید علماء کا ایک حلقہ بنالیا اور حدیث کی ایسی غیر فانی خدمت انجام دی کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب و عجم میں آپ کو امتیازی شہرت حاصل ہوگئی۔"

حضرت ابوالطیب محمد شمس الحق صدیقی محدث ڈیانوی عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اساتذہ کرام میں بھی بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جنہوں نے اپنے خطوط میں آپ کو بڑے بڑے القاب اور پر وقار خطاب سے مخاطب کیا ہے۔ آپ نے ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو وصال فرمایا۔

آپ کی چھ اولادیں ہوئیں۔ بیٹوں میں پسر اول محمد شعیب، پسر دوم مولانا حکیم محمد ادریس، پسر سوم مولانا حافظ محمد ایوب۔ حافظ صاحب دختر محمد یعقوب بن حکیم ارادت حسین صادقپوری سے منسوب تھے۔ لڑکیوں میں دختر اول مسماۃ رفیدہ مولانا عبدالستار بن محمد یعقوب بن حکیم ارادت حسین صادقپوری سے منسوب تھیں۔ دختر دوم مسماۃ سعیدہ اور دختر سوم مسماۃ ذکیہ۔ حضرت محدث ڈیانوی کے پر پوتے محمد تنزیل بن محمد احسن اللہ بن مولانا حافظ محمد ایوب کراچی میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور بکثرت مضامین تحریر کر چکے ہیں۔

ننھیالی شجرہ نسب حضرت مولانا شمس الحق محدث رحمۃ اللہ علیہ

نقشہ اولاد حضرت مولانا شمس الحق محدث ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ امیر علی دختر مولانا گوہر علی ڈیانواں
مولانا محمد اشرف
زوج بنت شیخ عبدالکریم (کٹونہ)
مولانا شمس الحق محدث
دختر زوجہ
مولانا حکیم عبدالباری نگرنہسوی
دختر زوجہ
مولانا نجابت احمد نگرنہسوی
ازمحل اولیٰ دختر شیخ عبداللطیف صدیقی (چھپرہ)
از محل اولیٰ دختر شیخ عبداللطیف صدیقی (چھپرہ)
مسماۃ ذکیہ
مسماۃ سعیدہ
مسماۃ رفیدہ
مولانا حافظ محمد ایوب
مولانا حکیم محمد ادریس
محمد شعیب
زوجہ محی الدین
گورکھپور
زوجہ عبدالستار بن
محمد یعقوب صادقپوری
مسیح الدین
مہرالنساء
شفیع الدین
خالد
انس
محمد احسن اللہ
محمد محسن
ابوالحسن
ابوذر
ابوالقاسم
دختر زوجہ محمد محاسن بن محمد احسن اللہ
ابونصر
دختر
دختر
دختر
محمد نعمان
محمد عمران
محمد رضوان
محمد اقبال
ازمحل اولیٰ دختر حکیم محمد ادریس از محل ثانی دختر سید محمد آصف بن محمد دائم (جوانواں)
محمد تنزیل الصدیقی الحسینی
محمد توصیف
تحسین
دختر
محاسن
زوج دختر ابوالقاسم
دختر
دختر
محمد ساجد
محمد شارق
محمد ثاقب
دختر زوجہ
عبدالمعز
دختر زوجہ
عبدالباسط
محمد احسن اللہ
ابوالقاسم
عبدالرقیب
دختر زوجہ
محمد قاسم بن محمد ہارون پھلواروی

شمس العلماء حضرت نواب سید امداد امام اثرؔ

حضرت علامہ سید امداد امام اثرؔ علیہ الرحمۃ کا ذکر خیر اوراق ہٰذا میں بحیثیت ایک شیعہ عالم کے کیا جارہا ہے۔ شاید کچھ ناواقف اہل بہار کو اس پر اعتراض ہو۔ اس لئے کہ علامہ کے اعزا و اقارب کی ایک کثیر تعداد سنی المذہب ہے۔ لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے حضرت علامہ صوبہ بہار میں ایک بڑے پائے کے شیعہ عالم اور مجتہد تھے۔ جیسا کہ خود آپ کے والد کا قول ہے کہ "ہمارے آباء و اجداد شیعی تھے۔" دوم علامہ اور ان کے والد کے علاوہ خاندان میں بکثرت شادیاں سنیوں کے علاوہ شیعہ خاندان میں پشتہا پشت سے ہوتی چلی آرہی ہیں۔ تیسرے علامہ نے ایک کتاب بنام "مصباح الظلم" فقہ جعفریہ سے متعلق اور اس کی تائید میں تحریر فرمائی ہے۔ جس کے متعلق ممتاز عالم دین علامہ سید ذوالفقار حسین نقوی کا کہنا ہے کہ

"اس کتاب کا موضوع کے لحاظ سے کوئی ثانی نہیں۔"

شمس العلماء مولانا نواب سید امداد امام اثرؔ علیہ الرحمۃ ۱۷ اگست ۱۸۴۹ء کو موضع سالار پور، ضلع پٹنہ، بہار میں پیدا ہوئے، جو غالباً آپ کا ننھیال تھا۔ اس بستی سالار پور میں ہومیو ڈاکٹر سید اختر امام مرحوم بن سید عبدالغفور بن سید حسام الدین بن سید جمال الدین یکے از اولاد مخدوم شاہ سکندر و سید محمد عرب عرف سید حسین خنگ سوار تھے۔ علامہ کا ننیہال اور ڈاکٹر سید اختر امام مرحوم کے خاندان سالار پور سے راقم کی جدی رشتہ داری تھی۔ اور راقم السطور کے دادا حضرت میر سید امیر الدین احمد علیہ الرحمۃ کی ان دونوں گھرانوں سے آمد و رفت تھی۔ میر صاحب نے اپنے ان ہی عزیزوں کی تحریک پر انگریزی تعلیم حاصل کی تھی۔ حضرت علامہ سید امداد امام اثرؔ کا دادیہال اور وطن آبائی موضع کرائے پر سرائے ضلع پٹنہ تھا۔ آپ کے والد خان بہادر نواب منشی سید وحید الدین مرحوم کو بھی شمس العلماء کا خطاب حکومت وقت سے ملا تھا۔ خان بہادر صاحب نے بعد اکتساب علم ملازمت شروع کی اور ترقی کر کے صدر اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ انہوں نے ایک کتاب بنام "حد تحقیق۔ مشرب شیان" تصنیف کی تھی۔ اس کتاب میں اپنے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہے کہ جد اعلیٰ ہمارے سید فیروز نسل سے سید ابوالفرح واسطی کے اس ملک میں آئے کہ اس رو سے ہم اپنے باپ کی طرف سے زیدیہ ہیں اور ہمارے باپ سید امداد علی ابن سید امام علی ابن سید بقیت اللہ ابن سید احمد اللہ ساکن کرائے پر سرائے چار کروہی جانب فتوحہ اسٹیشن، ضلع پٹنہ کے تھے۔ اور پیدائش ان کی ۱۲۰۴ھ کی تھی کہ کسی شاعر نے اس وقت کے ایک قصیدہ مبارک باد پیدائش کا ان کے بحضور سید مردان علی نانا ان کے جو کہ عامل پرگنہ بھوجپور وغیرہ ضلع شاہ آباد (آرہ) کے تھے پیش کر کے مادہ پیدائش ہمارے باپ کا لفظ "چراغ" کو قرار دیا تھا کہ جس سے بارہ سو چار نکلتا ہے .... اور انتقال ہمارے باپ کا بتاریخ چہارم شوال ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۳ مارچ ۱۸۶۴ء کے ہوا .... ہمارے باپ نے اپنے فیصلہ جات وغیرہ میں کبھو خطاب خان بہادر کو استعمال نہیں کیا اور اعتقاد و تولا بے اہل بیت دوازدہ امام

ہیں راقم حروف سے بھی زیادہ تر راسخ تھے اور ہمارے دادا سید امام علی اور پردادا سید بقیت اللہ صراحۃً اور بے تاویل شیعی تھے۔ مگر ''تبرا'' وغیرہ کا کچھ ذکر اُن لوگوں کے پاس نہیں تھا اور ہماری تمام قرابت دادھیالی سنی وشیعہ سے معمور ہے اور دونوں فریق سنی وشیعہ ہماری قرابت کے آپس میں ملے جولے ہوئے ہیں .... ہم کو سنی کہا جائے تو ہم سنی بے تعصب ہیں یعنی فضائل وولائے اہل بیت میں شیعہ سے کچھ کم نہیں ہیں اور اگر ہم کو شیعہ کہا جائے تو ہم شیعی بے ''تقیہ'' و بے ''تبرا'' ہیں۔ اور محبت دوازدہ امام کی ہم خدا سے چاہتے ہیں ....''

اس طرح علامہ نواب امداد امام اثر اور ان کا خاندان خلفائے راشدین سے عقیدت رکھتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اولیت دیتے۔ اور حضرت معاویہ اور یزید کے لیے اپنے دل میں کسی قسم کا نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔ خان بہادر مرحوم صاحب دیوان شاعر تھے۔ آپ نے اپنے اس شعر کے ذریعہ وصیت فرمائی تھی کہ

آرزو ہے کہ مری قبر ہو مسجد کے قریب ۔۔۔ بعد مرنے کے بھی سنتا رہوں ذکر حبیب

بعد وصال ان کو کرائے پر سرائے کی مسجد کے دروازے پر سپرد خاک کیا گیا۔

شمس العلماء حضرت علامہ سید امداد امام اثرؒ نے عربی و فارسی کی تعلیم گھر پر موضع کرائے پر سرائے میں اپنے والد اور ایک عالم سید گل صاحب پنجابی سے حاصل کی۔ انگریزی تعلیم انٹرنس پٹنہ کالج سے پائی۔ کلکتہ کے سینٹ زیور کالج میں بھی آپ نے تعلیم حاصل کی اور اس زمانہ کے مشہور انگریز اساتذہ کی صحبت میں انگریزی زبان پر مہارت حاصل کی۔ علامہ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک مدرس اور استاد کی حیثیت سے کیا۔ آپ کو اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں پر مہارت ہونے کے علاوہ یونانی، رومن، سنسکرت، اطالوی اور لاطینی زبانوں پر بھی دست رس حاصل تھی۔ آپ اپنے وقت کے مفکر، فلسفی، ادیب، شاعر، تنقید نگار، حکیم، ماہر لسانیات، ماہر فلکیات و نجوم، دست شفاء حکیم، ہومیو ڈاکٹر اور عالم دین تھے۔ پٹنہ گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے۔ عربی ادب کے علاوہ کسی بھی مضمون کے غیر حاضر پروفیسر کی کلاس کو بلا تکلف اور بغیر کسی تیاری پڑھانے پر بخوبی قادر تھے۔ آپ کے لکچر نہایت اعلیٰ اور ادبی معیار کے ہوا کرتے تھے اور اکثر انگریز اساتذہ بھی ان کے لکچر سننے کے خواہش مند ہوا کرتے۔ جو زبان پڑھاتے لب ولہجہ وہی اختیار کرتے۔ انگریزی پڑھاتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی انگریز پڑھا رہا ہے۔ فارسی زبان کا درس دیتے تو فارس کے اہل زبان ششدر رہ جاتے اور عربی کتاب پڑھاتے تو عربوں کو مات کرتے تھے۔

شمس العلماء سید امداد امامؒ بکثرت کتابوں کے مصنف ہیں۔ ''تذکرہ مسلم شعرائے بہار'' کے مصنف اور سید شبیر امام نے اپنی کتاب ''کشکول'' میں ان کی اکیس کتابوں کی فہرست دی ہے۔ محترم جناب ڈاکٹر قیصر امام مرتب ''مراۃ الحکماء'' اشاعت ثانی نے ستره تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ وہ تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ مصباح الظلم
۲۔ مناظر المصائب
۳۔ معیار الحق

یہ تینوں کتابیں مناظرہ اور مذہب شیعی پر ہیں اور معیار کے اعلیٰ مقام پر ہیں۔

۴۔کیمیائے زراعت	یہ کتاب علم زراعت پر پہلی کتاب ہے جو اردو میں لکھی گئی۔
۵۔کتاب الاثمار	اس کا موضوع باغبانی ہے۔یہ کتاب سوئیڈش اور کئی دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوئی۔سوئیڈش زبان کے ترجمے پر پیش لفظ اس وقت کے سوئیڈش بادشاہ نے خود لکھی اور وہاں کے زراعت و نباتات کے طلباء کو پڑھائی جاتی تھی۔
۶۔مراۃ الحکماء	اس کا موضوع فلسفہ ہے۔یہ کتاب پہلی بار ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی۔اس وقت مصنف کی عمر ۲۸ سال تھی۔اور بہار کے ایک دور افتادہ دیہات میں بیٹھ کر لکھی گئی تھی۔سوا سو سال کے بعد دوسری بار(اشاعت ثانی) کراچی سے محترم جناب ڈاکٹر قیصر امام نے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔یہ کتاب سوئیڈن اور ناروے کی یونیورسٹیوں میں مقامی زبانوں میں ترجمہ ہو کر پڑھائی جاتی ہے۔یہ کتاب جو پاک و ہند میں کمیاب تھی،اس کی اشاعت ثانی پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر منظور احمد صاحب کراچی لکھتے ہیں:''مراۃ الحکماء اگرچہ سوا سو سال قبل لکھی گئی تھی اور اس کی زبان اپنے زمانہ کے اعتبار سے جدید تھی،آج بھی ایسی قدیم نہیں ہوئی ہے کہ اس سے طلباء اور جویان علم استفادہ نہ کرسکیں۔''
۷۔کاشف الحقائق	(دو جلدوں میں)یہ بڑی مشہور کتاب ہے۔اور اردو تنقید کی پہلی کتاب ہے جو بالقصد تنقید پر لکھی گئی ہے۔اس میں شاعری کی تعریف،اس کی قسموں کی نشاندہی،فطری اور غیر فطری شاعری کا فرق،مختلف ملکوں کی زبانوں کی شاعری۔اور اس کے ساتھ ان ملکوں کے جغرافیہ،تمدن،تاریخ اور اخلاق کا ذکر،مختلف زبانوں کے عظیم شعراء کے تخیلات،اہم اقوام عالم کی شاعری پر بحث،اردو اور فارسی شاعری اور ان کے موازنہ کے علاوہ مغربی زبانوں کی شاعری سے بامقصد موازنہ پیش کیا گیا ہے۔صرف یہی وہ واحد کتاب علامہ کی ہے جو پاکستان کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں کے ایم۔اے اردو کے نصاب میں داخل ہے۔لیکن افسوس لائبریریوں کے علاوہ کہیں دستیاب نہیں ہوتی۔
۸۔جدیہ قیصریہ	سوانح
۹۔سوانح مخدوم الملک بہاری	مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی کی سوانح پر انگریزی میں پہلا مقالہ
۱۰۔رسالہ صید	شکاریات پر
۱۱۔رسالہ علم حرکت	ریاضی۔بزبان فارسی
۱۲۔رسالہ علم جر ثقیل	ریاضی۔بزبان فارسی
۱۳۔رسالہ علم فلکیات	علم نجوم پر بزبان فارسی
۱۴۔رسالہ علم المرایا والمناظر	بزبان فارسی
۱۵۔ترجمہ انشاء لارڈ بیکن	اخلاقیات۔بزبان فارسی

۱۶۔ترنجبیل	ہاتھیوں کی پرورش وپرداخت ومعالجات
۱۷۔رسالہ طاعون	طب
۱۸۔فسانہ ہمت	ناول
۱۹۔دیوان اثر	مجموعہ اردو شاعری۔تیسری اشاعت کراچی سے ۱۹۹۸ء میں ہوئی۔
۲۰۔دیوان اثر	فارسی
۲۰۔فوائد دارین	عیسائیت اور اسلام کا موازنہ

حضرت شمس العلماء نواب سید امداد امام اثرؔ بڑے ہی دست شفا حکیم اور ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے۔آپ کی تشخیص بڑی عمدہ ہوتی۔ مریض کے نبض اور آنکھ دیکھ کر نسخہ لکھتے۔ایک بار آپ نے ایک مریض کا حال تفصیل سے خود بتانا شروع کیا تو اس مریض نے اعتراف کیا کہ وہ خود اپنی حالت اس سے بہتر طریقے سے بیان نہیں کر سکتا تھا۔مرض کی تشخیص کے علاوہ آپ بڑے قیافہ شناس بھی تھے۔آپ کے صاحبزادے سر سید علی امام مرحوم جب آپ سے ملنے آتے تو واپسی پر کمرے کے دروازے تک آپ ان کو الوداع کہنے کو آتے۔لیکن ایک بار جب وہ آپ سے ملنے آئے تو واپسی پر مکان کے گیٹ تک چھوڑنے آئے اور دیر تک ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے محبت بھرے انداز میں ان سے بات کرتے ہوئے رخصت کیا۔لوگوں نے آپ کے اس غیر معمولی عمل پر بڑی حیرت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا علی امام کو کسی نے غلط کشتہ کھلا دیا ہے۔اس میں جان باقی نہیں اور دوبارہ ملاقات کی امید نہیں۔اس واقعے کے دوسرے ہی دن اچانک سر علی امام کا انتقال ہوگیا۔

شمس العلماء حضرت علامہ نواب سید امداد امام اثرؔ کا پورا خاندان علم و ادب کی دنیا میں اعلیٰ مقام رکھتا تھا۔اس خاندان کے افراد ہر زمانہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔حکام بالا میں آپ اور آپ کے اجداد کی علم پروری کا چرچا تھا۔آپ کو،آپ کے والد منشی سید وحید الدین اور دادا سید امداد علی تینوں کو حکومت انگلشیہ سے شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔آپ کو نواب اور آپ کے والد کو خان بہادر کا بھی خطاب عطا ہوا۔اس سلسلہ میں شادؔ عظیم آبادی کے پوتے نقی احمد ارشاد "کاروانِ رفتہ" میں لکھتے ہیں:

"حکومت نے دودو خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔شمس العلماء اور نواب۔ان کی کل تصانیف شاد منزل میں تھیں۔دیوان اثر،مناظر المصائب،کتاب الاثمار،مراۃ الحکماء وغیرہ۔کتاب الاثمار کا مطالعہ والد مرحوم کرتے تھے۔اور راقم نے بھی ۱۹۳۰ء میں اپنی سمجھ کے مطابق پڑھا تھا۔مناظر المصائب اور دو موٹی موٹی فل اسکیپ سائز کی کتابیں میری سمجھ سے باہر تھیں..........نہایت گورے، بڑی بڑی مونچھیں،دراز قد۔جس زمانہ کا قصہ ہے،یعنی ۱۹۲۳ء میں وہ کھادی کے کپڑے پہنتے تھے اور ہر وقت چٹکی سے ناس لیا کرتے تھے۔جب یہ حضرات نواب امداد امام اور سر علی امام تشریف لاتے تو شاد منزل کے پھاٹک پر ان کے دیکھنے والے جمع ہوجاتے تھے۔اس لیے پھاٹک بند کردیا جاتا تھا..........دربار لسٹ جو غالباً ۱۹۱۲ء میں مرتب ہوئی۔اس میں نمبر ۴۰ میں ان کا ذکر انگریزی میں یوں ہے۔ (ترجمہ۔شمس العلماء مولوی سید امداد امام خلف شمس العلماء مولوی سید وحید الدین خان بہادر)..........دربار لسٹ میں ان کا (سر علی

امام کا) نمبر ۱۴ ہے..........یہی مسٹر حسن امام کے متعلق بھی ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ بیک وقت باپ اور دو بیٹے دربار لسٹ میں تھے۔ ایسی دوسری مثال میری نظر میں نہیں ہے۔"

شمس العلماء نواب سید امداد امام اثر کا انتقال ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں ہوا۔ حضرت سریر کابری گیاوی نے درج ذیل قطعہ تاریخ وفات موزوں کیا۔

تاریخ وصال از بلبل ہند سریرؔ کابری گیاوی مرحوم

نواب اثر سدھارے دنیا سے سریر
لو ہو گیا بند آج باب اردو
لکھ دو سر قبر از سر ابجد تاریخ
ہے جائے غروب آفتاب اردو

۱ ۹ ۳ ۴

شمس العلماء علامہ نواب سید امداد امام اثرؒ کے چھوٹے بھائی مولوی سید یوسف امام تھے۔ جو اپنے آبائی گاؤں کرائے پر سرائے میں مقیم رہے۔ زمینداری اور زراعت کا مشغلہ رہا۔ علم زراعت پر مولوی سید یوسف امام مرحوم نے کئی کتابیں تصنیف کی تھیں جو شائع ہوئیں لیکن اب نایاب ہیں۔ سید یوسف امام سنی المذہب تھے۔ اس وقت ان کی اولادوں میں سینکڑوں پوتے، پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں جو سب کے سب سنی المذہب ہیں۔

سید عطاء امام ابن سید یوسف امام کی دوسری شادی راقم الحروف کے والد حضرت سید نظام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کی چچا زاد بہن بی بی چندہ بنت میر سید نظیر حسین مرحوم ساکن موضع اورنگپور سے ہوئی تھی، جن کے صاحبزادے سید اکبر امام معہ اہل و عیال کراچی میں ہیں۔

نقشہ خاندان و اولاد علامہ امداد امام اثرؒ
سید امام علی
زوج دختر سید مردان علی بن میر امجد علی بن نواب میر حسن عسکری ڈپٹی ہزاری ساکن موضع کرائے پرسرائے
شمس العلماء سید امداد علی
زوج حیاتی بنت میر سلامت علی
بن میر سید ناظم علی بن میر سید محمد منور (نیورہ)
سید اشہد علی
علی احمد
علی قاسم
سید ارشاد علی
سید عبد الکریم
سید محمد مسیح
سید محمد صبیح
سید صبیح احمد وکیل، کراچی
سید اصغر حسین
بی بی صغراء
زوجہ میر سید رائیت علی سالار پوری
سید افتخار علی
سید نجم الدین
مولف مصابیح الظلام
قطب الدین
زوج دختر
سید وحید الدین
محی الدین
سید فرید الدین
لطف الرحمان
شمس العلماء سید وحید الدین
از محل اولی
(نیورہ)
از محل دوم میم صاحب
از محل چہارم شیعہ
علامہ سید امداد امام اثرؒ
سید یوسف امام
دختر
دختر
آل امام
فضل امام
رشید النساء
مولف "اصلاح النساء"
(ناول)
از محل اولی دختر بنت سید فرزند علی بن سید کرامت علی (نیورہ)
از محل ثانی آبادی بیگم
علیمہ خاتون
مہاجر مدینہ
سر سید علی امام
سید حسن امام
محمودہ
زوجہ مسٹر مسیح احمد
سید مہدی امام
زوج دختر سر فضل علی
عاصمہ
زوجہ سید جعفر امام بن سر علی امام
سید عابد امام
سید صادق امام
جہاں آراء
الہ آباد
صفدر امام
حیدر امام
جعفر امام
زوج دختر
سید حسن امام
رضا امام
زوج دختر
راجہ صاحب محمود آباد
نقی امام
زوج عزیز امام
دختر
زوجہ نذر الرحمان
پٹنہ
دختر
زوجہ سید احمد
دختر
زوجہ مجید عالم
بیجورہ

مفکر اعظم حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ رحمۃ اللہ علیہ

(ناظم اعلیٰ و بانی جمعیت علمائے ہند اور امارت شرعیہ)

مفکر اسلام، مجاہد جلیل اور نائب امیر "امارت شریعہ" حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ صوبہ بہار کے ضلع پٹنہ (موجودہ ضلع نالندہ) کے ایک گاؤں پنہسہ میں ۱۸۸۱ء مطابق ۱۲۹۹ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد اور بڑے بھائی احمد سجاد سے حاصل کی بعد اس کے مختلف مدارس میں زیر تعلیم رہے۔ جن میں مدرسہ اسلامیہ استھانواں، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کا نام مشہور ہے۔ آپ نے ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں سند فراغ حاصل کی اور وقت کے نامور اساتذہ سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد نے اپنی عملی زندگی کا آغاز مدرسوں میں درس و تدریس سے کیا۔ سب سے پہلے آپ مدرسہ اسلامیہ استھانواں میں مدرس مقرر ہوئے۔ جہاں تین سال تک طلباء کو درس دیا۔ یکم محرم ۱۳۲۵ھ میں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں آپ کا تقرر ہوا۔ شعبان ۱۳۲۹ھ میں مدرسہ انوار العلوم شہر گیا تشریف لائے اور ایک مدت تک یہاں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آپ منطق، فلسفہ، بلاغت اور علم ادب کے مانے ہوئے استاد تھے۔

حضرت مولانا سجادؒ ایک طویل عرصہ تک خاموشی کے ساتھ درس و تدریس کا کام کرتے رہے لیکن آپ کا دل عموماً امت محمدیہ ﷺ اور خصوصاً مسلمانان ہند کی زبوں حالی اور ان کے روشن مستقبل کے فکر میں بے چین رہتا۔ مسلمانوں کی اجتماعی کامیابی کا غم آپ کو ہر لحظہ متفکر رکھتا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کتاب "امارت شرعیہ، دینی جدوجہد کا روشن باب" کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ بے چینی ہندوستان میں اپنے اپنے مبلغ علم، اور اپنی اپنی دردمندی اور احساس کے درجہ کے مطابق عام تھی۔ لیکن اس سلسلہ میں قیادت و رہنمائی اور سبقت و اولیت کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب بہاری کی قسمت میں رکھی تھی۔ ہندوستان میں شاید بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں کہ مولانا کو اگرچہ علمی حلقوں میں وہ ناموری اور شہرت حاصل نہیں ہوئی جس کے وہ مستحق تھے۔ لیکن میرے محدود علم میں ان کا جیسا دقیق النظر اور عمیق الحلم عالم دور دور نہ تھا۔ فقہ بالخصوص اصول فقہ پر ان کی بڑی گہری نظر تھی۔ سیاست، تمدن اور تاریخ کا بھی انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ خاص طور پر قانونی و دستوری باریکیوں اور ہندوستان کے دستور اور سیاسی نظاموں سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔"

آپ نے درس و تدریس کا مشغلہ چھوڑ کر تحریک خلافت کے زمانہ میں سیاست میں قدم رکھا اور گیا میں خلافت کمیٹی کی بنیاد ڈالی۔ اور کثیر رقم ترکی بھجوائی۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ: "۱۹۱۹ء سے تحریک خلافت کی ترقی کے ساتھ ساتھ مولانا کا ذوق سیاست بڑھتا گیا۔"

حضرت مولانا سجادؒ کی سیاسی بصیرت، دینی علوم و فنون میں مہارت اور مسلمانوں کی اقتصادی اور مذہبی تنزلی نے انہیں جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ آپ کا قلب اخلاص، محبت اور للّٰہیت سے معمور تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کمر کس کر نکل کھڑے ہوئے۔ وقت کے علمائے حق، مشائخ، خدا رسیدہ اور

صوفیائے باصفاء سے ملاقاتیں کیں۔ ان بزرگوں کے سامنے دینی مسائل میں مسلمانوں کی بے بسی، نکاح، طلاق، خلع، یتیموں کی دیکھ بھال، زکوٰۃ وعشر کی تنظیم، تبلیغ واشاعت دین، تحفظ مسلمین اور اس طرح کے دوسرے مسائل اسلامی کو پیش کیا۔ انہیں بتایا کہ زعمائے قوم اور بعض علمائے ملت بھی قومی و ملکی تعصب میں بری طرح گرفتار ہوتے جارہے ہیں، شریعت نے مسلمانوں کو جو راہ بتائی ہے آ ہستہ طور سے اس پر کوئی گامزن نہیں ہے۔ انگریزی حکومت کے مغربی پروپیگنڈے، مسلمانوں کے ساتھ ان کے رویئے اور سلوک نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کردیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ انگریزوں کے ساتھ سیاسی جنگ میں ملت کا مفاد اور اسلامی حقوق نگاہوں سے اوجھل ہوجائیں۔ حضرت مولانا نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ مسلمانوں کی ''شرعی تنظیم'' قائم کی جائے۔ اورعلماء و مشائخ کو دعوت دے کر جمع کیا جائے اور پوری صورتحال ان کے سامنے رکھی جائے۔ آپ نے اس مقصد کے حصول کے لئے ۳۰ صفر ۱۳۳۶ھ کو مدرسہ انوارالعلوم، گیا کے سالانہ جلسہ کے موقع پر علماء و مشائخ کو دعوت دے کر جمع کیا۔ مندرجہ بالا مسائل ان کے سامنے رکھے اور ''انجمن علمائے بہار'' کے نام سے ایک جمعیۃ کی بنیاد رکھی۔ مخدوم جہاں شرفا بہاریؒ کے عرس کے موقع پر مدرسہ عزیزیہ، بہار شریف میں ''انجمن علمائے بہار'' کا پہلا اجلاس ۵۔۶ شوال ۱۳۳۶ھ کو منعقد ہوا۔ اور دو خانقاہوں، خانقاہ مجیبیہ قادریہ، پھلواری شریف اور خانقاہ رحمانیہ، مونگیر کو اس انجمن کا مرکز بنایا گیا۔ ''انجمن علمائے بہار'' کے پلیٹ فارم سے آپ نے انتھک کوشش کی اور ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ پورے ملک میں علماء کی ایک ملک گیر تنظیم قائم ہوجائے۔ آخر آپ کی کوشش کارگر ہوئی اور نتیجے کے طور پر ''انجمن علمائے بہار'' کے قیام کے ایک سال کے بعد ''خلافت کمیٹی'' اور ''جمعیت علمائے ہند'' کا قیام عمل میں آسکا۔ ان دونوں تنظیموں کے قیام میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ خلافت کمیٹی کی دو شاخیں گیا اور پھلواری شریف میں آپ کے ہاتھوں قائم ہوئیں۔ اس سلسلہ میں ''جمعیۃ علمائے ہند'' کے ناظم اوّل مولانا احمد سعید دہلویؒ اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اس طرح مولانا سجادؒ نے پورے ہندوستان کے علماء اور مشائخ اور ارباب بصیرت کو بیدار کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اور انہیں بہت جلد آئینی راہ پر لگادیا۔ ایک طرف خلافت کے نام پر پورے ملک میں تنظیم ملت کا چرچا ہوا۔ امام المسلمین کی ضرورت پر پورے ملک کے علماء کے دستخط کے ساتھ فتویٰ شائع ہوا۔ جس پر خود مولانا سجادؒ نے چند تائیدی سطریں لکھ کر دستخط فرمائے ہیں۔ دوسری طرف ''جمعیۃ علمائے ہند'' کے پلیٹ فارم سے ہندوستان میں قیام ''امارت شرعیہ'' اور انتخاب امیر کی ضرورت و اہمیت پر ہر زمانہ میں آپ نے زور دیا۔''

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ ''انجمن علمائے بہار'' (۱۹۱۷ء)، ''خلافت کمیٹی'' (۱۹۱۸ء) اور ''جمعیۃ علمائے ہند'' (۱۹۱۸ء) کے قیام کے بعد ان تنظیموں کے ہر جلسے اور اجلاسوں میں ''امارت شرعیہ فی الہند'' کے قیام اور ضرورت ''امیر الہند'' کی اہمیت پر زور دیتے رہے۔ اس کے قیام کی اہمیت کا بھرپور طور پر اعلان کرتے رہے۔ مندرجہ بالا تنظیموں کے ناظموں اور وقت کے جید علماء مثلاً حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا حبیب الرحمان عثمانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ذریعہ اپنی پیش کردہ رائے بسلسلہ قیام ''امارت شرعیہ'' کی تائید و اعلانات کروائے۔ حضرت مولانا سجادؒ مسلمانوں کو انتشار سے بچانا اور ملی نظام شریعت برپا کرنا چاہتے تھے۔ انگریزوں کے نافذ کردہ ''مسلم پرسنل لاء'' کے زہریلے اثرات سے مسلمانوں کو دور رکھنا چاہتے تھے۔ آپ کی خواہش تھی کہ مسلمانانِ ہند اپنی زندگی کے تمام دینی اور دنیوی مسائل قرآن وسنت کے مطابق حل کریں۔ تمام ہندوستان میں اپنے ایک دینی امیر کے سائے میں شریعت کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔

لیکن جب آپ نے علماء اور ارباب سیاست کی سرد مہری کو محسوس کیا تو آپ نے تہیہ کر لیا کہ جس طرح "انجمن علمائے بہار" کی بنیاد (۱۹۱۷ء) "جمعیۃ علمائے ہند" (۱۹۱۸ء) کے قیام کا ذریعہ بنی ہے، اسی طرح "امارت شرعیہ بہار" کی بنیاد رکھ کر "شرعیہ فی الہند" کی راہ ہموار کی جائے۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر علماء میں مداہنت و منافست نہ ہوتی اور صوفیاء میں اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک شرعی امیر کے تحت زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ اور اسلام کی حقیقی برکات سے متمتع ہوتا اور ان کی روح حکومت کی غلامی سے آزاد ہوتی۔ اگرچہ جسم غلامی میں مقید ہوتا۔"

مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے ۱۹۲۱ء کو "جمعیۃ علمائے بہار" کی منتظمہ کا ایک جلسہ پھلواری شریف میں طلب کیا۔ اس کے بعد مئی ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ کا ایک جلسہ عام دربھنگہ میں ہوا۔ آخر حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی کوششوں سے ۲۵۔۲۶ جون ۱۹۲۱ء کو پتھر کی مسجد، پٹنہ میں "امارت شرعیہ" کا قیام عمل میں آیا۔ اس اجلاس کی صدارت کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کو بلایا گیا تھا۔ مولانا آزاد سبحانی اور مولانا سبحان اللہ خان جیسے علماء کی کثیر تعداد موجود تھی۔ حضرت سید شاہ بدر الدین قادری قدس سرہ سجادہ نشین بڑی خانقاہ پھلواری شریف "امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ" کے پہلے امیر اور حضرت مولانا سجادؒ نائب امیر منتخب ہوئے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمان عثمانی اپنے ایک خطبہ میں قیام "امارت شرعیہ بہار واڑیسہ" کے سلسلہ میں ذکر فرماتے ہیں:

"علماء و مشائخ کرام بہار کا مسلمانوں پر بھاری احسان ہے کہ انہوں نے اپنے صوبہ میں "امارت شرعیہ" قائم کر کے ایک سڑک تیار کر دی ہے۔ ہم ان حضرات کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ دوسرے صوبہ کے علماء بھی جلد از جلد صوبہ بہار کی تقلید کریں گے۔"

راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کہتا ہے کہ اہل پنجاب نے فی الفور اہل بہار کی تقلید کرتے ہوئے اپنے صوبہ میں "امارت شرعیہ" قائم کی اور حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو پہلا امیر منتخب کیا۔ لیکن ان کے وصال کے بعد سلسلہ ختم ہو گیا۔ حضرت مولانا سجادؒ کی دلی تمنا تھی کہ پورے برصغیر کے مسلمان "امارت شرعیہ فی الہند" اور ایک امیر کے سایہ میں اپنی زندگی گزاریں۔ اور آپ نے تمام علماء و مشائخ اور ارباب بصیرت کو ایک تفصیلی خط ارسال فرمایا۔ اور اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے ہر ہر سوالات اور ابہام کا مفصل جواب دیا۔ اور تمام شکوک و شبہات کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت جو ایک اہم سوال گردش کر رہا تھا کہ پہلے "امیر الہند" کا انتخاب ہونا چاہئے تھا۔ اس کے بعد صوبوں میں امیر چنے جاتے۔ آپ نے اس کا جواب اس طرح دیا:

"مسلمانان ہند کی بدقسمتی کو کیا کہیے کہ وہ (مولانا کی اپنی انتہائی کوشش اور جد و جہد کے بعد بھی) ابھی اصل مرکز کے بنانے اور امیر الہند کے انتخاب کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اگر مسلمان اپنی غفلت کی بنیاد پر امیر الہند کا انتخاب نہ کر کے معصیت (گناہ) میں مبتلا رہے تو ہمارے لئے گناہ پر قائم رہنا ضروری نہیں اور پھر امیر و والی کے انتخاب کا حکم فقہاء نے صرف ملک ہی تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ یہ حکم مستقلاً ہر شہر اور بلدہ پر عائد ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح "انجمن علمائے بہار" سرزمین ہند میں پہلی جمعیۃ تھی جو یہاں قائم کی گئی۔ لیکن اس کے بعد "مرکزی جمعیۃ علمائے ہند" بھی قائم ہوئی اور مختلف صوبوں میں جمعیۃ علماء قائم ہو گئی۔ اسی طرح بہت ممکن ہے کہ صوبہ بہار میں "امارت شرعیہ" کے قیام اور امیر کے انتخاب کے بعد دوسرے صوبوں میں بھی یہ کام چل پڑے اور جس طرح "جمعیۃ علماء بہار" کے بعد "جمعیۃ علماء ہند" قائم ہوئی اسی طرح امیر الہند بھی بعد میں منتخب

ہو جائے۔"

"امارت شرعیہ بہار واڑیسہ" کا دفتر فوری طور پر پھلواری شریف ضلع پٹنہ میں قائم ہوا۔ حضرت مولانا موصوف کی نگرانی میں کام کا آغاز کر دیا گیا۔ اور امارت کے تحت دارالقضاء، دارالافتاء، نظامت، تحفظ مسلمین اور تبلیغ وغیرہ کے شعبے قائم ہوئے۔ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے مطابق ہونے والے انتخاب میں مسٹر یونس بارایٹ لا کی قیادت میں مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی نے "امارت شرعیہ" کے پیش کردہ شرطوں کو منظور کیا۔ اور امارت نے اس پارٹی کی بھرپور حمایت اور تائید کی۔ امارت نے کھل کر کانگریس کی مخالفت کی۔ انتخاب کے نتیجے کے بعد بہار اسمبلی کی سب سے بڑی پارٹی کانگریس نے حکومت بنانے سے انکار کر دیا تو دوسری بڑی اور مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کو گورنر نے حکومت بنانے کی دعوت دی۔ مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کی حکومت صرف تین ماہ قائم رہی اور اس کو کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن اس مختصر مدت میں "امارت شرعیہ بہار واڑیسہ" نے اس پارٹی کے ذریعے سے ایسے مقاصد حاصل کر لئے جو مسلمانوں کے حق میں بڑے فائدہ مند ثابت ہوئے۔ مثلاً

۱۔ قانون لگان کی دفعہ نمبر ۱۱۲ میں ترمیم اسی کا کارنامہ ہے۔ جس کے ذریعہ زمین پر کاشتکاروں کی ملکیت مضبوط ہوئی اور لگان اور مالگزاری کے سلسلہ میں کسانوں کو فائدہ پہنچا۔

۲۔ صوبہ کے سرکاری محکموں میں اردو زبان کو اسی وزارت نے ۳۷۔۱۹۳۶ء میں جاری کیا۔ جو بعد میں باضابطہ صوبہ کی دوسری سرکاری زبان کی حیثیت بن گئی۔

۳۔ ایک باضابطہ پارلیمانی عہد نامہ "امارت شرعیہ" نے مرتب کئے۔ جس کے کچھ دفعات درج ذیل ہیں:

(الف) میں اقرار واثق کرتا ہوں کہ: "تمام ان بلوں اور تجویزوں کی مخالفت کروں گا جس سے مسلمانوں کے مذہبی احکام و قوانین کی ترمیم و تنسیخ یا تغیر و تبدل یا غیر مشروع پابندی لازم آتی ہو۔ یا جس سے مذہبی احکام کی ادائیگی میں مشکلات پیدا ہوتی ہوں۔ اور اس قسم کی تمام تجویزوں کے متعلق "امارت شرعیہ بہار واڑیسہ" اور "جمعیۃ علمائے ہند" دہلی کی رہنمائی کے مطابق عمل کروں گا۔ اور نیز یہ امر کہ مسودہ قانون مذہب کے مطابق ہے یا نہیں؟۔ "امارت شرعیہ بہار" اور "جمعیۃ علماء ہند" دہلی کے فیصلہ پر کاربند رہوں گا۔"

(ب) "اور میں ہر ایسے بل اور تجویز کی تائید کروں گا جو ہندوستان کی حیات سیاسی اور اقتصادی آزادی کے لئے پیش کی جائے۔ بشرطیکہ اس قسم کی تجویز کسی ایسے امر سے متعلق نہ ہو جس سے "ملت اسلامیہ" کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔"

(ج) "اور میں انتخاب میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کروں گا جو شرعاً اور اخلاقاً درست نہ ہو۔"

"امارت شرعیہ بہار واڑیسہ" نے جن تنظیموں اور اداروں کی بنیاد رکھی اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

دارالقضاء: مسلمانوں کے اپنے مقدمات کے فیصلے کے لیے دارالقضاء قائم کیا گیا اور پورے صوبہ میں قاضی مقرر کئے گئے تاکہ مقدمات کا فیصلہ کتاب و سنت کی روشنی میں کیا جائے۔ مرکزی دارالقضاء میں حضرت مولانا سید شاہ نورالحسنؒ، حضرت مولانا شاہ عون احمدؒ اور حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی مدظلہ کے بعد دیگرے قاضی مقرر ہوئے۔ آج بھی اگر کوئی مقدمہ مسلمانوں کا انڈین کورٹ اور عدالتوں میں پیش ہوتا ہے تو حکومت اسے "امارت شرعیہ بہار واڑیسہ" کے دارالقضاء کو بھیج دیتی ہے اور اس کے فیصلے کی ہی توثیق کر دیتی ہے۔

دارالافتاء: مسلمانوں کو دینی مسائل سے آگاہ کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دینے کے لئے دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا۔ جہاں سے دینی مسائل اور سوالات کے جوابات اور فتاویٰ جاری کئے جاتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دینے والے درج ذیل مفتی حضرات کے نام امارت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی، حضرت مولانا عباس پھلواروی، حضرت مولانا سید شاہ محمد عثمان غنی اور حضرت شاہ عمادالدین وغیرہم۔

شعبہ نظامت: دارالقضاء اور دارالافتاء کے انتظامی اور دفتری معاملات ناظم امارت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی، حضرت مولانا سید شاہ محمد عثمان غنی، حضرت قاضی سید احمد حسین۔ ایم۔ پی اور حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب نے اپنے اپنے وقت میں بحسن خوبی انجام دیئے۔

شعبہ بیت المال: اس شعبہ کے تحت مخیر مسلمانوں سے تمام صدقات، عشر، زکوٰۃ اور فطرہ وغیرہ کی رقم قبول کی جاتی ہیں اور شرعی مصارف پر خرچ کی جاتی ہیں۔

تحفظ مسلمین: مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو کے لئے، ان کے مذہب و قانون کو مخالفین سے بچانے، ناگہانی آفات اور فرقہ وارانہ فساد سے اثر انداز ہونے والے مسلمانوں کی مدد، مسلم پرسنل لاء، مسلم اوقاف اور ملی اداروں کے تحفظ وغیرہ کا کام اس شعبہ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

شعبہ تبلیغ: مسلمانوں کو فرائض، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی، غیر اسلامی رسم و رواج اور شرک و بدعت سے باز رہنے، باہمی اخوت و محبت اور صلح و آشتی کے ساتھ شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دینے اور غیر مسلموں میں دین اسلام کی تبلیغ کے لئے یہ شعبہ عمل میں لایا گیا ہے۔

مندرجہ بالا تنظیموں کے ہزاروں ذیلی مراکز صوبہ بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ میں اس وقت قائم ہیں جو پوری مستعدی سے اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔ امارت نے اپنا ایک ہفتہ وار رسالہ ''نقیب'' بھی جاری کیا ہے۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ ''امارت شرعیہ'' نے ستر پچھتر سال میں بے شمار بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور مسلمانوں کے ایک دینی ادارے کی ایسی قانونی حیثیت حاصل کر لی ہے جو ریکارڈ پر موجود ہے۔ اور آج بھارت کے ہر صوبہ کے مسلمان اپنے لئے قیام امارت کی اہمیت کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ اے کاش انہیں یہ احساس آزادی اور تقسیم سے قبل ہو جاتا۔ اور وہ مولانا سجاد کی سبقت و اولیت کی سعادت کو برداشت کرتے ہوئے قبول کر لیتے۔ بہر حال صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اس کو بھولا نہیں کہتے ہیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد، آپ کے بڑے بھائی حضرت صوفی احمد سجاد اور آپ کے خسر حضرت مولانا حکیم سید وحیدالحق صاحب استھانوی سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت قاری سید احمد شاہجہاں پوری نقشبندی قدس سرہ سے مرید تھے۔ حضرت مولانا سجاد کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد اصغر حسین صاحب بہاری اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت استاذ محترم، مفکر اعظم مذہب و عمل میں حنفی تھے، لیکن تنگ نظروں کی طرح اہل سنت کے دوسرے فرقوں سے جنگ آزما نہ تھے، بلکہ فرماتے تھے کہ نماز کی مختلف صورتیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، ایک ایک مرتبہ بھی سب پر عمل کر لینا چاہئے تا کہ کسی سنت کی برکات سے

محروم نہ رہ جائے۔"

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد قدس سرہ نے اپنی پوری زندگی دین اسلام اور امت محمدیہ کی خدمت کے لیے وقف کردی تھی۔ آپ نے دن رات ایک کرکے "جمعیۃ علمائے بہار" اور "امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ" کی بنیاد رکھی اور مسلمانان ہند کو "جمعیۃ علماء ہند" اور "خلافت کمیٹی" قائم کرنے پر مجبور کیا۔ آپ نے بیس سال میں بحیثیت "نائب امیر شریعت" امارت کو مضبوط و مستحکم کرکے چھوڑا۔ ۱۹۴۰ء کے اوائل میں "جمعیت علمائے ہند" کے آپ ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے اور اپنی زندگی کے آخری لمحات تک جمعیت کو مضبوط کرنے کی سعی کرتے رہے۔ آپ نے صرف اُنسٹھ سال کی عمر پائی اور ۱۷ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۴۰ء بروز پیر پانچ بجے شام کو اس عالم سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا۔ انا للہ انا الیہ راجعون۔ آپ خانقاہ پھلواری شریف کے قبرستان میں آسودہ خاک ہیں۔

حضرت مولانا کا اسم گرامی محمد سجاد اور کنیت ابوالمحاسن تھا۔ والد بزرگوار کا نام شیخ حسین بخش تھا۔ آپ کے ابتدائی اساتذہ میں آپ کے والد اور بڑے بھائی احمد سجاد کا نام آیا ہے۔ آپ کے نامور اساتذہ میں مولانا وحید الحق استھانوی، سید احمد حسن کانپوری، مولانا عبدالکافی الہ آبادی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کا نام کتابوں میں لکھا ہے۔

حضرت مولانا کی پہلی شادی مولانا سید وحید الحق مرحوم ناظم و مدرس اعلیٰ "مدرسہ اسلامیہ" استھانواں کی دختر سے ہوئی تھی۔ آپ نے دو بیوہ، ایک بیٹا اور تین لڑکیاں چھوڑ کر رحلت فرمایا۔ آپ کی خانگی زندگی سے متعلق حضرت علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"شاید کم لوگوں کو علم ہو کہ مولانا کی خانگی زندگی غمگین تھی، ان کے بڑے بھائی (صوفی احمد سجاد) مجذوب تھے، ان کی بیوی معذور تھیں، ان کا بڑا لڑکا جو لکھ پڑھ کر فاضل اور گھر کا کام سنبھالنے کے قابل ہوا۔ عین اس وقت کے اس کے نکاح میں چند روز باقی تھے باپ نے دائمی جدائی کا داغ اٹھایا۔"

ڈاکٹر سید محمود لکھتے ہیں: "میں عرصہ سے جانتا تھا کہ ان کی زندگی حد درجہ عسرت سے گزرتی ہے۔ لیکن انتہائی گہرے تعلقات کے باوجود بھی لب کشائی کی جرات نہ ہوئی۔ ان کی خودداری کچھ پوچھنے کا موقع نہ دیتی تھی۔"

مولانا راغب احسن مرحوم جو مولانا سجاد کے سخت ترین سیاسی مخالف تھے، لکھتے ہیں: "یہ مولانا سجاد کی عظمت کی دلیل ہے کہ وہ ایک غریب جھونپڑے میں پیدا ہوئے غریب عربی مدرسوں میں چٹائیوں پر تعلیم پائی......... مولانا سجاد جس جھونپڑی میں پیدا ہوئے اسی میں فوت بھی ہوئے۔"

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کے بے مثل سیرت نگار، سر محمد اقبال کے "استاذ الکل" اور "علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد"۔ نابغہ روزگار، عالم دین، اپنے وقت کے جنید و شبلی، رازی و غزالی۔ فقہ، حدیث، تفسیر، تاریخ، فلسفہ، نفسیات اور بکثرت علوم کے ماہر فن استاد۔ صحافی، مصنف، ادیب، شاعر، قانون داں اور اسلامی سیاست کے مرد میدان۔ فخر عصر، سید العلماء، سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء مطابق ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ کو موضع دسنہ ضلع پٹنہ، صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ سید ابو نجیب سلیمان نام رکھا گیا۔ آپ علامہ سید سلیمان ندوی کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام حکیم سید ابو الحسن تھا جو بہار کے سادات رضویہ سے تھے۔ جن کا سلسلہ نسب میر سید صدر الدین، سید عرب اور حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ سے ہوتا ہوا حضرت بی بی فاطمہ زہرا بتول بنت نبی آخر الزماں حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ مکمل نسب نامہ درج ذیل ہے:

سید ابو نجیب سلیمان بن حکیم سید ابو الحسن بن حکیم سید محمد شیر عرف حکیم محمدی بن میر سید عظمت علی بن میر سید وجیہ الدین عرف میر منگن بن میر سید رجب علی بن میر سید محمد شیر بن میر سید صدر الدین بن میر سید سلیمان بن میر سید عثمان بن سید حسن شہید بن سید شمس الدین بن میر سید خلیل بن میر سید عرب ثانی بن میر سید مالک بن میر سید میر بن میر سید محمد بن میر سید شمس محمد بن میر سید معین محمد بن میر سید محمد بن میر سید عرب اول بن میر سید امیر بڑے بن میر سید میران بن میر سید احمد بن میر سید محمد بن میر سید محمد یوسف بن میر سید اسحاق بن میر سید یعقوب بن میر سید حسن بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین شہید کربلا بن حضرت بی بی فاطمۃ الزہراء بنت رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ابتدائی تعلیم گھر پر والد بزرگوار، بڑے بھائی سید ابو حبیب اور دوسرے بزرگوں سے ہوئی۔ ۱۸۹۹ء میں پھلواری شریف تشریف لائے اور کچھ کتابیں خانقاہ مجیبیہ قادریہ پھلواری کے سجادہ نشین حضرت شاہ محی الدین قادری قدس سرہ سے پڑھیں۔ پھر مدرسہ امدادیہ، دربھنگہ، صوبہ بہار میں داخل کئے گئے جہاں سے آپ نے ۱۹۰۰ء میں درس نظامی کی تکمیل کی۔ مزید تعلیم کا شوق آپ میں بڑھتا گیا اور اسی شوق میں "ندوۃ العلماء" لکھنؤ جا پہنچے۔ اس سلسلہ میں "ندوۃ العلماء" کے ایک اجلاس منعقدہ پٹنہ اور اپنے داخلہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

"لیکن ان سب سے ماورا مجھے ان کا (نصیر الدین نصیر بارایٹ لاء کا) ایک منظر اب تک یاد ہے۔ اور اس کی روحانی لذت اب تک میرے دل کے کام و دہن میں ہے۔ ۱۹۰۰ء تھا یا ۱۹۰۱ء کہ ندوۃ العلماء کا کامیاب اجلاس جسٹس مولوی شرف الدین صاحب

(بیرسٹر، پٹنہ و جج کلکتہ ہائی کورٹ) کی کوششوں سے منعقد ہوا تھا۔ یہ پہلا اجلاس تھا جس میں عمامے اور ہیٹ یکجا ہوئے تھے۔ مسٹر سید حسن امام و سر سید علی امام و سر شیخ عبد القادر (لاہور) اور دوسرے ارکان تعلیم جدید، علمائے کرام اور مشائخ عظام کے پہلو بہ پہلو آکر بیٹھے تھے .... مرا اس وقت آغاز شباب تھا۔ ہنوز ندوۃ العلماء کی درس گاہ میں بھی نہیں گیا تھا۔ مگر چونکہ میرے بہت سے اعزہ اس اجلاس کی کامیابی کی کوشش میں شریک تھے۔ اس لئے میں بھی ایک طفل تماشہ نگر کی حیثیت سے اس میں شریک تھا۔ اب منظر یہ تھا کہ سامنے تقریباً ڈیڑھ دو سو علمائے ربانیین اور مشائخ مقدمین کی صفیں تھیں کہ ناگاہ ایک کوٹ پتلون و ہیٹ میں ملبوس پیکر (بیرسٹر نصیر الدین نصیر) اسٹیج پر آتا ہے۔ ابھی اس کی زبان سے چند فقرے نکلنے پائے ہیں کہ مجمع وارفتہ ہو جاتا ہے۔ خود خطیب کے دل کا جوش و خروش تاثیر کا ایک عالم بن کر مجلس پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ صدر سے لیکر پائین تک آہ و شیون اور گریہ و بکا کے سوا کچھ اور نہ دکھائی دیتا نہ سنائی دیتا تھا۔ اس فرنگی شکل کے اسلامی دل کی کیفیت کہ خود روہا تھا اور ہزاروں کو رلا رہا تھا۔ بڑے بڑے جبہ پوشوں کی سفید داڑھیاں آنسوؤں سے تر تھیں اور ہر طرف سے احسنت و آفریں کی آواز بلند تھی۔ خطیب مذکور (مسٹر نصیر الدین نصیر) کے وہ الفاظ آج بھی ۳۳ برس کے بعد میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔ اور میری آنکھوں کو اشکبار کرتے ہیں .... چندوں کا یہ عالم تھا کہ گویا ہر طرف سے روپے، گھڑیاں، انگوٹھیاں، عمامے، کپڑے اور زیورات برس رہے تھے .... خود خطیب کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اور ایک قمیص اور ایک پتلون کے سوا جو کچھ تھا وہ اتار کر سامنے ڈال چکا تھا .... اگلے مقرر شیخ عبد القادر لاہوری کو دیکھا .... ان کی تقریر ایسی دلچسپ تھی کہ جس نے پورے جلسے کے ساتھ مجھے محو حیرت بنادیا اور دل میں ایسے ہی تقریر کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا اور میں اڑ کر لکھنؤ پہنچا اور ندوۃ العلماء کی درس گاہ میں داخل ہو گیا۔" (تفصیل کے لئے دیکھیں نصیر الدین نصیر کی کتاب "حقیقت شاعری" اور آفاق احمد کی "اورنگ سلیمانی")

سید العلماء حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس درس گاہ میں مولانا شبلی نعمانی، مولانا فاروق چڑیا کوٹی، مولانا محمد علی مونگیریؒ اور مولانا حفیظ اللہ جیسے جید اور یگانہ روزگار علمائے وقت سے استفادہ کیا۔ حضرت مولانا شبلیؒ کے آپ چہیتے شاگرد تھے۔ آپ بھی استاد محترم کے شیدائی تھے اور ان کے ہر حکم پر لبیک کہتے۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے ندوۃ العلماء کی تعلیم ۱۹۰۶ء کو مکمل کی اور تقسیم اسناد کے ایک بہت بڑے جلسے میں جس میں پورے ملک کے کم و بیش ایک ہزار اہل علم، علماء اور مشائخ موجود تھے آپ کی دستار بندی کی گئی۔ آپ نے دستار بندی کے موقع پر ندوہ کے ایک ہونہار طالب علم کی حیثیت سے عربی زبان میں معرکۃ الآرا تقریر کی۔ اس جلسہ میں خواجہ غلام الثقلین مرحوم بھی موجود تھے۔ انہوں نے مولانا شبلی سے فرمائش کی کہ اس طالب علم کو اسی وقت ایک نیا موضوع دیا جائے اور فی البدیہہ تقریر کرنے کو کہا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ علامہ نے دوسری تقریر بھی ایک ماہر عربی داں کی حیثیت سے ایسی برجستہ اور فصیح و بلیغ کی کہ مجمع عش عش کر اٹھا۔ حضرت مولانا شبلیؒ وفور مسرت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی دستار اپنے سر سے اتار کر اپنے لائق شاگرد سید سلیمان کے سر پر سجا دی۔

یوں تو زمانہ طالب علمی ہی سے سید صاحب ندوۃ العلماء سے نکلنے والے رسالہ "الندوہ" کی ادارت میں شامل ہو چکے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۰۷ء میں آپ کو سب ایڈیٹر مقرر کر دیا گیا۔ اور ساتھ ہی ندوہ میں مدرس بھی ہو گئے۔ اس طرح آپ نے اپنی عملی

زندگی کا آغاز ایک صحافی اور مدرس کی حیثیت سے کیا۔ آپ نے اپنی کامیاب صحافتی زندگی میں وہ وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے۔ آپ کی ملاقات زمانہ طالب علمی ہی میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے ہو چکی تھی۔ اور مولانا آزاد "الندوہ" میں چھپنے والے آپ کے مضامین سے بے حد متاثر تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے سید صاحب کو ۱۹۱۳ء میں اپنے اخبار الہلال، کلکتہ میں شرکت کی دعوت دی۔ اور آپ کچھ مدت "الہلال" سے بھی وابستہ رہے۔ آپ نے شذرات، مقالات اور بکثرت مضامین "الہلال" کے لئے لکھے۔ آپ کو یہاں پروف ریڈنگ تک کرنی پڑی۔ بعض اوقات اخبار کے لئے کتابوں سے نقل واقتباس، مواد کی فراہمی اور ترجمہ کا کام بھی کرنا پڑا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسٹاف کا نام ان کے کاموں کے ساتھ نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کے مضمون نگار اور مقالہ نگار کے نام بھی نہیں چھپتے تھے۔ اس سلسلہ میں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا ابوالکلام کے کہنے سے میں مولانا شبلی صاحب کے پاس سے مولانا ابوالکلام کے پاس الہلال چلا آیا......... الہلال میں جو کچھ لکھا جاتا تھا وہ اسی کے رنگ میں لکھا جاتا تھا......... اب ظاہر ہے کہ ہم لوگ جو وہاں شریک ادارت تھے کچھ نہ کچھ ہر ہفتہ لکھا ہی کرتے تھے، اور جو کچھ لکھا جاتا تھا چھپتا بھی ہوگا ورنہ کام کیے بغیر کون تنخواہ دے سکتا تھا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ہماری تحریروں میں ایڈیٹر صاحب کچھ اضافہ اور کمی کرتے رہتے تھے۔ اور اس لئے ایسی تحریر کو نہ ہم اپنی پوری کہہ سکتے ہیں اور نہ ایڈیٹر صاحب اپنی کہہ سکتے ہیں .... ایڈیٹر صاحب کسی مصلحت سے مہینے دو مہینے کے لئے مسوری تشریف لے گئے۔ ان کی غیر حاضری میں میری اور بلگرامی صاحب کی تحریریں ان کے تصرف کے بغیر شائع ہوئیں۔ ان تحریروں میں "مشہد اکبر"، "تذکار نزول قرآن"، "قصص بنی اسرائیل" وغیرہ مضامین میرے ہیں......... جہاں تک یاد آتا ہے۔ "حریت اسلام" کے سلسلہ میں "اسلام کے نظام سیاسی" کا مضمون میں نے لکھا تھا۔ جو سب سے پہلے "الندوہ" میں "اسلام اور اشتراکیت" کے عنوان سے چھپ چکا تھا۔ اس کو دوبارہ الہلال کے رنگ میں لکھا......... اسی طرح دوسرا مضمون "تاریخ حبشہ کے چند گم شدہ اوراق" میرا مضمون ہے جو مقریزی کے رسالہ کی تلخیص ہے۔ اس میں بھی مولانا نے کچھ ردوبدل در معقولات کر کے شائع کیا......... مگر ناشرین نے ان سب کو ابوالکلام صاحب کے نام سے شائع کیا ہے اس میں ابوالکلام کا قصور خاموشی کے سوا کچھ نہیں۔"

سید العلماء حضرت علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ العزیز کچھ دنوں پونا کالج میں پروفیسر رہے پھر ۱۹۱۵ء میں اعظم گڑھ میں شبلی اکادمی قائم کی جس نے دارالمصنفین اعظم گڑھ کی حیثیت سے قابل قدر علمی، ادبی اور مذہبی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۱۶ء سے آپ کی ادارت میں "معارف" جاری ہوا۔ جو آج تک جاری ہے اور اسلامی دنیا کا جانا پہچانا علمی وتحقیقی رسالہ ہے۔ آپ ۱۹۴۶ء تک مکمل طور پر دارالمصنفین اور معارف سے وابستہ رہے اور اعظم گڑھ سے میدان صحافت کے ذریعے زبان وادب، تبلیغ دین اور سیاسی خدمات کے ایسے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جو تاقیامت مٹائے نہ مٹ سکیں گے۔

حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفٰی ﷺ نے جس اسلامی سیاست کے اصول کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کر کے دکھایا تھا۔ اس اسلامی سیاست کی ایک جھلک حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ہندوستان وپاکستان کی سرزمین پر نصف بیسویں صدی کے دوران

دکھا دیا اور ثابت کر دیا کہ اسلام اور سیاست دو مختلف چیز نہیں ہے۔ بلکہ جدید جمہوری اور اشتراکی سیاست، اسلام سے الگ اصول ہیں جو دنیا کو تباہی و گمراہی کی طرف لے جا رہی ہیں۔ سید صاحب آج کی موجودہ سیاست کو "شجرۂ خبیثہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ محترم جناب پروفیسر سید فخر الحسن صاحب، علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب "علامہ سید سلیمان ندوی کی سیاسی خدمات" میں لکھتے ہیں:

"۱۹۱۸ء کی پہلی جنگ عظیم نے مسلمانوں اور بالخصوص ترکان عثمانی کی سیاسی اور ملی یکجہتی کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ سید صاحب کو عالم اسلام کی سیاسی و معاشرتی افراتفری نے بیحد متاثر کیا۔ وہ سیاست کو شجر ممنوعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: "مجھے اس خرقہ سے آلودہ کو بھی مولانا محمد علی جوہر اور کبھی مولانا شوکت علی نے پہنایا تو میں نے اسے اتار پھینکا.........." حالانکہ سید صاحب عملی سیاست سے کنارہ کش رہنا چاہتے تھے۔ لیکن جب ملت اسلامیہ پر زد پڑتی تو بلبلا اٹھتے اور اپنا بھرپور کردار ادا کرتے۔"

یوں تو حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی زندگی دین اسلام، امت محمدیہ ﷺ اور شریعت محمدی ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر چکے تھے۔ لیکن آپ نے مسلمانوں کے لئے جو سیاسی خدمات انجام دیں اس کی ابتداء تحریک خلافت سے ہوئی۔ آپ خلافت تحریک، مسلم لیگ، تحریک امارت شرعیہ اور جمعیت علمائے ہند وغیرہ میں نمایاں حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ آپ نے خلافت تحریک میں جو بھرپور کارہائے نمایاں انجام دی ہیں، اس کو تاریخ میں وہ جگہ نہ دی گئی جس کے آپ حقدار تھے۔ تفصیل جاننے کے لئے آپ کے خطوط کا مجموعہ "برید فرنگ" اور مفتی عبد القیوم قادری کی کتاب "تاریخ نجد و حجاز" کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ "برید فرنگ" میں آپ لکھتے ہیں:

"اس وفد کے لئے ہندوستان سے اولاً محمد علی، سید حسین اور سید سلیمان تین ناموں کا بحیثیت ارکان انتخاب ہوا۔ اور وفد کے سیکریٹری حسن محمد حیات مقرر ہوئے ....اور بنگال کے مولوی ابو القاسم صاحب بھیجے گئے .... میرے ذمہ یہ کام تھا کہ مذہبی اور تاریخی حیثیت سے انگریزی اخباروں میں ہمارے خلاف جو مضمون نکلیں ان کو جواب لکھنا اور اسلامی ملکوں کے مسلمانوں سے مل کر ان کو اس تحریک سے آگاہ کرنا۔ اور ان کی ہمدردی حاصل کرنا۔ ان کے علاوہ دو کام اور بھی میں نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ ایک یہ کہ روزانہ انگریزی اخباروں کو پڑھ کر قابل لحاظ مضامین اور خبروں پر سرخ نشان لگا دیتا تاکہ وفد کے دیگر ارکان بھی ان کو پڑھ لیں۔ دوسرے یہ کہ ہر ہفتہ، ہفتہ بھر کی رفتار کار اور کاموں کی روداد لکھ کر ہندوستان بھیجنا۔ خصوصیت کے ساتھ شوکت علی صاحب اور مولانا عبد الباری صاحب کو وفد کے کاموں سے باخبر رکھنا۔ افسوس ہے کہ شوکت علی صاحب کے (نام سید صاحب کے) خطوط جو ان کے دفتر میں جاتے تھے وہ دفتر کے نذر ہو گئے۔ نہ وہ میرے علم میں کہیں چھپے اور نہ مجھے ملے۔ بقیہ خطوط جو دوسروں کے نام لکھے گئے وہ عموماً اخبارات میں چھپ جاتے تھے ....اور لوگ بڑے شوق سے ان کو پڑھتے تھے اور اگلی قسط کے منتظر رہتے تھے۔"

۱۹۲۶ء میں حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے کلکتہ میں "جمعیۃ العلماء ہند" کے اجلاس کی صدارت فرمائی اور اسی سال ایک وفد کے سربراہ کی حیثیت سے دوسری بار حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے "موتمر عالم اسلامی" کے اجلاسوں میں شرکت کی اور سلطان ابن سعود سے ملاقاتیں کیں۔ آپ نے سلطان کی موجودگی میں پرزور عالمانہ تقریریں کیں اور حجاز میں جمہوری شرعی حکومت کے قیام اور

مقابر و مآثر کے انہدام کے سلسلہ میں مسلم امہ کی رائے طلب کرنے کا مشورہ دیا۔ اس موقع پر جب ''موتمر عالم اسلامی'' کا قیام عمل میں آیا تو ترکی کے عدنان پاشا صدر اور علامہ سید سلیمان ندوی مستقل نائب صدر منتخب ہوئے۔ آپ اس عہدے پر نومبر ۱۹۵۲ء اپنی وفات تک فائز رہے۔ مولانا مفتی محمد عبد القیوم قادری نے اپنی کتاب ''تاریخ نجد و حجاز'' میں آپ کے سفر حجاز کو تفصیل سے تحریر کیا ہے اور سلطان ابن سعود سے سید صاحب کی ملاقات، گفتگو اور تقاریر کو مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ ۱۹۳۳ء کو سید صاحب، ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال اور سر راس مسعود، افغانستان کے بادشاہ نادر خان کی دعوت پر افغانستان تشریف لے گئے اور افغانستان میں فروغ تعلیم کے سلسلہ میں اپنے مشورے مرحمت فرمائے۔

عربوں کی ترکی خلافت کے خلاف بغاوت، نجدیوں کے پورے حجاز پر قبضہ، سلطان ابن سعود کی بادشاہت کے اعلان، مزارات و مقامات مقدسہ کے انہدام اور ہندوستان میں مسلمانوں کی افراتفری نے سید صاحب علیہ الرحمۃ کو سیاست سے عملی طور پر الگ کر دیا۔ ویسے بھی کسی سیاسی جماعت یا گروپ سے آپ کی کوئی وابستگی نہیں تھی۔ آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعہ مسلمانان عالم کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا۔ لاہور، دہلی، علی گڑھ، پشاور، بڑودہ اور مدراس کا سفر کیا۔ چھوٹے بڑے جلسے اور اجلاسوں میں دینی، علمی، تاریخی اور لسانی صدارتی خطبے (lecture) دیئے اور مسلمانوں کے اسلامی افکار و خیالات کو جلا بخشتے رہے۔ آپ نے تبصرہ رپورٹ کے شائع ہونے پر معارف کے ذریعہ ۱۹۲۹ء میں مسلمانوں کو نیک مشوروں سے نوازا۔ نومبر ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا فلسطین کانفرنس دہلی میں صدارتی خطبہ دیا جو ان کی تاریخی تحریروں کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس خطبہ نے مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کو بہت متاثر کیا اور انہوں نے بذریعہ ٹیلی گرام شکریہ ادا کیا۔ مختصر یہ کہ بقول سید صباح الدین عبدالرحمان مرحوم: ''وہ اپنی سیاسی زندگی میں بھی شرافت اور مروت کے پیکر بن کر کام کرتے رہے۔ کسی سے سبقت لے جانے کی کوشش کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔'' آپ کہا کرتے تھے کہ مجھے کسی کو دھکا دیکر آگے بڑھنا پسند نہیں۔ صوفیانہ انکساری، عاجزی اور خاکساری آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی ایک ماہر قانون داں بھی تھے اور اس حیثیت سے آپ نے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ تقسیم ہند کے وقت آپ بھوپال اسٹیٹ میں عربی مدارس اور دارالقضاء کی نگرانی اور قاضی القضات کے عہدے پر مامور تھے۔ ۱۹۴۹ء کو پاکستان میں دستور کو قرآن و سنت کے مطابق مدون کرنے کے لئے پانچ علماء پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دی گئی۔ اس بورڈ کی صدارت کے لئے لیاقت علی خان، خواجہ شہاب الدین اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے متفقہ طور پر علامہ سید سلیمان ندوی کا نام تجویز کیا۔ سید صاحب کو اس کام پر راضی کرنے اور پاکستان لانے کے لئے مولانا احتشام الحق تھانوی کو بھوپال بھیجا گیا۔ راقم السطور سید قیام الدین کو خبر ملی ہے کہ اس سے قبل سید صاحب پاکستان کی طرف سے کسی عہدہ کو قبول کرنے کو کئی بار مسترد کر چکے تھے۔ اس لئے مولانا احتشام الحق تھانوی اپنے ساتھ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی کا ایک خصوصی خط لیکر گئے تھے۔ جس میں مفتی صاحب نے سید صاحب کو لکھا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی قانون کا اجراء ہو تو فوراً تشریف لائیں اور اس نیک کام کو انجام دیں۔ (واللہ اعلم) آخر آپ ۱۵ جون ۱۹۵۰ء کو پاکستان تشریف لائے۔ آپ کی آمد پر شہر کی دیواروں پر خیر مقدمی پوسٹر چسپاں کئے گئے۔ علماء، فضلاء اور اہل علم نے شایان شان استقبالیہ دیا جس میں اندرون ملک کے علاوہ دنیائے اسلام کے تمام ممالک کے سفراء نے شرکت کی۔ آپ کو پاکستان میں خوش آمدید کہا اور تقریریں کیں۔ انجمن ترقی اردو نے بھی آپ کے اعزاز میں

ایک اجلاس منعقد کیا۔آپ پاکستان میں اسلامی تعلیمی بورڈ کے صدر رہے، لاء کمیشن کے رکن رہے، جمعیۃ العلماء اسلام کے صدر بنے، پنجاب یونی ورسٹی کے ممبر اور کراچی یونی ورسٹی کے سینٹ رہے، حکومت پاکستان کے مشیر قانون مقرر ہوئے، دستور ساز اسمبلی کے بنیادی حقوق کی سب کمیٹی کے ممبر رہے۔آپ نے ۱۹۵۱ء میں پہلی اور آخری بار پاکستان کے باہم متصادم ہ مکتب فکر کے ۳۱ علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے دکھایا اور اسلامی آئین کی بنیاد فراہم کرنے کے لئے ۲۲ نکات مرتب کئے۔اور حکومت پاکستان کو اسلامی دستور کا ایک متفقہ چارٹر پیش کر دیا۔اب یہ ارباب اقتدار کی بدنیتی یا نااہلی تھی جس نے اس دستور کو سرد خانہ کی نذر کر دیا۔اور جس کا خمیازہ قوم آج تک بھگت رہی ہے۔

سید العلماء حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ذاتی کوششوں اور دعوت نامہ پر دنیائے اسلام کے تمام علمائے کرام تقریباً تمام اسلامی ممالک سے کراچی تشریف لائے اور ۱۳ فروری ۱۹۵۲ء کو ایک کانفرنس "اشتقال علمائے اسلام" کے نام سے منعقد ہوئی۔ یہ ایک بڑا روح پرور اجتماع تھا۔ہم اس کو پاکستان میں پہلا اسلامت سمٹ (ISLAMIC SUBMIT IN PAKISTAN) کہہ سکتے ہیں۔آپ بلاشبہ بیسویں صدی عیسوی کی جامع کمال اور عہد آفریں شخصیت تھے اور آپ کی جامعیت کا اعتراف آپ کے ہمعصر علماء و مشائخ اور مشاہرین نے کیا ہے۔

"تذکرہ سلیمانی" کے مصنف محترم جناب غلام محمد صاحب مرحوم لکھتے ہیں: "ان کا چہرہ مطلع انوار تھا کہ جس نے دیکھا اکثر بے ساختہ اس کی زبان سے یہی نکلا کہ یہ تو بالکل فرشتہ نظر آتے ہیں۔" اور بقول سعید الحق دسنوی

"حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت کے بعد اور بھی بقعہ نور ہو گئے تھے۔"

شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب "موج کوثر" میں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر دل کھول کر اعتراضات کئے ہیں۔لیکن انہیں لکھنا پڑا۔ "سید صاحب کی سیرۃ میں ایک پاکیزگی اور درویشی ہے۔شبلی کے کیریکٹر کا پیچ و خم نہیں،اپنے آپ کو ہمہ تن علم و فن میں وقف کر کے سید سلیمان ندوی نے ہماری زندگی میں جو مرتبہ حاصل کر لیا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے علامہ اقبال اور مولانا محمد علی جوہر کے وہ خطوط پڑھنے چاہئیں جو سید صاحب کے نام لکھے گئے اور جنہیں دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ جب اسلامی علوم کے پروانے باقی ملک میں اندھیرا ہی اندھیرا دیکھتے تو وہ بیتابانہ (بہار کے) اس چراغ کی طرف دوڑتے جو اعظم گڑھ میں روشن تھا۔"

ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبالؒ،حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے جو عقیدت رکھتے تھے اس کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"مولانا شبلی کے بعد استاذ الکل ہیں۔" ________ "علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے؟" ________ "آج سید سلیمان ندوی ہماری علمی زندگی کے سب سے اونچے زینے پر ہیں،وہ عالم ہی نہیں امیر العلماء ہیں،مصنف ہی نہیں رئیس المصنفین ہیں اور ان کا وجود علم و فن کا دریا ہے جس سے سینکڑوں ندیاں نکلی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوئی ہیں۔"

پروفیسر خلیق نظامی کی شہادت ہے: "ان کی ذات مجسم علم ہے۔ایسا علم جو پاکی خرد کا امین اور عفت قلب و نگاہ کا پاسبان ہوتا ہے۔"

مولانا شبلی نعمانی نے جو یہ کر کہ اپنے سر سے اپنا عمامہ اتار کر حضرت علامہ ندویؒ کے سر پر سجا دیا بلکہ فخر و مباہات کے طور پر کہا کرتے تھے

کہ "لوگ کہتے ہیں کہ ندوہ نے کیا کیا؟ کچھ نہیں۔ایک سلیمان کو پیدا کیا تو یہی کافی ہے۔"

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو زبان و ادب پر ایسا عبور تھا کہ "الندوہ" میں جو کچھ لکھا اس کے اپنے انداز میں لکھا۔ جب ابو الکلام آزاد کے "الہلال" کو روشنی بخشی تو "الہلال" کا رنگ اختیار کر لیا۔یہاں تک کہ آپ کے مضامین پر لوگ ابو الکلام آزاد کے مضامین کا شبہ کرنے لگے۔اور جب اعظم گڑھ میں دارالمصنفین کے پلیٹ فارم سے "معارف" جاری کیا تو پھر سلیمانی رنگ نے وہ رنگ دکھایا کہ زمانہ دنگ رہ گیا۔آج علامہ ہم میں موجود نہیں لیکن "معارف" آج بھی ان کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔آپ نے اپنی زندگی میں کم و بیش پچاس سے زائد بے مثال تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔سیرت پر ضخیم کتاب لکھنے بیٹھے تو سات جلدوں میں "سیرت النبی ﷺ" لکھی، اختصار پر آئے تو سات خطبوں پر "خطبات مدراس" اپنی مثال آپ ہے اور بچوں کی تعلیم کے لئے "رحمت عالم ﷺ" تالیف کر دی۔

"عمر خیام جب آپ نے لکھی تو ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال نے اس طرح داد دی: "عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔الحمد للہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔"

"سیرت عائشہؓ" کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: "سیرت عائشہؓ کے لئے سراپا سپاس ہوں، یہ ہدیہ سلیمانی نہیں سرمہ سلیمانی ہے۔اس کتاب کو پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا۔"

"تاریخ ارض قرآن" سید صاحب کی معرکہ آرا کتاب ہے۔جناب ڈاکٹر نثار احمد اپنے ایک مضمون "تاریخ ارض قرآن پر ایک نظر" میں لکھتے ہیں: "علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور نے "تاریخ ارض قرآن" لکھ کر ہمارے ہاں کے علمی، تاریخی، تفسیری اور ادبی سرمایہ میں ناقابل فراموش اضافہ کیا۔اور بقول شخصے اگر علامہ اس کتاب کے علاوہ کچھ اور نہ لکھتے تب بھی صرف یہی ایک کتاب ان کے علم و تحقیق اور شان و مرتبت کا کافی ثبوت ہوتی ...... اس کتاب میں جابجا تفسیری جلوے نظر آئیں گے .... اس میں آیات کا شگفتہ و عالمانہ ترجمہ بھی ہے اور تفاسیر پر تبصرہ و محاکمہ بھی ہے۔" اس کتاب میں اسلام اور قرآن پر یورپین مورخین کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔اور ان کی غلط تاریخی تحقیقات و انکشافات کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔

سید صاحب ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے لیکن آپ نے شاعری کی طرف اپنی توجہ مرکوز نہیں فرمائی۔بہر حال "ارمغان سلیمان" کے نام سے آپ کا مجموعہ کلام کراچی سے شائع کر دیا گیا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ جب ہندوستان کے افق علمی پر چار سلیمان آفتاب بن کر چمکے، جنہوں نے علم و ادب اور ملت اسلامیہ کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔قاضی سلیمان سلمان منصور پوری مصنف "رحمۃ اللعالمین ﷺ"، شاہ سلیمان پھلواروی، مولانا سید سلیمان اشرف اور حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ان میں سے آخر الذکر تین سلیمان سرزمین بہار سے تعلق رکھتے تھے۔قاضی سلیمان اور شاہ سلیمان کے بعد سلیمان اشرف کے وصال پر جو مضمون علامہ ندوی نے تحریر فرمایا ہے اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو زبان و ادب پر کیسی بے مثال قدرت حاصل تھی۔آپ تحریر فرماتے ہیں:

"چار سلیمان کی رباعی قاضی سلیمان صاحب کی وفات سے مثلث ہو گئی تھی، شاہ سلیمان پھلواروی کی رحلت سے وہ فرد بن گئی تھی،

اپ آخر اپریل ۱۹۳۹ء میں مولانا سلیمان اشرف صاحب کی موت سے مصرع ہو کر رہ گئی۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ مصرع بھی دنیا کی زبان پر کب تک رہتا ہے۔"

چار سلیمان کی رباعی کے آخری مصرع حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۵۳ء تک بقید حیات رہے اور مسلم دنیا اس مترنم اور عطر بیز مصرع سے اپنے قلب و جگر کو حیات جاودانی سے منور و معطر کرتی رہی۔ آخر آپ نے ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی میں وصال فرمایا۔ مزار قائد اعظم کے عقب میں اسلامیہ کالج کے احاطہ میں آسودہ ہیں۔ آپ کے آخری سفر کے موقع پر دنیا کے تقریباً تمام اسلامی ممالک کے علماء و نمائندوں نے شرکت کی۔

نقشہ خاندان علامہ سید سلیمان ندوی

نقشہ خاندان و اولاد علامہ سید سلیمان ندویؒ
حکیم سید محمد شیر عرف محمدی
حکیم سید ابوالحسن
سید ابوتراب
سید ابویوسف
دختر زوجہ
میر عبداللطیف
گیلانی
دختر زوجہ
حکیم نورالحسن
استھانواں
دختر زوجہ
شاہ عبدالحمید
دختر زوجہ
ڈاکٹر عبدالعزیز ذہراوالی
دختر زوجہ اولیٰ
دختر زوجہ
سید ابویونس
سید ابوداؤد
میر شمس الدین (اوصدی)
سید سلیمان ندوی
شاہ محمد عارف
شاہ محمد عالی
دختر زوجہ
شاہ محمد عارف
حسام الحق
سید ابونجیب عرف سید سلیمان ندوی
حکیم سید ابوحبیب
دختر زوجہ امیر الحسن
دختر زوجہ سید نجم الہدیٰ
دختر زوجہ عبدالحفیظ
دختر زوجہ عبدالباری
سید ابوظفر
دختر زوجہ ڈاکٹر سید مصباح الہدیٰ
(و استاذ رام)
دختر
دختر زوجہ عبدالمقیت
ابوسلمان ندوی
دختر
دختر
دختر زوجہ سید حسین
دختر زوجہ ابوعاصم
ابوسہیل
دختر زوجہ علی اشرف
ابوشمیل
دختر
دختر
ابوفضیل

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

سرزمین بہار کا ایک مشہور و معروف قصبہ گیلانی ہے۔ جہاں چودھویں صدی ہجری کے جید عالم دین، اپنے وقت کے سحر البیان مقرر اور بکثرت مذہبی کتابوں کے مصنف حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ نے اپنے والد حافظ سید ابوالخیر اور اپنے چچا مولانا حکیم ابونصر کے زیر سایہ پرورش پائی۔ ان ہی دونوں بزرگوں سے آپ نے ابتدائی تعلیم قرآن، اردو، فارسی اور عربی صرف و نحو کی کتابیں مکمل طور پر ختم کیں۔ حضرت سید ابوالحسن علی ندویؒ عرف علی میاں آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

"وہ بیک وقت معقولات کے دقیق النظر اور کامل الفن عالم، وسیع النظر محدث، نکتہ شناس اور نکتہ آفریں مفسر، بالغ نظر فقیہ و متکلم عصر، وسیع النظر مؤرخ، سیال قلم مصنف، سحر بیاں مقرر، کامیاب و علم آموز استاذ و مدرس، حقیقت پسند و باخبر عالم دین اور عہد حاضر اور نسل جدید کے نبض شناس اور اس سب کے ساتھ دردمند و پرمحبت، عشق رسول ﷺ محبت اسلام اور درد و سوز سے بھرا ہوا دل رکھنے والے عالم تھے۔"

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی ۱۳۱۰ھ کو اپنی ننھیالی استھانواں میں پیدا ہوئے۔ جب ابتدائی عربی تعلیم اپنے والد اور چچا سے حاصل کر چکے تو مزید تعلیم کے لئے آپ کو ٹونک میں مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی البہاری کے پاس بھیجا گیا۔ حضرت مولانا سید برکات احمد مرحوم بن مولانا دائم علی میر نگری ثم ٹونکی، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کے دادا مولانا محمد احسن گیلانیؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت مولانا حکیم سید برکات احمدؒ اپنے والد سید دائم علیؒ کے ساتھ ہندوستان کی اسلامی ریاست ٹونک میں آباد ہو گئے تھے۔ آپ نے جید معقولی عالم اور دست شفا حکیم کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ ریاست ٹونک کے نواب کے طبیب خاص تھے۔ آپ نے ایک مدرسہ خلیلیہ قائم کیا تھا جس میں ریاست اور ریاست سے باہر کے طلباء بڑی تعداد میں تعلیم حاصل کرتے۔ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے آٹھ سال راجپوتانہ کے ایک ریگستانی علاقہ کے ایک شہر ٹونک میں حضرت مولانا حکیم سید برکات احمدؒ کے زیر سایہ ان کے "مدرسہ خلیلیہ" میں تعلیم حاصل کی۔ بقول مولانا ظفیر الدین مفتاحی صاحب آپ کی علمی، فنی اور ذہنی و فکری استعداد و صلاحیت کی نشوونما اسی ماحول میں ہوئی۔ آپ نے اسی مدرسہ میں پورے انہماک سے معقولات کی کتابوں کے علاوہ منطق کی کچھ کتابیں دوبارہ مولانا ٹونکی سے پڑھیں۔ عربی ادب، ریاضی اور ہیئت و ہندسہ ٹونک ہی میں مولانا محمد اشرف ملتانی سے پڑھیں۔ حضرت مولانا حکیم سید برکات احمدؒ نے "مدرسہ خلیلیہ" میں اخبار و رسائل اور اردو کی کتابوں کے پڑھنے پر ممانعت کر رکھی تھی۔ انہیں علماء کا تقریر اور وعظ کرنا بھی ناپسند تھا۔ اس کے باوجود مولانا گیلانی کی خداداد تقریری صلاحیت بھی ٹونک ہی میں پروان چڑھی۔ ہوا یوں کہ ایک بار مولانا حکیم برکات احمدؒ ایک ماہ کے لئے نواب صاحب ٹونک کے ساتھ کہیں باہر چلے گئے۔ اس دوران خلافت تحریک سے منسلک ایک مولوی صاحب چندہ جمع کرنے کے لئے ٹونک آ گئے۔ مولوی صاحب کوئی اچھے مقرر نہیں تھے اور عوام سے چندہ حاصل کرنے میں انہیں کامیابی نہیں ہو پا رہی تھی۔ مولانا گیلانی ان کی مدد کے خیال سے مسجدوں

میں جا کر تقریر کرنے لگے۔ استاد کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے کھل کر مولوی صاحب کے ساتھ جگہ جگہ تقریریں کیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے شہر ٹونک میں آپ کی خطابت کی دھوم مچ گئی۔ اور مولوی صاحب بھی کافی چندہ لے کر واپس ہوئے۔ آپ نے یہ کام محض ایک مولوی کی مدد کے خیال سے کیا تھا لیکن اس نے آپ کی زندگی کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ تقریری مواد کے حصول کے لئے آپ نے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی کتاب "احیاء العلوم" کا مطالعہ کیا، جس نے آپ کے دل و دماغ کو غیر محسوس طریقے سے متاثر کیا۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ٹونک کے قیام کے دوران اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے آستانہ پر حاضری دی۔ جہاں اپنی نظم "شکوۂ خواجہ" لکھی اور آستانے پر خود بڑی خوش الحانی سے پڑھی۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی صاحب اپنی کتاب "حیات مولانا گیلانی" میں تحریر کرتے ہیں :

> "ایک حاضری کے موقع پر مولانا مرحوم نے دوپہر کے سناٹے میں یہ "شکوۂ خواجہ" اور مدینہ منورہ کی حاضری کے موقع پر جو نعت کہی تھی خود لے سے پڑھ کر بندہ کو سنائی۔ جہاں خاکسار اور مولانا کے سوا کوئی تیسرا نہ تھا۔ خود بھی خوب........ بروئے اور سننے والا (یعنی مولانا مفتاحی) بھی تڑپ تڑپ کر رہ گیا۔ یہ ریٹائر ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔"

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ آٹھ سال کی مدت کے بعد ٹونک سے واپس وطن لوٹے اور اپنے بزرگ و مربی چچا کی اجازت سے مزید تعلیم کے شوق میں دیوبند پہنچے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے امتحان لیا اور داخلے کی اجازت مل گئی۔ آپ نے ایک سال کے عرصہ (۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء) میں دورۂ حدیث کی تعلیم مکمل کر کے امتحان دیا اور کامیاب طلباء میں آپ تیسرے نمبر پر رہے۔ آپ نے جن علمائے ذی احتشام سے حدیث کی کتابیں پڑھیں وہ درج ذیل ہیں :

۱۔ مسلم شریف، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔

۲۔ بخاری شریف، صدر مدرس حضرت مولانا محمود الحق عثمانی قدس سرہ سے۔

۳۔ ابوداؤد کا سبق حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل کیا۔

۴۔ نسائی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔

علاوہ ازیں آپ کے دوسرے اساتذہ میں عارف باللہ حضرت مولانا میاں سید اصغر حسینؒ بہاری، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانیؒ، حضرت مولانا غلام رسولؒ، حضرت مولانا گل محمد خانؒ اور حضرت مولانا احمد حسن عثمانی کا نام نامی بہت مشہور و معروف ہے۔ آپ کے تمام اساتذہ کی آپ پر خصوصی عنایت و شفقت رہی۔ حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے خصوصی توجہ کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ان کے حکم پر دارالعلوم کے ماہنامہ رسالہ "القاسم" کے لئے مضامین لکھے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے چند ذہین طلباء کے ساتھ آپ کو بھی اپنے گھر پر خصوصی درس میں شرکت کا حکم دیا۔ جب آپ تعلیم سے فارغ ہوئے تو دارالعلوم میں آپ کو معین المدرسین کی حیثیت سے جگہ ملی تو حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے حضرت مولانا حبیب الرحمان عثمانیؒ نائب مہتمم سے آپ کی تنخواہ میں اضافہ کی سفارش ان الفاظ میں کی :

"..........غریب (مناظر احسن) سے رسالہ کی ادارت اور تحریر کا کام بھی آپ لیتے ہیں، درس و تدریس کا کام بھی اس کے سپرد کرتے رہے۔ جہاں کہیں جلسی آئی وعظ و تقریر کے لئے بھی بھیجتے رہے........ اگر ان تینوں مدوں کے سلسلہ میں ایک ایک آدمی کی تنخواہ اسے دی جائے تو شاید اس کا بیہ ناجائز مطالبہ ہوگا۔"

دارالعلوم دیوبند کی معلمی کے زمانہ میں بھی حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی ایک عام طالب علم کی حیثیت سے رہتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے مولانا سید میاں اصغر حسین کا آپ کے کمرے کی طرف سے گزر ہوا اور دیکھا کہ کمرہ میں کوئی چارپائی نہیں اور نہ کوئی بستر ہے۔ تو پوچھا کس چیز پر سوتے ہو، آپ نے جواب دیا ان ہی چٹائیوں پر سوجاتا ہوں۔ دوسرے دن میاں صاحب نے خود اپنے مکان سے ایک آدمی کے معرفت پلنگ بھجوائی۔

مختصر یہ کہ حضرت مولانا گیلانی نے مندرجہ بالا شفیق و مہربان استادوں سے ایک سال تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد ۱۳۲۳ھ کے سات ماہ آپ اپنے وطن گیلانی میں رہے۔ کچھ دنوں کے لئے مونگیر اور پھر ٹونک گئے۔ ٹونک سے واپسی پر حیدرآباد دکن کی فضاؤں کا جائزہ لیتے ہوئے ۱۳۲۴ھ کے ابتدائی مہینوں میں دیوبند پہنچ کر بحیثیت معلم برسرکار ہوئے۔ معلمی کے ساتھ دارالعلوم کے ماہنامہ رسالہ "القاسم" اور "الرشید" کی ادارت بھی کی۔ قرب و جوار کے علاقوں میں بذریعہ وعظ و تقریر تبلیغ کا کام انجام دیا۔ دوران قیام دیوبند آپ آستانہ خواجہ اجمیری، آستانہ حضرت علی احمد صابری چشتی کلیر شریف اور آریہ سماج کی تعلیم گاہ، کانگڑی کا سفر کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں ایک سال تک مختلف کام یعنی مذہبی، تبلیغی اور ادبی کام انجام دیئے۔ آخر ۱۳۳۵ھ کو کلکتہ ہوتے ہوئے دوبارہ حیدرآباد دکن پہنچے، جہاں آپ ۱۹۲۰ء میں عثمانیہ یونی ورسٹی کے شعبہ دینیات میں استاد مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۴۹ء کو بحیثیت صدر شعبہ ریٹائر ہوئے اور پانچ سو روپے پنشن لے کر وطن واپس ہوئے۔ ٹونک، دیوبند اور پھر حیدرآباد دکن کے قیام و سفر کے دوران آپ نے اپنے آپ کو اسلامی دنیا میں ایک ذی استعداد مدرس، عمدہ مقرر، اچھے انشاء پرداز، مقالہ نگار اور مصنف و مولف کی حیثیت سے روشناس کرایا۔

حضرت مولانا گیلانی پہلی بار حیدرآباد گئے تو بالکل اجنبی تھے۔ وہاں قیام بھی مختصر رہا۔ اس مختصر مدت قیام میں چند بڑی شخصیتوں سے آپ کی ملاقات ہوئی جو آپ کے علمی صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوئے۔ ان میں مولانا انوار اللہ ایک ذی علم، ذی استعداد اور وسیع العلم عالم ہونے کے علاوہ ریاست حیدرآباد میں امور مذہبی کے وزیر تھے۔ انہوں نے مولانا گیلانی کی صلاحیت سے متاثر ہوکر اپنا مہمان بنایا۔ مولانا انوار اللہ اپنے گھر میں "فتوحات مکیہ" کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کو اس میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ درس کی ایسی ہی ایک مجلس میں مولانا انوار اللہ نے آپ سے تقریر کی فرمائش کی۔ اور آپ نے ایک بڑی پر اثر اور جامع تقریر کی۔

مولانا گیلانی کے قدر دانوں میں ملا مراد کابلی بھی تھے۔ حیدرآباد میں ان کی کتابوں کی دکان تھی۔ انہوں نے آپ کو مہاراجہ کشن پرشاد سے ملوایا۔ اس ملاقات کو مولانا خود تحریر کرتے ہیں:

"مہاراجہ بہادر اچھی طرح ملے۔ باتیں ہونے لگیں۔ ان کو وحدۃ الوجود کے مسئلہ سے خاص دلچسپی تھی، چھیڑ کر اسی مسئلہ پر آگئے۔ میں جب اس پر بولنے لگا تو دیکھا کہ مہاراجہ چند ہی فقروں کے بعد سنبھل سے گئے۔ اور میری گفتگو کو بغور سننے لگے........ کہتے گئے جس طریقہ

سے تم نے اس مسئلہ کو میرے سامنے بیان کیا ہے، کیا چند مولوی جو کچھ وہابی خیال کے ہیں، ان کو جمع کر کے سننا چاہوں تو ان کے سامنے تقریر کر دو گے؟" مولانا گیلانی نے جواب دیا کہ کوئی مضائقہ نہیں جو کچھ میں نے سمجھا ہے اس کو انہیں سمجھانے کی سعی کروں گا۔ آخر ایک دن علماء کی ایک بڑی تعداد مہاراجہ صاحب کے مکان پر جمع ہوئی اور آپ نے مسئلہ وحدۃ الوجود پر ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی، جس کو تمام علمائے ذی احتشام نے پسند فرمایا۔

حیدرآباد کی ملازمت اور مستقل قیام کے دوران شوال ۱۳۴۸ھ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ ہر سال مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے دیوبند تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آخر محرم ۱۳۷۵ھ کو اپنی علالت کی بنا پر مجلس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی قدس سرہ اپنے وقت کے نہ صرف یہ کہ عالم دین تھے بلکہ آپ ایک صوفی بزرگ بھی تھے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ جس طرح علوم ظاہری میں انتہادرجہ کے ذہین و ذکی اور ہوشیار تھے، عام امور میں اسی قدر بھولے بھالے، مالی نقصان اٹھاتے بجز ٹھوکر بھی ہمیشہ بے فکر ہی رہے۔ عین عالم شباب میں حضرت شیخ الہند محمود الحسن عثمانی قدس سرہ العزیز سے بیعت ہوئے۔ حیدرآباد کے قیام کے دوران سلسلہ قادریہ کے بزرگ حضرت حبیب العیدروس اور سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت محمد حسین کی صحبت میں رہ کر سلوک کے منازل طے کئے۔ دونوں بزرگوں سے اجازت و خلافت بھی عطا ہوئی۔ مولانا مفتاحی، علامہ سید سلیمان ندوی کے حوالہ سے ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں:

> "حضرت علامہ سید سلیمان ندوی جب آخری حج میں تشریف لے گئے تو آپ نے اپنا چشم دید واقعہ خود مولانا گیلانی کو لکھا کہ میں (علامہ ندوی) مطاف میں بیٹھا ہوا تھا، اچانک میری نظر پڑی کہ تو (یعنی مولانا گیلانی) طواف کر رہا ہے خیال آیا کہ وہ آتا تو مجھ سے ضرور ملتا۔ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔ میں خود تیری طرف ملنے کو لپکا لیکن دیکھا تم غائب ہو گئے۔ صوفیوں میں جو مشہور ہے کہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں۔ کیا اسی کے ظہور کی یہ شکل تھی؟"

حضرت مولانا گیلانی کے عشق رسول ﷺ کی جیتی جاگتی تصویر ان کی کتاب "النبی الخاتم" ہے۔ جس میں عشق و مستی اور وارفتگی کا رنگ پورے شباب پر ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی اس کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں: "مجھ سے ایک ثقہ بزرگ نے بیان کیا تھا کہ جن دنوں یہ کتاب ("النبی الخاتم") تصنیف ہو رہی تھی۔ ایک صاحب دل بزرگ نے ایک رات عالم واقعہ میں دیکھا کہ حضرت خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے جمال کی پوری تابشوں کے ساتھ رونق افروز ہیں اور مولانا گیلانی قدموں میں تڑپ رہے ہیں۔ لیکن ان سے نظر بچائی جا رہی ہے۔ صاحب واقعہ بزرگ نے یہ دیکھ کر حضرت بلال سے جو وہیں موجود تھے۔ عرض کی اس بیچارے کو ایک نظر کیوں نہیں دیکھ لیا جاتا؟ حضرت بلال نے فرمایا: اس کو اگر دیکھ لیا تو مر جائے گا۔"

حضرت مولانا گیلانی قدس سرہ العزیز اجازت و خلافت سلسلہ قادریہ اور چشتیہ دونوں کی رکھتے تھے۔ لیکن نہ تو آپ نے کسی کو مرید کیا اور نہ ہی کسی کو اجازت و خلافت دی۔ آپ نے ساری زندگی بحیثیت استاد اور بذریعہ قلم دین اسلام کی خدمت میں صرف کر دی۔ نئی

روشنی میں پروان چڑھنے والے نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا اور انہیں انگریزی تعلیم اور نئی روشنی کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھنے کی جدوجہد کی۔

حضرت مولانا گیلانیؒ کے چند سنہرے اقوال درج ذیل ہیں :

۱۔"صرف ظاہری شکل و صورت دیکھ کر کسی کے متعلق حتمی فیصلہ کر لینا کہ یہ دین سے باغی ہے کچھ زیادہ دانشمندی نہیں۔"

۲۔"ہندوستان کے غیر مسلم کی بڑی تعداد اس لئے اسلام سے قریب نہیں ہوئی کہ ہم نے قریب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ قبل از وقت ان سے دوری اور نفرت کا فیصلہ کر لیا۔"

۳۔آپ فرمایا کرتے :"میری نوجوانی کی تقریر سے ایک غیر مسلم دربھنگہ میں مسلمان ہوا تھا۔قیامت میں شاید وہی میری بخشائش کا بڑا ذریعہ بن جائے۔"

پاکستان اور مولانا گیلانیؒ :

"میں ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل روشن پاتا ہوں.........پاکستان کے مسلمان اپنے نئے ماحول میں کیا ہو جائیں گے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔لیکن ہندوستان کے مسلمانوں پر نئے ماحول کا جو ردعمل ہوگا وہ نظر میں امید افزاء ہے۔ان میں مذہبی احساسات اور ملی جذبات کی بنا پر غیر شعوری طور سے پوری قوت مدافعت موجود ہے۔جوہر زمانہ میں برقرار رہے گی۔مسلمانوں نے اپنی انفرادیت باقی رکھی،ان کی مذہبی غیرت و حمیت میں بڑا استحکام ہے،جو کمزور تو ہو سکتا ہے ختم نہیں ہو سکتا۔"

پاکستان میں اسلامی دستور مرتب کرنے کے سلسلہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے بہت سے علماء کو کراچی میں اکٹھے کرنے کے لئے خطوط لکھے۔ان میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی اور حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا نام بڑا اہم ہے۔اس سلسلہ میں مولانا گیلانی کا خط علامہ ندوی کے نام درج ذیل ہے :

"............خاکسار نے بھی قطعی فیصلہ کراچی نہ جانے کا کر لیا تھا۔لیکن مولانا عثمانی کی طرف سے تار اور خطوط کے تسلسل نے فسخ عزم کو اسب خیال کیا۔ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہوئے دل نے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی۔ڈاکٹر حمید اللہ کو ساتھ لے کر حیدرآباد سے اڑا پانچ ساڑھے پانچ گھنٹے میں کراچی کے مطار پر اتار دیا گیا۔سولہ دن قیام رہا۔باہر سے ان کے دو دکنی فقیروں کے سوا صرف مفتی شفیع صاحب تشریف لائے.........بحث و مباحثہ کے بعد آخری شکل میں اس کو قلم بند کر کے مجلس کے حوالہ کر کے ہم لوگ چلے آئے۔"

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی زیدی الواسطی سادات گھرانے سے تھے جو سادات جا جیر کے نام سے مشہور ہے۔آپ کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے :

سید مناظر احسن بن حافظ سید ابوالخیر بن مولانا سید محمد احسن بن میر سید شجاعت علی بن سید شفاعت علی بن

سید دھوم علی بن سید مقیم بن سید فیروز بن سید سکندر بن سید احمد علی بن سید سلوتی بن سید غازی خان بن سید اللہ داد بن سید شاہ مجھن بن سید خداوند بن سید محمد بن سید محمود بن سید حاتم رہوئی بن سید حیدر باگھ بن سید احمد جاجنیری تا سید ابوالفراس الواسطی تا امام زید شہید (تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ)

حضرت مولانا گیلانی ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو اپنے نانا سید فدا حسین صاحب کے گھر موضع استھانواں، ضلع پٹنہ، صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ تقریباً چھیاسٹھ سال کی عمر میں ۲۵ شوال ۱۳۷۵ھ مطابق ۵ جون ۱۹۵۶ء کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ اپنے آبائی گاؤں گیلانی ضلع پٹنہ میں آسودہ خاک ہیں۔ آپ کے وصال کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے آپ کے شاگرد غلام محمد صاحب لکھتے ہیں: "............ مرض الموت میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ جنت میں کوئی بوڑھا نہ جائے گا۔ ہر شخص جوان ہو کر جائے گا......... جب صبح ان کی روح پرواز کر چکی تھی۔ تو چہرہ پُر گوشت تر و تازہ تھا۔ سفید داڑھی بالکل سیاہ تھی، اور لاغر و نزار جسم بالکل گداز تھا۔ اس منظر کو مکارم احسن صاحب ہی نے نہیں دیکھا بلکہ ہر شریک جنازہ نے حیرت کی آنکھ سے دیکھا۔"

مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم نے علم و دین کی بڑی خدمت انجام دی۔ وہ بلاشبہ صاحب طرز ادیب تھے۔ ان کی مشہور کتابوں میں "النبی الخاتم"، "الدین القیم"، "ہندوستان کا نظام تعلیم و تربیت"، "تدوین حدیث"، "سیرت حضرت ابوذر غفاری ؓ"، "تدوین قرآن"، "امام ابو حنیفہ ؒ کی سیاسی زندگی"، "سوانح اویس قرنی ؓ"، "ہزار سال پہلے" اور "مسئلہ سود" شامل ہیں۔ یہ کتابیں ان کے وسعت علم کا مظہر اور ان کی دینی خدمات کا بے مثال ذریعہ ہیں۔

میر سید مقیم

- سید عبداللہ
  - محمد فیضو
    - مسماۃ منّا
      - * حیاتن زوجہ سید شجاعت علی
  - پیر
- سید نعیم اللہ
  - فرزند علی
  - امام بخش
    - فدا حسین
    - انیسہ زوجہ مولانا محمد احسن
    - مسماۃ مہرو
    - مسماۃ مریم
- میر سید دھوم
- سید مظفر علی
- سید شفاعت علی
  - سید شجاعت علی زوج
  - * حیاتن بنت (یا نواسی) محمد فیضو
    - مولانا محمد احسن
      - حافظ سید ابوالخیر، زوج کبریٰ بنت فدا حسین استھانواں
        - مولانا مناظر احسن گیلانی، زوج آمنہ بنت نذیر الدین بن واعظ الحق گیلانی
          - سید محی الدین، زوج دختر معین وکیل گیلانی
            - فواد حسین
            - رشاد حسین
              - اولاد
                - عامر
                - کامران منسوب از دختر جمال فرید مرحوم جدید صبغ (؟) بو رانچی رضوی سید آغا دختر (؟)
                - فاطمہ
            - نشاط بانو، زوجہ محمد علی
              - تیمور علی
            - نگار بانو
            - روحانہ بانو
          - انیسہ خاتون، زوجہ صلاح الدین
          - مسماۃ مریم
        - مظہر احسن
        - مکارم احسن، منگھیر (؟) پٹنہ
          - نوشابہ، زوجہ افتخار (؟) کدری
          - صلاح الدین
          - عائشہ زوجہ اختر عالم مجیورہ
          - وسیمہ زوجہ تمام الحق
          - جمال احسن
          - بلال احسن
          - کمال احسن
          - اقبال احسن، زوج فرزانہ بنت انعام الحق منگھیر (؟) پٹنہ
        - ام ہانی
        - حنیفہ
        - ہاجرہ
      - ابو ظفر محمد سلیمان
      - حکیم ابو نصر، لاولد
    - محمد محسن وکیل
      - ضمیر الحق
      - دختر
      - دختر
    - محمد اشرف
      - دختر
      - دختر
- مسماۃ کریمن

(بشکریہ صاحب "سادات جاجیری" صفحہ نمبر ۳۲۳)

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین فاضل بہاریؒ

برصغیر پاک و ہند میں انفرادی حیثیت اور اجتماعی طریقہ سے اسلام کی خدمت ہوتی رہی اور انشاءاللہ تاقیامت ہوتی رہے گی۔ مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ دین کی سربلندی کے لئے ہر زمانہ میں کوشاں رہا۔ علمائے سو، درباریوں اور مفاد پرستوں کے مقابلہ میں علمائے حق اور صوفیائے باصفا اپنی جان ہتھیلیوں پر رکھے ہر محاذ پر موجود رہے۔ علمائے دیوبند توحید خالص (آمنت باللہ) کی تبلیغ اور غیراسلامی رسم و رواج کے خلاف میدان عمل میں ڈٹے رہے۔ علمائے بریلی نے احترام و مقام رسالت (و رسُلہ) کی تشریح و تفسیر کا بیڑا اٹھایا۔ علمائے اہل حدیث نے علم حدیث کو عام کرنے کے لئے پورا زور صرف کیا۔ وقت کے مشائخ کرام نے جب بھی دیکھا کہ مسلمان اللہ سے غافل ہو رہے ہیں تو خشیت الٰہی کی تعلیم دی، نبی آخرالزماں ﷺ سے مسلمانوں کا تعلق کمزور ہوتے پایا تو عشق رسول ﷺ کی طرف دعوت دی۔ جب بھی امت دنیاوی آلائشوں میں مبتلا ہوئی تو انہیں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔ اور جب بھی کتاب اللہ (و کُتُبِہ) سے دوری دیکھی تو قرآن کے الفاظ کے روحانی اثرات اور معنی و مطالب سے آگاہ کیا۔ مختصر یہ کہ علماء حق اور مشائخ باصفا کا ہر فرد اور ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والا سچا گروہ قابل صد احترام اور ستائش کا مستحق ہے کہ اس نے دین کی خدمت کی اور خوب کی۔ زیر نظر تذکرہ ایک ایسے ہی سچے مخلص اور بیباک عالم دین ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین معروف بہ فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہماری رہنمائی کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

صوبہ بہار کے مسلمان خالص مذہبی جذبات و خیال کے حامل ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف جب بھی انہیں آواز دی گئی تو نتائج کی فکر سے بالاتر ہو کر دوڑ پڑے۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک جہاد پر لبیک کہا اور جانی و مالی قربانی کی انمٹ مثال قائم کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہراول دستے میں نظر آئے۔ ریشمی رومال کی تحریک ہو یا خلافت تحریک مسلمانان ہند کے شانہ بشانہ صف آراء ہوئے۔ حصول پاکستان کے سلسلہ میں ۱۹۴۶ء کے بہار رائٹ میں جو قربانی پیش کی اس نے قیام پاکستان کے خواب کو سچی اور حقیقی تعبیر بخشی۔ دیوبندی مکتبہ فکر میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی، ندوی مکتبہ فکر میں علامہ سید سلیمان ندویؒ، اہل حدیث مکتبہ فکر میں میاں سید نذیر حسین محدثؒ اور مولانا شمس الحق محدث ڈیانویؒ اور بریلوی مکتبہ فکر میں مولانا ظفر الدین فاضل بہاریؒ سے کون واقف نہیں۔ قیام "جمعیت علمائے ہند" اور "امارت شرعیہ" کے سلسلہ میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کا نام کس نے نہیں سنا۔

اپنے زمانے میں بہار میں بریلوی مکتبہ فکر کے سب سے بڑے موید ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین معروف بہ فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۶ء کو موضع رسول پور میجرہ ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی محمد عبدالرزاق سچے اور مخلص حنفی مسلمان تھے۔ اپنے صاحبزادے حضرت مولانا ظفر الدین کو دینی تعلیمات سے مرصع دیکھنا چاہتے تھے۔ خاندان کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود آپ کو مذہبی تعلیم دلوائی۔ حضرت مولانا فاضل بہاری شوال ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں "مدرسہ حنفیہ غوثیہ" موضع بین ضلع پٹنہ میں

داخل ہوئے۔ جہاں مولانا بدرالدین اشرف اور مولانا معین الدین ازہر کے نور نظر رہے۔ متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد قاضی عبدالوحید مرحوم کے قائم کردہ (۱۳۲۶ھ) "مدرسہ حنفیہ" محلہ بخشی، پٹنہ میں داخل ہوئے۔ وہاں مولانا احمد سورتی جیسے جید علماء سے اکتساب علم کیا۔ ۱۳۱۸ھ میں مزید تعلیم کے لئے کان پور تشریف لے گئے اور وہاں مولانا عبداللہ کان پوری (متوفی ۱۳۴۳ھ) سے ہدایہ، قاضی عبدالرزاق کان پوری سے کتب حدیث اور مولانا احمد حسن کان پوری سے دوسرے علوم و فنون میں اکتساب کیا۔ حصول تعلیم کا شوق شباب پر تھا۔ نتیجتاً کان پور سے ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء کو اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں بریلی حاضر ہوئے اور ان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی تحریک سے وابستہ ہوگئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی اپنی شفقتوں کا وافر حصہ نثار کیا۔

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس وقت تک کسی مدرسے کی بنیاد نہیں ڈالی تھی بلکہ انفرادی حیثیت سے طلباء کو گھر پر ہی تعلیم دیا کرتے تھے۔ بقول مولانا محمد حسن رضا خاں، حضرت مولانا ظفرالدین بہاری نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا اور آپ کی تجویز و تحریک سے "مدرسہ منظر الاسلام" کی ۱۳۲۲ھ میں بنیاد پڑی اور آج اسی مدرسے کے بریلوی مکتبہ فکر نے ملک کے گوشے گوشے میں عقیدۂ رسالت اور احترام و تقدس نبی آخرالزماں ﷺ کی تبلیغ کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ "مدرسہ منظر الاسلام" کے پہلے صدر مدرس مولانا بشیر احمد علی گڑھی تھے جن سے حضرت فاضل بہاری نے بھی اکتساب علم کیا۔ آپ نے صحیح بخاری کامل اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلویؒ سے پڑھی۔ ۱۳۲۵ھ میں سند حدیث حاصل کی، اعلیٰ حضرت سے خلافت ملی اور دستار بندی ہوئی۔

ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین المعروف بہ فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی ہنگامہ درس و تدریس میں گزری۔ آپ نے بریلوی مکتبہ فکر کو عام کرنے کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ عقیدہ رسالت اور حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے مسلمانوں کی محبت کو فزوں تر کرنے کے لئے شہر شہر اور قریہ قریہ کا سفر کیا۔ مختلف مدرسوں میں درس و تدریس کے ذریعہ عقیدہ کی پختگی کا درس دیتے رہے۔ "مدرسہ منظر الاسلام" بریلی، "مدرسہ فیض الغرباء" آرہ، "مدرسہ شمس الہدیٰ" پٹنہ، "مدرسہ خانقاہ کبیریہ" سہسرام اور "جامعہ لطیفی بحرالعلوم" پٹنہ میں استاذ علم رہے۔ آپ بڑے جامع العلوم تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور فلسفہ کے ساتھ ساتھ علم ہیئت کے بھی مانے ہوئے استاد تھے۔ ہزارہا طلباء نے علمی استفادہ کیا۔ بانی خاکسار تحریک عنایت اللہ مشرقی نے جب اس خیال کا اظہار کیا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا سمت قبلہ علم ہیئت کی رو سے غلط ہے۔ تو مولانا فاضل بہاریؒ نے اس کا مفصل اور معقول تحریری جواب دیا جسے حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے "معارف" اعظم گڑھ میں تعریفی نوٹ کے ساتھ شائع کیا۔

ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمۃ بلاشبہ کٹر بریلوی تھے۔ لیکن اس سختی میں للّٰہیت اور ان کا خلوص کارفرما تھا۔ دیگر مسالک کے علماء سے بھی آپ کے اچھے برادرانہ روابط تھے۔ اور ان علماء کی اقتداء میں آپ اپنی نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔ اس اچھے عمل میں حضرت مولانا کی تقلید مسلمانوں کے لئے وقت کا اہم تقاضہ ہے۔

حضرت مولانا ظفرالدین فاضل بہاری کی تحریری و تقریری صلاحیت کا زمانہ معترف ہے۔ آپ بکثرت کتابوں کے مصنف ہیں۔ عزیزم محمد تنزیل الصدیقی الحسینی نے بڑی عرق ریزی سے حضرت فاضل بہاری کی تصانیف کی ایک مکمل فہرست راقم السطور کے حوالے کی ہے،

جو درج ذیل ہے۔

"الجامع الرضوی"(۲ جلدوں میں)، "حیات اعلیٰ حضرت" (۲ جلد)، "ظفر الدین الجید"(مرقومہ ۱۳۲۳ھ)، "الجسام المسلول علی منکر علم الرسول"(مرقومہ ۱۳۲۳ھ)، "مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس"(مرقومہ ۱۳۲۴ھ)، "مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل مصطفی"(مرقومہ ۱۳۲۳ھ)، "التعلیق الضروری علی القدوری" (مرقومہ ۱۳۲۵ھ)، "اعلام الساجد بصرف جلو والاضحیۃ الی المساجد" (مرقومہ ۱۳۲۵ھ)، "بسط الراحہ فی الخطر والاباحۃ"(مرقومہ ۱۳۲۶ھ)، "فیض الرضوی فی تکمیل الحموی" (مرقومہ ۱۳۲۶ھ)، "شکست سفاہت"(مرقومہ ۱۳۲۶ھ)، "المجمل المعدد لتصنیفات المجدد" (مرقومہ ۱۳۲۷ھ)، "نجم الکترہ علی الکلاب الممطرہ "(مرقومہ ۱۳۲۸ھ)، "النبراس لدفع ظلام المنھاس" (مرقومہ ۱۳۲۹ھ)، "توضیح التوقیت "(مرقومہ ۱۳۳۰ھ)، " التعلیق المفنی عن شرح المغنی" (مرقومہ ۱۳۳۱ھ)، "رفع الخلاف من بین الاحناف"(مرقومہ ۱۳۳۳ھ)، "نزول السکینہ باسانید الاجازات المتینہ"(مرقومہ ۱۳۳۳ھ)، "خیر السلوک فی نسب الملوک "(مرقومہ ۱۳۳۳ھ)، " جواھر البیان فی ترجمۃ الخیرات الحسان "(مرقومہ ۱۳۳۳ھ)، " القول الاظھر فی الاذان بین یدی المنبر" (مرقومہ ۱۳۳۳ھ)، "تجہیز مناظرہ"(مرقومہ ۱۳۳۴ھ)، " کشف الستور عن مناظرہ رام پور" (مرقومہ ۱۳۳۴ھ)، "موذن الاوقات"(مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، "بدر الاسلام لمیقات"(مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، "عافیہ"(مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، "وافیہ"(مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، "تقریب"(مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، "تہذیب"(مرقومہ ۱۳۳۵ھ)، "القصر المبنی علی بناء المغنی " (مرقومہ ۱۳۳۶ھ)، "تحفۃ الاحباب فی فتح الباب " (مرقومہ ۱۳۳۶ھ)، " نظم المبانی فی حروف المعانی"(مرقومہ ۱۳۳۶ھ)، " تحفۃ الاحبار فی احوال الاخیار "(مرقومہ ۱۳۳۷ھ)، " الاکسیر فی علم التفسیر "(مرقومہ ۱۳۳۷ھ)، " سرور المحزون فی صبر عن نور العیون " (مرقومہ ۱۳۳۸ھ)، " ھادی الھداۃ ترک الموالات "(مرقومہ ۱۳۳۹ھ)، " الاصلاح لاغلاط الایضاح " (مرقومہ ۱۳۳۹ھ)، " سلم الافلاک "(مرقومہ ۱۳۴۰ھ)، " نصرۃ الاحباب باقسام ایصال الثواب "(ط ۱۳۵۴ھ شمسی پریس پٹنہ ص ۱۲۲)، "شجم الاکثرہ"، "المجمل المقدز"، "تنویر السراج" وغیرہا

ملک العلماء حضرت ظفر الدین المعروف بہ فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ بہار کے ملک برادری کے چشم و چراغ تھے علم ودانش میں اس برادری کو بڑی شہرت حاصل ہے جو حضرت سید ابراہیم ملک بیاؒ سے نسبی تعلق کے مدعی ہیں۔ حضرت سید ابراہیم ملک بیاؒ سلطان محمد تغلق کی فوج میں سپہ سالار تھے۔ اہل بہار آپ کو صوفی بزرگ کا درجہ دیتے ہیں۔ آپ ہی بہار تشریف لائے تھے۔ ملک برادری کا یہ واحد شجرہ نسب راقم السطور کو مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی صاحب کی کتاب "تذکرہ علمائے بہار" سے حاصل ہوا جو حضرت مولانا فاضل بہاری سے حضرت سید ابراہیم

ملک بیاؒ تک تسلسل کے ساتھ منتہی ہے۔

ملک العلماء محمد ظفر الدین قادری بن منشی محمد عبدالرزاق بن کرامت علی بن غلام قادر بن ملک سعادت یار بن ملک تاتار بن ملک بہاء الدین بن محمد اسماعیل بن اللہ داد بن ملک غلام محی الدین عرف گدانا بن ملک خطاب بن علاء الدین بن علاء الملک بن داؤد بن حضرت سید ابراہیم ملک بیاؒ بن سید ابوبکر بن سید ابوالقاسم عبداللہ بن سید محمد فاروق بن سید ابومنصور عبدالسلام بن عبدالوہاب بن حضرت سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تا حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ۔

سید محمد آل حسن ابراہیمی (''ریاض النعیم'' مولفہ ملک محمد نعیم مرحوم کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں) ''جناب محمد اظہار الحق ملک کی شادی جناب مولانا ملک ظفر صاحب ساکن موضع میجرا ضلع پٹنہ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ بریلوی مسلک کے مولانا ظفر اعلیٰ درجہ کے مقرر اور میلاد خواں تھے، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں ایک عرصہ تک مدرس رہے۔ اظہار الحق صاحب کے سالے جناب ڈاکٹر ملک محمد مختار آرزو علیگ ہیں۔ وہیں علی گڑھ میں عربی کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ رہے۔ اب ریٹائر ہو کر علی گڑھ ہی میں بس گئے ہیں۔'' مندرجہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا محمد ظفر الدین فاضل بہاری کے ایک صاحبزادے ہیں جن کا پورا نام ڈاکٹر محمد مختار الدین آرزو ہے۔ علی گڑھ یونی ورسٹی میں صدر شعبہ عربی کے تھے۔ بڑے نامور محقق، دانشور، شاعر، ادیب اور ماہر تعلیمات ہیں۔ مستقل قیام علی گڑھ میں ہے۔ مولانا کی ایک صاحبزادی کا بھی پتہ چلتا ہے جو جناب محمد اظہار الحق صاحب سے منسوب ہیں۔ مولانا کے داماد محمد اظہار الحق صاحب علی گڑھ یونی ورسٹی میں رجسٹرار تھے۔ صاحب اولاد ہیں مستقل رہائش علی گڑھ میں ہے۔

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین فاضل بہاریؒ نے ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو وصال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ محلہ شاہ گنج عظیم آباد، پٹنہ-۶ میں آسودۂ خاک ہیں۔ حضرت شاہ محمد ایوب بہاری نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مولانا کو شاہ صاحب سے بیعت و ارادت بھی تھا۔

افسوس اتنے بڑے داعی اسلام، مبلغ اور عاشق رسول خدا حضرت مولانا محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمۃ پر اب تک کوئی کتاب تالیف نہ کی جا سکی۔ زیر نظر مختصر سا تذکرہ لکھتے وقت مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمت و طاقت دی تو انشاء اللہ حضرت پر ایک الگ کتاب مرتب کرنے کی نیت ہے۔ اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں راقم سے تعاون فرمائیں اور معاون و مددگار ہوں۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

برصغیر پاک وہند میں چودھویں صدی ہجری کے سب سے بڑے خطیب اور شعلہ بیاں مقرر حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بروز جمعہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۱ء کو شہر عظیم آباد پٹنہ، صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نے آپ کا نام سید عطاء اللہ رکھا۔ اور آپ کے نانا سید احمد اندرابی عظیم آبادی نے حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری قدس سرہ کی نسبت سے شرف الدین نام عطا کیا۔ لیکن آپ نے عطاء اللہ شاہ بخاری کے نام سے شہرت پائی۔ آپ نے اپنے وطن و مولد پٹنہ میں آنکھ کھولی۔ والدہ محترمہ نے بچپن ہی میں وصال فرمایا اور نانا، نانی کی زیر سرپرستی پرورش پائی۔ بچپن سے جوانی تک اسی شہر عظیم آباد، پٹنہ سے وابستہ رہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور نانا بزرگوار سے حاصل کی اور ادب اور زباں دانی میں مہارت تامہ حاصل کیا۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا خاندان بخارا کا تھا۔ آپ کے اجداد بخارا سے کشمیر آئے۔ کشمیر سے دہلی اور دہلی سے پنجاب گئے اور پھر بہار میں آ کر آباد ہوئے۔ آپ کا ننہیال اندرابی سادات سے ہے۔ آپ کے پرنانا میر سید عبدالسبحان اندرابی بھی کشمیر سے پٹنہ جا کر بس گئے تھے۔ آپ کی نانی محترمہ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ کی نواسی تھیں۔ اس طرح خاندانی نجابت و شرافت آپ کو قدرت سے ورثہ میں ملی تھی۔ جناب سید بدرالدین احمد مرحوم اپنی کتاب "حقیقت بھی کہانی بھی" میں تحریر کرتے ہیں:

"غالباً ۱۸۸۰ء اور ۱۸۸۵ء کے لگ بھگ ایک بزرگ تجارت کے سلسلہ میں صوبہ پنجاب کے ضلع گجرات سے پٹنہ آئے۔۔۔۔۔ان کی تجارت کاشمیری شال اور جامہ وار کے علاوہ مشک وزعفران کی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ان کے بھتیجے سید شاہ ضیاء الدین تھے جو حافظ قرآن بھی تھے۔۔۔۔۔۔۔۔دونوں چچا بھتیجے ساتھ ہی رہتے تھے۔ انہیں دنوں محلہ خانہ باغ، پٹنہ میں ایک بزرگ رئیس سید احمد شاہ رہتے تھے۔ ان کا مکان خانہ باغ کہلاتا تھا۔ اور اسی مکان کے نام پر یہ محلہ بھی خانہ باغ کہلانے لگا۔ سید احمد شاہ صاحب نجیب الطرفین سید تھے۔۔۔۔۔۔۔۔غرض سید شاہ ضیاء الدین، سید احمد شاہ کے داماد بن گئے۔ کچھ دنوں بعد سید شاہ ضیاء الدین کی اہلیہ کو ایک لڑکا پیدا ہوا۔" (یعنی حضرت مولانا علیہ الرحمۃ)

"حقیقت بھی کہانی بھی" کے مصنف سید بدر الدین احمد (ایڈوکیٹ) مرحوم اور حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ دونوں بچپن کے ساتھی تھے۔ اور ان کے گھرانوں میں آپس کے برادرانہ تعلقات بھی بڑے مستحکم تھے۔ بدر الدین احمد صاحب مرحوم کے بیان کے مطابق حضرت مولانا حافظ قرآن تھے۔ اور ابتدائی عربی کتابیں اپنے والد سے پڑھ لی تھیں۔ آپ اپنے وقت کے ہنس مکھ، بزلہ سنج اور ملنسار نوجوان تھے۔ دوستوں کی محفل کے جان تھے۔ اس لئے آپ کے والد کے دوستوں میں خان بہادر سید ضمیر الدین احمد صاحب مرحوم کے گھرانے کے نوجوانوں سے آپ کے بڑے گہرے اور دوستانہ مراسم ہوگئے تھے۔ آپ خان بہادر صاحب کے گھر کے ایک فرد سمجھے جاتے تھے۔ جس کی تفصیلیں جناب سید بدرالدین احمد بن خان بہادر سید ضمیر الدین احمد نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور نانا جان سے حاصل کی اور خواجہ عنبر کی مسجد، پٹنہ میں قاری سید عمر

عاصم عربی سے قرأت سیکھی۔ آپ تقریباً اکیس سال کی عمر میں صوبہ بہار سے امرتسر منتقل ہوئے۔ سید بدر الدین احمد ایڈووکیٹ۔ پٹنہ، حضرت مولانا سے اپنے تعلقات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"..........معلوم ہوا کہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری پٹنہ آئے ہوئے ہیں۔ اور ان کی بصیرت افروز تقریر دو ایک جگہ ہوئی جس میں لوگوں کا بڑا مجمع تھا۔ اور ایک تقریر اسی دن پٹنہ سٹی کی جامع مسجد مدرسہ میں رات میں ہوگی۔ یہ ۱۹۲۱ء کا زمانہ تھا۔ جبکہ عدم تعاون کا ہر طرف چرچا تھا۔ اور اسکول و کالج کی تعلیم کا طلباء بائیکاٹ کررہے تھے۔ اس خبر کو کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری پٹنہ آئے ہوئے ہیں کچھ ہی دیر گزری تھی کہ والد صاحب مرحوم کا ملازم خاص مجھے ان کے کمرے میں بلانے کے لئے آیا۔ جب میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک مولانا نما گیم شحیم بزرگ بیٹھے ہیں۔ چہرے پر درمیانی درجے کی داڑھی ہے۔ کھادی کا کرتہ اور اسی کا پائجامہ ہے اور سر پر چپکی ہوئی کھادی کی گول ٹوپی۔ مجھے دیکھ کر والد مرحوم نے ان حضرت سے کہا لو میاں بدر الدین آگئے۔ اب مولانا میری طرف چلے تو بڑی حد تک چہرہ جانا پہچانا نظر آیا۔ وہ لپک کر اٹھے اور مجھے بغل میں داب کر تقریباً زمین سے ایک فٹ اونچا اٹھا لیا اور میرا بھائی میرا بھائی کہتے ہوئے میری ہڈیاں پسلیاں چورنے لگے۔ بعد میں جب ان کو خود احساس ہوا کہ وہ مجھے زور سے بھینچے ہوئے ہیں۔ تو ہنس کر چھوڑ دیا۔ اب میں نے بغور دیکھا تو عطاء اللہ تو غائب تھے۔ یہاں مولانا سید شاہ عطاء اللہ بخاری بیٹھے ہوئے ہیں۔ چہرے کا کھلنڈرا پن صاف ہوچکا تھا۔ پیشانی پر سنجیدگی کی شکنیں تھیں، داڑھی شرعی حد میں تھی۔ مگر ہونٹوں کی مسکراہٹ اور آنکھ کی چمک یہ کہہ رہی تھی کہ ہم وہی عطاء اللہ ہیں جو پہلے تھے.......دن بھر میرے یہاں رہے۔ پانچ چھ برس بعد مولانا عطاء اللہ شاہ پھر اپنے دورے پر پٹنہ آئے۔ اس وقت ملک کی آزادی کی پکار بڑھ گئی تھی اور سیاست اب عوام میں رچ بس رہی تھی۔ اس دفعہ پٹنہ میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کا استقبال بڑی شد و مد سے ہوا۔ جوق در جوق لوگ ان سے ملاقات کرنے اور ان کی تقریر سننے کو امڈ پڑتے تھے۔ تقریر ایسی ہوتی تھی کہ گھنٹوں سنتے رہیے مگر سیری نہ ہو۔ روتوں کو ہنسا دیں، ہنستوں کو رلا دیں اور چاہیں تو پانی میں آگ لگا دیں.........یہ جب بھی پٹنہ آتے تو یہاں کی تقریر میں اپنے پیارے پٹنہ کی روداد سناتے۔ یہاں کے لوگوں کا ہر تذکرہ بڑی محبت اور احترام سے کرتے۔"

جناب اعجاز احمد خان سنگھانوی صاحب کی تحریر کے مطابق حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تفسیر مولانا نور احمد صاحب سے پڑھی، فقہ اور اصول فقہ حضرت مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی قدس سرہ سے حاصل کی اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن سے حدیث پڑھی۔ اس طرح آپ حافظ قرآن، مستند عالم دین اور خوش الحان قاری تھے۔ لیکن آپ نے دشمنان اسلام کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا۔ اور بیک وقت تین محاذوں پر اسلام کے لئے تقریری جہاد کیا۔ ایک طرف آپ انگریزوں سے آزادی کی جنگ لڑرہے تھے، دوسری طرف قادیانیوں سے برسر پیکار تھے اور تیسری طرف متشدد آریہ سماج سے تکرار ہے تھے۔ اللہ کے فضل و کرم سے آپ نے تینوں محاذوں میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔

بہار چھوڑنے کے بعد آپ نے امرتسر کی ایک چھوٹی سی مسجد میں امام اور خطیب کی حیثیت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اور بہت مختصر سے عرصہ میں ایک واعظ و ناصح اور شعلہ بیان مقرر کی حیثیت سے شہرت حاصل کرلی۔ جلیاں والہ باغ کے واقع، انگریزوں کی

سازش سے اسلامی دنیا کی تقسیم وبربادی اور ہندوستان میں خود مسلمانوں کے اندر غیر اسلامی رسم ورواج اور پھر فرنگیوں کی غلامی نے حضرت شاہ صاحب کو بے چین کر رکھا تھا۔آپ کے اندر انگریزوں کے خلاف ایک انتقامی جذبہ بھڑک اٹھا اور آپ تن وتنہا میدان کارزار میں کود پڑے۔اب آپ ایک مذہبی واعظ بھی تھے اور سیاسی مقرر بھی۔اپنی صحت اور مستقبل سے بے نیاز ہوکر اپنی زندگی کے چالیس سال صرف کردیئے۔اس عرصہ میں انگریزوں کو آپ نے ناکوں چنے چبوائے،مرزائیت کو شکست فاش دی،رافضیوں کی سازشوں کا پردہ چاک کیا اور آریہ سماج کو ہمیشہ کے لئے خاموش کردیا۔کئی بار جیل کی تاریک کوٹھریوں میں بند کئے گئے۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک دردمند دل عطا کیا تھا۔ایک طرف آپ محفلوں اور جلسوں کے روح رواں اور بڑے بڑے لاکھوں کے جلسہ گاہوں کے بے مثل مقرر تھے تو دوسری طرف آپ کا دل خشیت الٰہی اور حب رسول ﷺ سے سرشار تھا۔اللہ کے برگزیدہ بندوں اور صوفیائے کرام کی صحبتوں سے بھی فیض یاب ہورہے تھے۔آپ حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے جہاں سے قرآنی وردو وظائف کی اجازت حاصل ہوئی۔حضرت پیر صاحب کے وصال کے بعد آپ نے حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ سے تجدید بیعت کیا اور اجازت وخلافت سے مشرف کئے گئے۔کہا جاتا ہے کہ جب حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو آپ کے پیر حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فقیر منش اور درویش صفت انسان تھے۔سنت رسول مقبول ﷺ کا ایسا خیال تھا کہ ساری زندگی تہبند استعمال کیا۔موٹا جھوٹا پہنتے اور ساگ ستو پر گزر کرتے تھے۔کبھی زمین پر سورہتے اور کبھی بغیر بستر کی چارپائی پر پڑ رہتے۔ساری زندگی کرائے کے مکان میں گزار دی۔قید وبند سے کبھی نہ گھبرائے۔بلکہ جیل میں اپنے ساتھیوں کی محفل جماتے۔ان کے حوصلے کو برقرار رکھتے۔آپ کی آواز بڑی زوردار اور بلند تھی۔آپ کے زمانہ میں اکثر لاؤڈ اسپیکر نہیں ہوتا تھا۔لیکن لاکھوں کے مجمع نے کبھی یہ شکایت نہیں کی کہ آپ کی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔آپ گھنٹوں روانی اور تسلسل سے باآواز بلند تقریر کرتے۔آپ کی موجودگی میں بڑے بڑے منجھے ہوئے مقرر کا بھی رنگ نہ جمتا تھا۔ایک دن مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا:"بخاری! تو نے لوگوں کو اپنی تقریروں کا پلاؤ قورمہ کھلا کھلا کر ان کا دماغ خراب کردیا ہے۔ارے ظالم! اس کے بعد ہمارے ساگ ستو کو کون پوچھے گا۔"

علامہ انور شاہ کشمیری کا ارشاد ہے:"ایسا خطیب کبھی نہیں دیکھا۔کہ روتوں کو ہنسادے اور ہنستوں کو رلادے۔مرزا قادیانی کے خلاف ان کی ایک تقریر وہ کام کرتی ہے جو ہماری پوری تصنیف نہیں کرسکتی۔"

حضرت مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں:"ان کا دل صرف اسلام کے لئے دھڑکتا ہے۔"

علامہ شبیر احمد عثمانی کا قول ہے:"آج عطاء اللہ شاہ نے حق تبلیغ ادا کردیا۔"

تحریک امارت شرعیہ کی بنیاد صوبہ بہار میں ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں مولانا ابو المحاسن محمد سجاد قدس سرہ نے رکھی اور بہار میں اس کے پہلے امیر حضرت سید شاہ بدر الدین قادری پھلواروی قدس سرہ ہوئے۔اس تحریک کو صوبہ پنجاب میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جاری کیا۔پنجاب میں تحریک امارت شرعیہ کے آپ پہلے اور آخری امیر تھے۔بہار میں آج تک امارت شرعیہ کامیابی سے چل

رہا ہے۔ تقسیم کے بعد بھارت کے دوسرے صوبہ کے مسلمانوں نے بھی اس تحریک کی اہمیت کو محسوس کیا ہے اور دیر سے سہی اس کی شاخیں قائم کی گئیں۔ اے کاش ہندوستان کے تمام مسلمان شروع ہی میں اس کا احساس کر لیتے اور مولانا سجاد قدس سرہ کی قیادت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کا ساتھ دیتے تو آج وہاں مسلمانوں کے دینی اور مذہبی بے بسی کا یہ عالم نہ ہوتا جو اس وقت ہے۔ اگر علمائے پاکستان اپنے ملک میں نظام اسلامی کے سلسلہ میں بے خلوص ہیں تو امارت شرعیہ بہار سے بنی بنائی شریعت محمدی ﷺ حاصل کر لیں۔ وہاں کی قیادت دینی سے رہنمائی لیں، مشورے کریں اور اس تحریک کو اپنی ہی تحریک سمجھیں۔ بقول حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد:

"مسلمانوں کو جس چیز کی ضرورت ہے اور حصول سوراج کے بعد بھی ضرورت ہوگی یہی نظام اسلامی یعنی "امارت شرعیہ" ہوگی۔"

بہار کا پہلا مسلمان حکمراں

محمد بن بختیار خلجی

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام جہانوں اور مخلوقات کا خالق ہے۔ یہ حسین و خوبصورت دنیا اس کی حکمت و کاریگری و صناعی کی اپنی آپ مثال ہے۔ اس کی ان گنت مخلوقات میں انسان سب سے افضل اور اشرف المخلوقات ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ "خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" "میں نے اپنے ہاتھ سے (انسان کو) بنایا۔" (سورۃ ص : ۷۵)

۲۔ "وَ نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِي" "اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی۔" (سورۃ ص : ۷۲)

۳۔ "يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهُ" "میں اس سے (انسان سے) محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" (سورۃ مائدہ : ۵۴)

۴۔ "وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً" "اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجوں گا۔" (سورۃ البقرۃ : ۳۰)

۵۔ "اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا" "فرشتوں کو حکم ہوا آدم کو سجدہ کرو۔" (سورۃ البقرۃ : ۳۰)

تخلیق کائنات اور اولاد آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب اور خلیفہ اس لیے بنایا تھا کہ یہاں صرف اور صرف اسی کی عبادت اور پرستش کی جائے۔ اس کے پیارے حبیب ﷺ کا ذکر بلند کیا جائے۔ انسان احسن طریقہ پر خلافت کا کام انجام دے۔ نیکی پروان چڑھے اور بدی مٹ جائے۔ امن و آشتی کو فروغ ملے اور شر و فساد فرو ہو۔ اس کی عطا کردہ ظاہری و باطنی وسائل کے ذریعہ انسانی زندگی کو سہل اور آسان بنایا جائے۔ ظلم و ستم کا خاتمہ اور عدل و انصاف کی حکمرانی یقینی ہو۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے۔ اور انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنی آخری کتاب قرآن اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل فرمائی۔ کتاب اور سنت محمدی ﷺ مکمل لائحہ عمل ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآء ہو سکتا ہے۔

اللہ کا باغی اور اولاد آدم کا ازلی دشمن ابلیس، غرور، تکبر اور حسد میں آکر راندئہ درگاہ خداوندی ہوا۔ تخلیق آدم سے وہ اس کوشش میں لگا ہے اور تاقیامت اس کا یہی منشاء ہے کہ انسان سے احکام خداوندی کی خلاف ورزی اور پیروی رسول ﷺ میں کوتاہی ہو۔ انسان ناکام خلیفہ بن کر بحیثیت مجرم اللہ کے حضور حاضر ہو۔ اس طرح وہ انسانوں ہی میں سے اپنا چیلہ بناتا ہے۔ جو ابلیس کے شیطانی عمل میں شامل ہوتے ہیں۔

تاریخ و سیر کی کتابوں میں ہم بکثرت ایسی برگزیدہ اور متبرک انسانی شخصیات کو دیکھتے ہیں جنہوں نے انسان اور تخلیق کائنات کو سمجھا اور دنیا کی تمام مخلوقات کی فلاح کی راہیں متعین کرنے کی جدوجہد کی۔ آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، لقمان علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ، خلفائے راشدین، دیگر عشرہ

مبشرہ، اصحاب بدر و حنین، حضرات حسنین، عزیز مصر، بی بی آسیہ، شاہ حبشہ، فقہائے سبعہ، تابعین عظام، حضرت عمر بن عبدالعزیز، ائمہ اربعہ، محدثین کرام، محمد بن قاسم، سلطان صلاح الدین ایوبی، ناصر الدین محمود بن التمش، سلطان محمود غزنوی، محمد بن بختیار خلجی، شیر شاہ سوری، سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان وغیرھم ابلیس اور اس کے چیلوں فرعون، نمرود، ہامان، قارون، مسیلمہ کذاب، ابوجہل، ابولہب، خسرو پرویز، یزید، ابن زیاد، ناصر الدین باللہ، ابو منصور قاہر باللہ، چنگیز خان، ہلاکو خان، میر صادق، میر جعفر، مرزا قادیانی وغیرھم سے نبرد آزما رہے۔

ظہور اسلام کے بعد اللہ جل شانہ کا پیغام امن جس تیزی سے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا اور نیک صفت، شجاع اور عادل و منصف حکمرانوں نے روشن کرنیں فروزاں کیں اس سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ برصغیر میں مسلمانوں کی عملداری سندھ کے علاقہ مکران اور دیبل کے ساحل تک حضرت عمرؓ کے زمانہ ہی میں حضرت حکم بن عمروؓ کے ہاتھوں (۶۴۴ھ) قائم ہو چکی تھی۔ پھر محمد بن قاسم نے پورے سندھ اور ملتان تک اسلامی پرچم لہرایا اور عدل و انصاف کا انمٹ نشان چھوڑ گیا۔ اس کے بعد غزنویوں اور غوریوں کے حملے ہوتے رہے اور صوفیوں اور مبلغین اسلام کی آمد کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا۔ لوگ جوق در جوق اسلام کا پیغام محبت قبول کرنے لگے۔ سلطان محمود غزنوی کے بھانجے سالار مسعود جو ایک بہادر جرنل بھی تھے اور صوفی بزرگ بھی اپنی جماعت کے ہمراہ بنارس تک جا پہنچے۔ ان کی شہادت اور بہرائچ میں مدفون ہونے کے بعد ان کی جماعت کے مجاہدین اور مبلغین شمالی ہندوستان اور بہار و بنگال میں پھیل گئے۔

بہار میں اسلام کا پہلا مبلغ:

مقامی تاریخ و تذکروں اور بہار کی خانقاہوں کے سفینوں میں مرقوم ہے کہ سب سے پہلے بہار میں مبلغ اسلام حضرت مخدوم عارف مومن پیٹنیؒ نے اسلام کی تبلیغی ذمہ داریوں کو انجام دیا۔ پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حضرت امام محمد تاج فقیہ ؒ کو ہندوستان میں مگدھ ویشی (علاقہ بہار) کی ریاست منیر کے راجہ منیر رائے کے ظلم و ستم سے آگاہ کیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے "شرفا کی نگری" حصہ اول اور "تاریخ کے گمشدہ اوراق")

بہار کا پہلا مسلمان فاتح:

حضرت امام محمد تاج فقیہ قدس سرہ ایک چھوٹی سی جماعت، حضرت عارف مومن اور ایک بہادر جرنل قطب سالار ربانی حضرت خواجہ بدرالدینؒ کے ساتھ منیر شریف میں جلوہ افروز ہوئے۔ راجہ منیر رائے سے جنگ ہوئی۔ راجہ مارا گیا اور علاقہ بہار کی ایک اہم ریاست منیر ۵۷۶ھ میں فتح ہوئی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے "شرفا کی نگری" حصہ اول اور "تاریخ کے گمشدہ اوراق")

فتح بہار کا پہلا مسلمان جنرل:

فاتح بہار حضرت امام محمد تاج فقیہ قدس سرہ کی فوج کے سپہ سالار حضرت قطب سالار ربانی خواجہ بدرالدین تھے۔ ۵۷۶ھ کو منیر اور اس کے اطراف میں کئی جنگی معرکے آپ نے سر انجام دیئے۔ اسی طرح مگدھ ویشی (علاقہ بہار) کا شہر منیر شریف اسلام کا پہلا مرکز بنا۔ حضرت خواجہ بدرالدین اپنے اہل خانہ اور خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ منیر شریف سے متصل ایک مقام موضع مہدانواں میں مستقل طور پر

مقیم ہوگئے۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ آپ کے ورثاء صوبہ بہار کے دوسرے مقامات مثلاً محلہ صادق پور و محلہ حمو پیہ عظیم آباد پٹنہ، موضع سرانڈی اور ضلع چھپرہ وغیرہ میں آباد ہوتے گئے۔ آپ حضرت جعفر طیار کی اولاد سے تھے۔ آپ کا مکمل نسب نامہ جناب سید اسید علی انجم چھپروی ساکن کراچی نے ایک کتابچہ بنام "انساب جعفری زینبی" میں تحریر کر دیا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔ حضرت خواجہ قطب سالار بدر الدین جعفری الزینبی اور ان کے ورثا کے سلسلہ میں تفصیلی معلومات "تذکرہ صادقہ" مولفہ مولانا عبد الرحیم صاحب صادق پوری میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

علی اسید انجم بن علامہ علی اصغر بن مولوی عبد الستار بن مولوی اظہر حسین (وکیل چھپرہ) بن قاضی واحد علی بن شاہ رمضان علی بن شیخ غلام علی بن شیخ محمد فاضل ساکن سرانڈی بن شیخ دوست محمد بن شیخ حمزہ بن شیخ جمال الدین بن شیخ معز الدین بن شیخ عثمان بن شیخ مظفر بن سالار خواجہ مرسل بن خواجہ سالار فرید بن سالار خواجہ احمد بن سالار خواجہ محمد بن سالار خواجہ سکندر بن سالار خواجہ حیدر بن سالار خواجہ صدر الدین بن سالار قطب ربانی خواجہ بدر الدین (سالار فوج حضرت امام محمد تاج فقیہ۔ فاتح منیر) بن قاضی عبد الرحمان بن قاضی نجیب الدین بن قاضی رفیع الدین بن شیخ نصر اللہ بن شیخ ابراہیم بن شیخ نصیر الدین صوفی بن شیخ خلیل الدین بن شیخ محی الدین بن شیخ شہاب الدین بن خواجہ سلطان شاہ بن خواجہ عبد الرحمان بن شیخ محمد یحییٰ بن شیخ ابو القاسم بن شیخ ابو اکرام بن شیخ ابو القاسم بن شیخ عبد اللہ بن حضرت جعفر طیار برادر عم رسول مقبول ﷺ۔

جس زمانہ میں شہر منیر شریف میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد منیری الفردوسی قدس سرہ کے والد حضرت سلطان المخدوم شیخ یحییٰ سہروردی بن شیخ اسرائیل بن امام محمد تاج فقیہ جلوہ افروز تھے اسی زمانہ میں بہار و بنگال کا پہلا حکمران اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی وارد ہندوستان ہوا۔

محمد بن بختیار خلجی:

بہار و بنگال کی مشترکہ پہلی بڑی ریاست کے پہلے مسلمان حکمران کا نام محمد تھا اور خطاب اختیار الدین۔ اس طرح اس کا پورا نام اختیار الدین محمد تھا۔ یہ ایک خلجی قبیلہ کے فرد بختیار الدین کا بیٹا تھا۔ اس لئے تاریخ میں محمد بن بختیار خلجی کے نام سے شہرت دوام حاصل کی۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ترک بن یافث کے گیارہ بیٹے تھے۔ سب سے چھوٹے بیٹے کا نام خلج تھا۔ ترک کے نام پر ملک ترکستان (ترکی) آباد ہوا۔ ترکستان میں خلج کے نام پر ایک بستی خلج ہے۔ اسی بستی میں خلجی قبیلہ آباد تھا۔ خلجی قبیلہ کے افراد بڑے بہادر، جری اور پیشہ سپہ گری کا رکھتے تھے۔ بعد میں یہ قبیلہ غزنی، غور اور افغانستان میں آباد ہوتا گیا۔ اور فوجی کارناموں کی وجہ سے ان علاقوں میں نام پیدا کیا۔ غزنی میں محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور دوسری ریاستوں میں خلجیوں نے فوجی ملازمتیں حاصل کیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں لکھا ہے کہ محمود غزنوی کی فوج میں خلجی بڑی تعداد میں موجود تھے اور وہ سلطان کی فوج کے ساتھ ہندوستان بھی پہنچے۔ محمد بن بختیار خلجی کا خاندان معززین میں شمار ہوتا تھا۔ اس خاندان کے افراد نے اپنی بہادری اور فوجی حکمت عملی کی وجہ سے بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ چنانچہ ہندوستان

کے پہلے حملے کے موقع پر پرتھوی راج سے جنگ کرتے ہوئے جب سلطان شہاب الدین غوری زخمی ہو کر گرنے لگا تو ایک خلجی سردار ہی اس کو اپنے گھوڑے پر بٹھا کر میدان جنگ سے بچا کر نکال لے گیا۔ خود محمد بن بختیار خلجی کا چچا غزنی سے ہندوستان آیا اور کسی علاقہ کا کمشنر رہ چکا تھا۔ محمد بن بختیار خلجی فوجی تعلیم و تربیت سے مرصع تھا۔ اس کے جسم کی بناوٹ بھی عام انسانوں سے کچھ الگ اور نرالی تھی۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب وہ اپنے دونوں ہاتھ سیدھے چھوڑ دیتا تھا تو ہاتھوں کی ہتھیلیاں گھٹنوں تک پہنچ جاتی تھیں۔ اپنے ہاتھوں کی غیر معمولی لمبائی سے وہ جنگ میں خوب فائدہ اٹھایا کرتا۔

محمد بن بختیار خلجی جب سن شعور کو پہنچا تو قسمت آزمائی کے لیے اپنے گھر غور سے نکل کھڑا ہوا۔ پہلے غزنی سلطان شہاب الدین غوری کے دربار میں پہنچا۔ لیکن قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔ اور کوئی خاطر خواہ کامیابی ہوتی نظر نہ آئی۔ آخر اس نے ہندوستان کا رخ کیا۔ ۵۹۰ھ میں دہلی پہنچا۔ یہاں بھی کوئی اچھی ملازمت محکمہ دیوانی میں نہ ملی۔ دہلی سے بدایوں گیا اور وہاں کے صوبیدار سپہ سالار ہزبر الدین حسن نے اس کو اپنے ملازموں میں شامل کر لیا۔ یہ بڑے حوصلے و ہمت کا نوجوان تھا۔ پے در پے ناکامیوں کے باوجود اس نے ہمت نہیں ہاری۔ بدایوں میں وہ اپنی ملازمت سے مطمئن نہیں تھا۔ اس لئے خوب سے خوب تر کی تلاش میں لگا رہا۔ آخر ۵۹۱ھ مطابق ۱۱۹۴ء میں بدایوں سے نکل کر اودھ جا پہنچا۔ اس وقت اودھ کا گورنر ملک حسام الدین اغلبک تھا۔ جو سلطان شہاب الدین غوری کا خاص امیر تھا۔ اور بنارس میں مقیم تھا۔ محمد بن بختیار خلجی کو بنارس میں امیر ملک حسام الدین اغلبک کے یہاں اچھی ملازمت مل گئی اور اپنی بہادری و کارکردگی کے جوہر دکھانے کا خوب موقع ملا۔ ملک اغلبک نے خوش ہو کر اپنے جاگیر کے پرگنوں میں سے بھیالی اور کنپلہ نامی دو پرگنے اس کے حوالے کر دیے۔ محمد بن بختیار خلجی نے اپنی اس نئی ذمہ داری کو احسن طریقہ سے انجام دیا۔ اب اس کی حالت و حیثیت بہتر ہوئی تو اس نے بہادر نوجوانوں کا ایک رسالہ تیار کیا اور سامان حرب بھی کافی جمع کیے۔ اسے اچھی فوجی قوت حاصل ہو گئی اور اس نے قرب و جوار کے راجوں اور حکمرانوں خاص طور پر مگدھ دیش (بہار کے علاقوں) پر حملوں کا سلسلہ شروع کیا اور ہر معرکے میں کامیابی حاصل ہوتی گئی۔ نتیجے کے طور پر پورے ہندوستان میں اس کی بہادری و جوانمردی کے چرچے ہونے لگے۔ جب سلطان دہلی قطب الدین ایبک نے محمد بن بختیار خلجی کی شجاعت و بہادری اور کامیابیوں کا حال سنا تو خوش ہو کر ایک خلعت اور علم شاہی بھیج کر اس کی ہمت افزائی کی۔

فتح بہار شریف:

مگدھ دیش اپنے بکثرت وہیار وں (خانقاہوں) اور تعلیمی اداروں کی بنا پر وہیار کے نام سے مشہور ہوا اور کثرت استعمال سے بہار ہو گیا۔ صوبہ بہار میں ایک شہر کا نام اس وقت بہار شریف ہے۔ محمد بن بختیار خلجی کے زمانہ میں مگدھ دیش (موجودہ صوبہ بہار) میں کئی بڑی اور مشہور ریاستیں تھیں جن میں ایک اہم ریاست کا مالک راجہ اندر من دیو پال تھا اور اس کی ریاست کی راجدھانی شہر بہار (موجودہ شہر بہار شریف) تھا۔ محمد بن بختیار خلجی نے پوری تیاری کے ساتھ راجہ دیو پال کی ریاست کی طرف پیش قدمی کی۔ راجہ خلجی کے نام سے خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا اور روپوش ہو گیا۔ راجدھانی شہر بہار کے امراء، رؤساء، وزراء، علماء اور راجہ کے فوجی مع عوام کے راجدھانی سے ایک میل دور نالندہ یونیورسٹی کے فصیل کے اندر قلعہ بند ہو گئے۔ جو اپنے وقت کی ایک قلعہ نما عمارت تھی۔ محمد بن بختیار خلجی نے اپنے دو سو سواروں کے ساتھ نالندہ یونیورسٹی کی

فصیل پر حملہ کیا۔ اس جنگ میں فوجیوں کے علاوہ تمام بدھ بھکشو (مذہبی علماء اور دانشور) مارے گئے۔ اس طرح مگدھ دیش کی ایک بڑی ریاست شہر بہار اور مشہور زمانہ نالندہ یونی ورسٹی کی قلعہ نما عمارت ۵۹۹ھ میں محمد بن بختیار خلجی کے قبضہ میں آ گیا۔ وہ بے شمار قیمتی مال غنیمت کے ساتھ سلطان دہلی کے حضور حاضری کے خیال سے روانہ ہوا۔ میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ مگدھ دیش (علاقہ بہار) کی ایک اہم ریاست منیر شریف ۵۷۶ھ میں ایک صوفی اور فقیہ مجاہد حضرت امام محمد تاج فقیہ کے ہاتھوں مسلمانوں کے زیر نگیں آ چکا تھا اور اس وقت وہاں حضرت مخدوم شیخ یحییٰ بن اسرائیل بن حضرت امام محمد تاج فقیہ "عوام کے دلوں پر حکومت کر رہے تھے۔ حضرت مخدوم شیخ یحییٰ کو جب خبر ملی کہ محمد بن بختیار خلجی راجہ دیو پال کی ریاست سے کامیاب لوٹ رہا ہے۔ تو آپ نے سلیقی کو بڑھ کر منیر کی ریاست بھی اس کے حوالے کر دی اور خود عبادت و ریاضت اور رشد و ہدایت خلق میں مشغول ہو گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے "شرفا کی نگری" حصہ اول اور "تاریخ کے گمشدہ اوراق")

محمد بن بختیار خلجی اب مگدھ دیش کے (صوبہ بہار کے) تقریباً پورے علاقے کا حکمراں تھا۔ وہ کثیر قیمتی مال غنیمت لے کر سلطان قطب الدین ایبک کی ملاقات کے لئے دہلی کو روانہ ہوا۔ اس وقت سلطان کالنجر اور کاپی کی مہم سر کر کے واپس ہو رہا تھا اور بدایوں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ محمد بن بختیار خلجی موقع غنیمت جان کر بدایوں ہی میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور بہار کی فتح کے نتیجے میں حاصل شدہ قیمتی مال و جواہر اس کے حضور پیش کیا۔ سلطان قطب الدین ایبک خلجی کے کارناموں اور مرتبہ و سلطان سے فرماں برداری کے جذبے سے بہت خوش ہوا اور اس کو اپنے ساتھ دہلی لا کر ایک بڑا دربار اور جشن منعقد کیا۔ اس واقع کو محمد قاسم فرشتہ نے اپنی کتاب "تاریخ فرشتہ" میں بڑے مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"اس عظیم الشان فتح کے بعد محمد بن بختیار خلجی بے شمار مال غنیمت لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ اور یہ تمام سامان سلطان قطب الدین ایبک کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان ایبک محمد بختیار سے بڑی اچھی طرح پیش آیا اور اس پر شاہانہ نوازشیں کیں۔ دہلی میں محمد بختیار کی ایسی آؤ بھگت ہوئی کہ اس کے تمام معاصرین (امراء دربار دہلی) اس سے جلنے اور رشک کرنے لگے...... ان حاسدین نے...... ایک روز موقع پا کر سلطان قطب الدین ایبک سے یہ کہا کہ محمد بختیار کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ مست ہاتھی سے لڑائی کر سکتا ہے۔ سلطان ایبک نے پہلے تو محمد بختیار کی ہلاکت کے خوف سے اس کا امتحان لینے سے انکار کیا۔ لیکن آخر کار اپنے مقربین دربار کے اصرار پر راضی ہو گیا...... ایک روز سلطان نے دربار عام منعقد کیا جس میں تمام امراء اور اراکین سلطنت نے شرکت کی۔ کچھ لوگوں نے بادشاہ کی خدمت میں ایک ہاتھی پیش کیا اور کہا۔ ہندوستان کا کوئی فرد اس (سفید بدمست) ہاتھی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سلطان نے یہ سن کر محمد بختیار سے کہا۔ اگر تمہیں جوانمردی کا دعویٰ ہے تو اس کے سامنے آؤ کیونکہ بہادری کے مظاہرہ کا یہ بہترین موقع ہے۔ محمد بختیار نے اپنی غیرت اور دلیری کی وجہ سے...... ایک گرز اپنے ہاتھ میں لیا اور ہاتھی کے سامنے آیا۔ بختیار نے اپنی پوری طاقت سے ہاتھی کے سونڈ پر دونوں دانتوں کے درمیان گرز کی ایک ضرب لگائی جس سے ہاتھی کو شدید چوٹ آئی۔ اس کے بعد محمد بختیار دوسرا وار کرنے ہی والا تھا کہ ہاتھی چنگھاڑتا ہوا اس کے سامنے سے بھاگ گیا...... چاروں طرف سے نعرہ ہائے تحسین بلند ہونے لگے۔ سلطان قطب الدین ایبک بھی بختیار کی شجاعت و دلیری سے بہت متاثر ہوا۔ بادشاہ نے بختیار کی بہت عزت افزائی کی اور اسے ایک بہت بڑی رقم انعام اور بہت ہی گراں قدر اشیاء تحفے میں دی۔" (اور امراء

دوزرائے دربار سے بھی تحفے دلوائے)۔

محمد بن بختیار خلجی جو اپنے وطن سے دولت و ثروت اور اعلیٰ عہدوں و اقتدار کے حصول کے لئے نکلا تھا۔ لیکن ریاست منیر شریف کے بوریا نشین درویش حضرت سلطان المخدوم شیخ یحییٰ منیری کی ملاقات نے اس کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ وہ تمام ہر قوم و تحائف جو دربار دہلی سے حاصل ہوئی تھی وہیں کھڑے کھڑے ضرورتمندوں میں تقسیم کر دی اور خالی ہاتھ واپس ہوا۔ دہلی سے واپسی پر اس نے سلطان کی خواہش کے مطابق بنگال پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں اور بنگال کے راجہ لکھمنیہ کی راج دھانی نودیا پر ۶۰۰ھ میں حملہ کیا۔ محمد بن بختیار خلجی اپنی فوج کو شہر نودیا سے دور چھوڑ کر صرف اٹھارہ بہادر نوجوانوں کے ساتھ خاموشی سے شہر میں داخل ہوا اور راجہ کے محل تک جا پہنچا۔ محل کے مین دروازے پر پہنچ کر وہ محافظوں کو قتل کرتا ہوا محل میں داخل ہو گیا۔ راجہ لکھمنیہ اس وقت کھانا کھا رہا تھا۔ جب اسے خبر ملی کہ ترک جنرل محمد بن بختیار خلجی محل میں داخل ہو گیا ہے تو وہ گھبرا کر دوسرے دروازے سے نکل کر اڑیسہ بھاگا۔ اور اڑیسہ سے جگن ناتھ پہنچا اور وہیں مر گیا۔ محمد بن بختیار خلجی کا پورے بنگال پر قبضہ ہو گیا۔ "تاریخ فرشتہ" میں لکھا ہے کہ:

"محمد بختیار نے بنگالہ کی سرحد پر شہر نودیا کی جگہ ایک دوسرا شہر آباد کیا اور اس کا نام رنگ پور رکھا۔ بختیار نے اس کو پایہ تخت بنایا۔ اور یہاں بہت سی نئی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ مسجدیں، خانقاہیں اور مدرسے بنوائے۔ ہندو مذہب کی جگہ مذہب اسلام کے احکامات کو رائج کیا۔ ان دنوں بختیار کے ہاتھ میں جو مال غنیمت آیا۔ اس میں سے تمام اعلیٰ اور گراں قدر چیزیں الگ کر لی گئیں۔ بختیار نے ان اشیاء کو سلطان قطب الدین ایبک کی خدمت میں بھجوایا اور اس طرح اپنی پاکیزہ نفسی اور نیک چلنی کو زمانے پر ظاہر کر دیا۔"

راجہ لکھمنیہ و بنگال کا راجہ لکھمنیہ جو محمد بن بختیار خلجی سے بغیر جنگ کے خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا تھا۔ اس کی زندگی کے قصے عجیب و غریب ہیں۔ اس نے اسی سال تک بنگال میں بڑی کامیابی سے حکومت کی۔ محمد بن بختیار خلجی کے حملے کے وقت اس کی عمر اسی سال تھی۔ وہ شکم مادر سے ہی بنگال کا حاکم تھا۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ شکم مادر میں تھا تو اس کے باپ راجہ لکھمن رائے کا انتقال ہو گیا۔ وزراء نے مشورہ کر کے تاج شاہی رانی کے پیٹ پر رکھ دیا۔ جب لکھمنیہ کی پیدائش کا وقت ہوا تو درباری نجومیوں نے زائچہ سے معلوم کیا کہ اگر اس وقت یہ بچہ پیدا ہو گیا تو بڑا منحوس اور بدقسمت ہوگا۔ اور اگر دو گھڑی بعد پیدا ہوگا تو بڑا بانصیب ہوگا اور اسی سال کی عمر تک حکومت کرے گا۔ رانی نے حکم دیا کہ میرے دونوں پاؤں باندھ کر مجھے الٹا لٹکا دو۔ جب منحوس گھڑی گزر جائے تو کھول کر مجھے سیدھا لٹا دیا جائے۔ رانی کے حکم کے مطابق عمل کیا گیا۔ لیکن رانی اپنے بیٹے لکھمنیہ کو جنم دے کر خود فوت ہو گئی۔ نجومیوں اور برہمنوں نے محمد بن بختیار خلجی کے حملے سے بہت پہلے لکھمنیہ کو بتا دیا تھا کہ پرانی ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس ملک بنگالہ کو ترک قبضہ کر لیں گے۔ اس ملک کو قبضہ کرنے والے ترک کی پہچان یہ ہے کہ جب وہ اپنے دونوں ہاتھ چھوڑ دے گا تو ہاتھوں کی انگلیاں اس کے پنڈلیوں تک پہنچ جائیں گی۔

بہار و بنگال اور اڑیسہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں کو مکمل طور پر اپنے زیر نگیں کرنے کے بعد محمد بن بختیار خلجی نے ملکی انتظام میں پوری توجہ دی اور عوام کی فلاح و بہبود اور مذہب اسلام کے احکام کو رائج کرنے کے بعد تبت اور ترکستان کی طرف پیش قدمی کا پروگرام مرتب کیا۔ اس نے سب سے پہلے مفتوحہ علاقوں کی نظم و نسق کے لئے اپنے چند خلجی نوجوانوں کو ذمہ داریاں

سپرد کیں۔ پھر تبت کی طرف پیش قدمی کے لئے راستوں سے واقف کار رہبروں کو اپنے ہمراہ لیا اور بارہ ہزار فوج کے ساتھ تبت کے دشوار گزار پہاڑیوں، دروں، گھاٹیوں اور دریائے جھکری نامی لق و دق دریا کو پرانے طویل پل کے ذریعہ پار کر کے "کامرود" جا پہنچا۔ راجہ کامرود نے محمد بن بختیار خلجی کی اطاعت قبول کر لی اور اس کو مشورہ دیا کہ ابھی موسم بہت خراب ہے۔ راستے بھی دشوار گزار ہیں اور تبت کے تمام علاقے اور قبائل بھی بڑے مضبوط ہیں اس لئے آپ اس سال تبت کے مہم کو ملتوی کر دیں۔ محمد بن بختیار خلجی نہ مانا اور آگے چل پڑا اور پندرہ دن کی مسافت اور بڑے جنگل کو عبور کر کے ایک تبتی شہر کا محاصرہ کیا۔ اس محاصرہ میں مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ محمد بن بختیار خلجی کو اس پہلی ناکامی اور نقصان کا احساس ہوا۔ جس میں اس کی فوج کی بڑی تعداد شہید ہوئی۔ آخر اس نے واپسی کا ارادہ کیا۔ واپسی پر راجہ کامرود نے اس سے دغا کیا اور محمد بن بختیار خلجی کو مکمل تباہی سے دوچار کرنے کا پروگرام بنایا۔ محمد بن بختیار خلجی کی فوج اس نئی مصیبت سے نپٹنے کے لئے دریا جھکری عبور کرنے کی کوشش کی اس لئے کہ پل تباہ کر دیا گیا تھا۔ آخر بڑی مشکلوں سے سو دو سو سپاہیوں کے ساتھ اپنے ملک کی سرحد دیوکوٹ پہنچا۔ اس ناکامی نے محمد بن بختیار خلجی کو صاحب فراش کر دیا شدید علالت کی حالت میں وہ دیوکوٹ میں اپنی رہائش گاہ کے ایک کمرے میں بے سدھ پڑا تھا کہ اس کے ایک سردار علی مردان خلجی نے دیوکوٹ آکر خنجر سے اس کو قتل کر دیا۔ اس طرح یہ بہادر اور بہار کا پہلا مسلمان حکمران ۶۰۲ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ اس کی لاش بہار شریف لاکر دفن کی گئی۔ جناب سید کریم الدین مولف "مخزن الانساب" بہار شریف میں محمد بن بختیار خلجی کی قبر کا پتہ ان الفاظ میں دیتے ہیں:

"......... بطرف غربی و جنوب ایں محلہ (عمادپورہ) صحرا ایست کشادہ و دراں صحرا ایک عمارت گنبد نما موجود است کہ بسیار کہنہ گشتہ است اندرون گنبد چند مقابر است کہ بخیال ساکنان ایں جا آں مقابر بزرگان دین است اما بزعم مولوی شیخ عبداللہ مرحوم ساکن موضع اوگانواں کہ مردے محقق و صاحب بصیرت و ذی علم بود ملک اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی اولین فاتح بہار و بنگال مع چند رفقا دراں گنبد آسودہ است و آں مقام از محلہ نصیر پور موسوم است و صاحب سیر المتاخرین و فرشتہ نیز تائید ایں قول میکنند۔"

نقشہ اولادِ خواجہ بدر الدین سپہ سالار کشمیر
شیخ معز الدین اول (ساکن مہدانوال)
شیخ جمال الدین
شیخ حمزہ
شیخ اللہ داد
شیخ بڈن شہید
شیخ دوست محمد
شیخ ابو سعید
شیخ کریم الدین
شیخ محمد فاضل (موضع سرانڈی)
شیخ ہدایت اللہ
شیخ غلام علی
بی بی فاطمہ
زوجین
شیخ امام الدین
شیخ رمضان علی
شیخ احمد علی
شیخ معز الدین
افضل حسین
تفضل حسین
شیخ ہدایت علی
ولایت حسین
مولوی الٰہی بخش
امانت حسین
ساکنان محلہ صادق پور - پٹنہ (دیکھو صفحہ)
حکیم محمد نصیر
مولانا احمد اللہ
مولانا فیاض علی
مولانا یحییٰ علی
مولوی اکبر علی
بی بی جمیلہ
بی بی وجیہہ
بی بی رحمن
قاضی قمر علی
شیخ واحد علی
قاضی فرخ حسین
امداد حسین
حافظ اشرف حسین
اطہر حسین وکیل
بی بی امامن
بی بی علیمن
مولانا افضل حسین
مصنف "احیاۃ بعد المماۃ"
عبد الوہاب
عبد السلام
سکندر بخت عمران
(گلشن اقبال، کراچی)
عبد الستار
علی اصغر
علی اسید انجم۔ کراچی
(مؤلف انساب جعفری زینبی)
مولانا عبد الغفار نشتر
مترجم "الادب المفرد"

نقشہ اولاد حضرت نعمت خان یوسف زئی شہید

جو فوج بہ زمانہ سلطان محمد تغلق صوبہ بہار کے علاقہ مونگیر میں راجپوت سرکشوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کی گئی تھی، اس کے سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا قدس سرہ العزیز تھے۔ اس فوج میں دوسرے مسلمانوں کے علاوہ افغانستان اور موجودہ صوبہ سرحد کے پٹھان مسلمان بھی خاصی تعداد میں موجود تھے سید ابراہیم ملک بیا کے ان مجاہد ساتھیوں میں ایک بزرگ حضرت نعمت خان یوسف زئی پٹھان بھی تھے۔ ان کو سرزمین بہار ایسا بھایا کہ بعد فتح مونگیر آپ ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہے۔ آپ نے بہار میں جگہ جگہ تبلیغی اور مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے۔ اور آخر راہ عشق و محبت میں ایک دن شہادت کے درجہ پر فائز ہو کر اللہ کے حضور سرفرازانہ تشریف لے گئے۔ کتاب "انوار العلاء" قلمی کے مولف کا بیان ہے کہ آپ بہار شریف میں چھوٹی پہاڑی پر حضرت سید ابراہیم ملک بیا کے قدموں میں مدفون ہیں۔
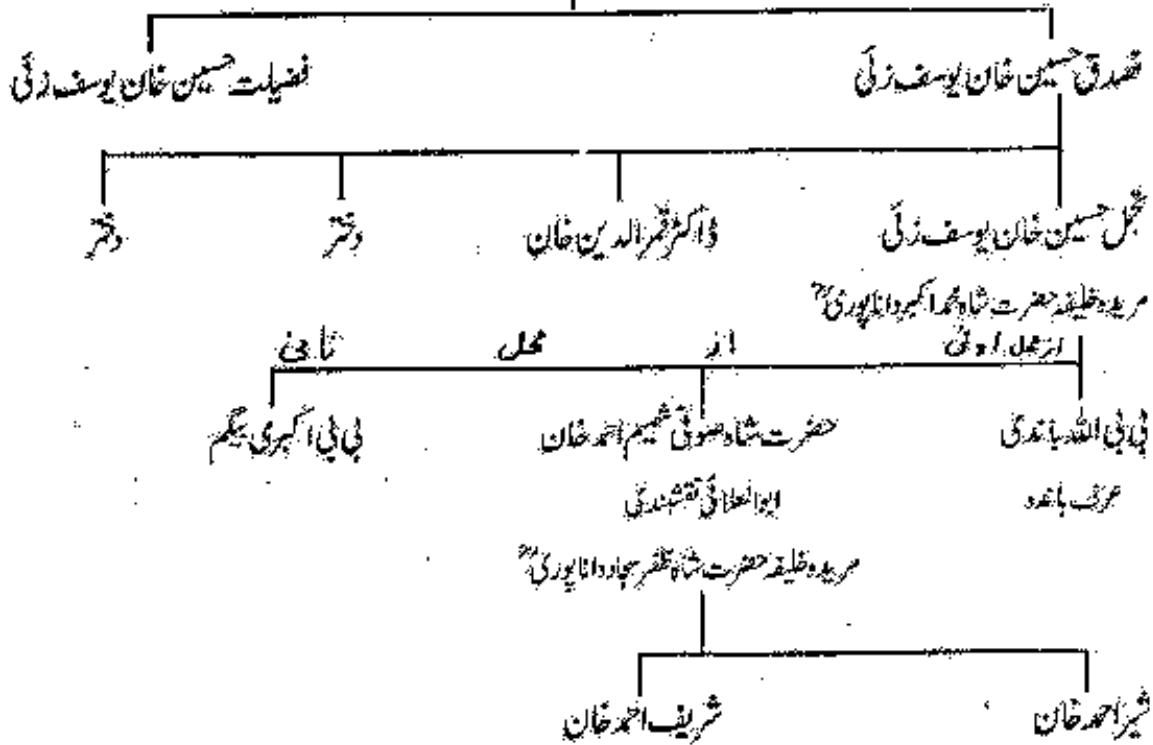
سلطان الہند شیر شاہ سوری

ہندوستان کا مشہور زمانہ بادشاہ شیر شاہ سوری کا اصل نام فرید خان تھا جو صوبہ بہار کے ضلع شاہ آباد، آرہ کے ایک شہر سہسرام کے جاگیردار حسن خان سور کا بیٹا تھا۔ فرید خان ۸۷۸ھ مطابق ۱۴۷۲ء کو سہسرام میں پیدا ہوا۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب وہ شکم مادر میں تھا تو اس کی ماں نے خواب دیکھا کہ چاند آسمان سے اتر کر اس کی گود میں آ گیا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ فرید خان ابھی بچہ تھا اور کسی چیز کے لئے اپنے باپ حسن خان سے ضد کر رہا تھا۔ اسی لمحہ وہاں سے ایک درویش کا گزر ہوا صوفی بزرگ نے جب یہ منظر دیکھا تو ہنس کر کہا "کیا خدا کی شان ہے، ہندوستان کا بادشاہ ادنی سی چیز کے لئے مچلا ہوا ہے اور رو رہا ہے۔" حضرت علامہ سید شاہ مراد اللہ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "آثار منیر" میں "حیات شیر شاہ" مولفہ اختر سہسرامی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: "حضرت ملک العلماء مخدوم شاہ بڈن منیری، حضرت مخدوم شاہ دولت منیری رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں اور شیر شاہ سوری کے پیر و مرشد ہیں............" جنہوں نے شیر شاہ کو بشارت دی تھی کہ دہلی کی حکومت تمہاری منتظر ہے۔

فرید خان عرف شیر شاہ سوری البہاری کا خاندان کابل کے روہ نامی پہاڑی علاقہ میں بسنے والے افغان قبیلوں سے تعلق رکھتا تھا۔ روہ کا کوہستانی علاقہ حسن ابدال سے کابل تک پھیلا ہوا تھا، جس میں بسنے والے قبیلوں میں ایک سور نامی قبیلہ بھی تھا۔ ہندوستان اور خصوصاً بہار میں افغانی نسل کے افراد کافی تعداد میں صدیوں سے آباد ہیں جو پٹھان کہلاتے ہیں اور اپنے نام کے ساتھ خصوصی طور پر خان ضرور لکھتے ہیں۔ ہندوستان کے دوسرے صوبہ جات کے ساتھ بہار میں افغانی پٹھان شہاب الدین غوری اور محمد بن بختیار خلجی کے زمانہ سے آباد ہوئے۔ ویسے ان کی تعداد بہار میں حسن خاں جاگیردار سہسرام اور ان کے بیٹے سلطان شیر شاہ سوری کے دور میں بہت کثرت سے آباد ہوئی۔ تاریخ اور تذکروں میں لکھا ہے کہ افغانی پٹھان کا نسلی تعلق حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی بن یامین سے ہے۔ اس طرح سوری خاندان کا شجرہ نسب شاہ فارس ضحاک، شیخ بیت، حضرت عبد الرشید قیسؓ، بن یامین اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہوا سام بن حضرت نوح علیہ السلام سے جا کر مل جاتا ہے۔ جناب اختر سہسرامی اپنی کتاب "حیات شیر شاہ" میں لکھتے ہیں: "خاندان سور کا مورث اعلیٰ ضحاک بادشاہ فارس کے ایک بیٹے یا پوتے کا نام سور تھا۔ سوری پٹھان اسی کی اولاد سے ہیں۔" واللہ اعلم

افغان اکابرین اور مورخین کی روایت کے مطابق عرب کے مسلمان مبلغین کی دعوت پر افغانیوں نے اپنے ایک سردار قیس کی قیادت میں ایک وفد عرب روانہ کیا۔ وفد کے تمام ارکان حضور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے قیس کا اسلامی نام عبد الرشید رکھا اور امیر کا لقب مرحمت فرمایا۔ اس طرح حضرت امیر عبد الرشید قیس افغانی رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں۔ اور آپ کی شادی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی بی بی سارہؓ سے ہوئی تھی جن کے بیٹے کا نام سرہ بن سارہ (سارہ کا بیٹا) تھا۔ امیر عبد الرشید قیسؓ نے ۴۱ھ مطابق ۶۶۱ء میں وصال فرمایا۔ ان روایتوں کو سامنے رکھا جائے تو سور افغانیوں کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح بنتا ہے۔

سور بن لودھی بن بی بی متو زوجہ شحاک بن شیخ بیت (عرف بٹن) بن امیر عبدالرشید قیس ؓ۔ واللہ اعلم

ابراہیم خان سور جو فرید خان عرف شیر شاہ سوری کا دادا تھا سلطان بہلول لودھی کے زمانہ میں دہلی آیا۔ اور سردار جمال خان کی ملازمت اختیار کی۔ بسلسلہ ملازمت حصار فیروزہ اور نارنول علاقوں میں مقیم رہا اور وہیں انتقال کیا۔ جب سردار جمال خان جون پور کا گورنر ہوا تو اس نے ابراہیم خان سور مرحوم کے بیٹے حسن خان سور کو پرگنہ بہرام پور، ٹانڈا، خاص پور (صوبہ بہار میں سہسرام کے علاقے) اور قلعہ رہتاس (صوبہ بہار) کے علاقہ کی جاگیر معہ پانچ صد سوار کے عطا کئے۔ اس طرح فرید خان (شیر شاہ سوری) کا خاندان شہر سہسرام، صوبہ بہار میں آبسا اور یہی شہر اس بادشاہ کا مولد، وطن اور مدفن بنا۔ جناب سید علی مرتضٰی پرویز مرحوم نے اپنی کتاب "تاریخ کے گمشدہ اوراق" میں اپنے اس کرب کا اظہار کیا ہے کہ بھارت کی حکومت اور دانشور مسلم دشمنی اور تعصب میں مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کر رہے ہیں۔ لیکن راقم السطور سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کو اس کا افسوس ہے کہ غیر تو پھر غیر ہیں اپنے بھی اس کام میں پیچھے نہیں۔ آج پاکستان میں بھی وہی کچھ ہو رہا ہے جو کچھ بھارت میں۔ کیا ہندوستان کے اتنے بڑے مسلمان شہنشاہ شیر شاہ سوری کی زندگی کے حقائق کو ہم پوری دیانت داری سے مرتب کر رہے ہیں یا تعصب کی عینک چڑھا کر سنسر کی قینچی چلا رہے ہیں اور خود اپنے ہاتھوں مسلم ہندوستان کی تاریخ میں تحریف اور رد و بدل کر رہے ہیں؟۔

صوبہ بہار کے تاریخی شہر سہسرام میں حسن خان سور اپنے اہل و عیال، خاندان اور قبیلے کے افراد کے ساتھ متوطن تھا۔ اس وقت شہر کے بالکل وسط میں اور بازاروں کے درمیان ایک نہایت بلند و بالا اور مضبوط ساخت کا بنا ہوا مکان حسن خان سور کا ہے۔ اپنی بناوٹ اور قدامت کی بنا پر یہ عمارت قلعہ کے نام سے مشہور ہے۔ وسعت کے لحاظ سے اس میں کئی ہزار افراد کے ٹھہرنے کی گنجائش موجود ہے۔ یہ قلعہ ہندوستان کے مسلم حکمران کا مولد و مسکن تھا۔ لیکن افسوس اس کی تاریخی حیثیت کو برقرار رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی اور نہ ہی تذکروں اور تاریخ کی کتابوں میں ذکر کیا گیا۔ یہ عمارت اپنی اصلی شان و شوکت کھو چکی ہے۔ ایک بڑے حصے کے مسمار ہو جانے کے باوجود بڑے پر وقار انداز میں استادہ ہے۔ اس کے چند دروازے جو باقی رہ گئے ہیں مدار دروازہ اور قورتن دروازہ وغیرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ حسن خان سور، جاگیردار سہسرام، صوبہ بہار کی دو بیویاں تھیں۔ اس کی بڑی رانی جو قوم افغان سے تھی کے بطن سے دو لڑکے فرید خان المعروف بہ شیر شاہ سوری اور نظام خان تھے۔ مخل دوم سے چھ لڑکے تھے۔ حسن خان سور کے دوسری اہلیہ سے بڑے خوش گوار مراسم تھے اور وہ اس کی باتوں کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ یہ چھوٹی بیوی اور اس کا بڑا لڑکا سلیمان خان، بڑی رانی اور اس کے بیٹوں فرید خان و نظام خان سے حد درجہ رقابت کا جذبہ رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرید خان اپنی تعلیم و تربیت سے مطمئن نہ تھا۔ باپ کی بے توجہی اور سوتیلے بھائی سلیمان خان کی مخاصمت سے تنگ آ کر باپ کی بلا اجازت وطن سے نکل کھڑا ہوا اور جون پور جا پہنچا۔ اور یہیں رہ کر فرید خان نے فارسی و عربی زبان میں مکمل دستگاہ حاصل کی۔ شیخ سعدیؒ کی تمام تصانیف اور سکندر نامہ ازبر کر لیا۔ انشاء پردازی اور تاریخ کے علوم کے علاوہ فوجی تربیت اور فن سپہ گری میں اچھی دسترس حاصل کر لی۔ جون پور کے علمی اور ادبی ماحول اور طبیعت کے رجحان نے شیر شاہ میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا کر دیا تھا۔

فرید خان (شیر شاہ سوری) پورے انہماک اور لگن سے حصول تعلیم میں لگا ہوا تھا کہ اس کا باپ حسن خان سور اپنے آقا حاکم جون پور سے ملاقات کے لئے جون پور آیا۔ جہاں حسن خان کے اعزہ و اقارب اور دوسرے افغان سرداروں نے اس سے اس کے بیٹے فرید خان کے

فہم و فراست کی بڑی تعریف کی۔ اور حسن خان کو ایسے لائق و فائق بیٹے کی طرف سے بے توجہی برتنے پر بہت دکھ و افسوس کا اظہار کیا۔ آخر دوستوں اور ہمدردوں کی کوششوں سے باپ بیٹے میں صفائی ہوئی۔ حسن خان سور نے فرید خان کو اپنا قائم مقام بنا کر سہسرام جانے کا حکم دیا اور خود کچھ دنوں کے لئے جون پور میں اپنے آقا حاکم جون پور کے پاس رک گیا۔ فرید خان باپ سے رخصت ہو کر سہسرام پہنچا اور ریاست کا مکمل کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی ترقی اور عوام کی خوش حالی و فلاح و بہبود کا ایسا اچھا انتظام کیا کہ مختصر عرصہ میں جاگیر کی آمدنی اور محصولات میں بے پناہ اضافہ ہوا اور رعایا بھی خوش حال ہو گئی۔ پورے جاگیر کی زمین کی پیمائش کرائی، اور پیمائش کے حساب سے محصول مقرر کئے۔ تحصیل داروں کو بے جا ظلم و زیادتی سے روک دیا۔ کارپردازوں اور رعایا کے ایک بڑے مجمع میں اعلان کیا کہ میں ان پرگنوں کی ہر طرح ترقی و بہبود کا خواہاں ہوں اور اسی میں میری نیک نامی اور تمہاری بھلائی بھی ہے۔ مختصر یہ کہ فرید خان نے باپ کے قائم مقام کی حیثیت سے جاگیر کے انتظام میں دلچسپی لے کر ملک گیری کی پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لی۔

حسن خان سور جب جون پور سے واپس آیا اور فرید خان کی کارکردگی و نظام کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور ان دونوں بیٹوں کی شادی انجام دی۔ حسن خان کی دوسری بیوی اور اس کے بیٹے سلیمان خان و احمد خان جاگیر کے وارث بننا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے داروغگی جاگیر کے لئے حسن خان پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ جب فرید خان کو اس کشمکش کی خبر ہوئی تو باپ کی مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے ابراہیم خان لودھی کے ایک خاص درباری سردار دولت خان کے پاس آگرہ چلا گیا اور اس کی ملازمت اختیار کی۔ فرید خان کی خدمت گزاری اور فرماں برداری سے دولت خان کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی۔ اس دوران حسن خان سور نے سہسرام میں وصال کیا۔ اور دولت خان نے موقع غنیمت جان کر بادشاہ ابراہیم خان لودھی سے سہسرام کی جاگیر کی سند فرید خان اور نظام خان کے نام لکھوا دی۔ فرید خان بادشاہ کی سند کے ساتھ سہسرام واپس لوٹا اور ریاست کا زمام کار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کا سوتیلا بھائی ناکامی پر جون پور کے نئے حاکم محمد خان سور کے پاس پہنچا اور جاگیر حاصل کرنے کی جد و جہد شروع کر دی۔ محمد خان سور، سلیمان خان کا طرفدار تھا۔ اس نے فرید خان کو پیغام بھیجا کہ جاگیر کی سرداری میں سلیمان خان کو شامل کرے۔ فرید خان نے جواب دیا کہ باپ کی جاگیر بھائیوں میں تقسیم ہو چکی رہی بات حکمرانی اور سرداری کی تو ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہتے۔ حاکم جون پور اس جواب سے برافروختہ ہو کر اس کا دشمن ہو گیا۔ اس دوران لودھیوں کی حکومت ختم ہو گئی اور پہلا مغل بادشاہ بابر دہلی کی تخت کا مالک بنا۔ فرید خان نے جاگیر کا انتظام اپنے بھائی نظام خان کے سپرد کیا اور خود بہار کے حاکم محمد شاہ بن دریا خان لوہانی کے پاس پہنچا۔ محمد شاہ نے اس کو اپنے بیٹے جلال خان کا اتالیق مقرر کیا۔ اور اپنے خاص مشیروں میں داخل کر لیا۔ اس ملازمت کے دوران شکار کے موقع پر ایک شیر نے حاکم بہار محمد شاہ پر حملہ کر دیا۔ فرید خان نے بڑی پھرتی اور بہادری سے آگے بڑھ کر اپنی تلوار سے شیر کے دو ٹکڑے کر دیئے اور حاکم سے شیر خان کا خطاب حاصل کیا۔ اس طرح فرید خان اب شیر خان کے نام سے مشہور ہوا۔ کچھ دنوں بعد شیر خان چھٹی پر سہسرام آیا۔ حاکم جون پور محمد خان نے اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر حاکم بہار محمد شاہ کو اس کے خلاف بھڑکا کر حکم صادر کیا کہ شیر خان سہسرام کی جاگیر سلیمان کے حوالے کر دے۔ شیر خان نے پھر اپنی شرعی اور قانونی حیثیت بتاتے ہوئے جاگیر سے دست بردار ہونے سے صاف انکار کیا۔ محمد خان سور نے جنگ کی سوچی اور ایک فوج ساد نے خان کی سرکردگی میں روانہ کی جس کو شیر خان نے بری طرح شکست دی۔ شیر خان، حاکم جون پور محمد خان سور اور سلیمان کی تعقیب چھوڑ سے

تنگ آ کر بابر شاہ دہلی کے بہنوئی سلطان جنید برلاس کے پاس کڑہ مانک پور میں ملازمت کرلی ۔اور برلاس سے فوجی مدد لے کر ۱۵۲۷ء میں جون پور پر حملہ کر دیا۔محمد خان سور اور سلیمان شاہ شکست کھا کر بھاگے اور ریتاس کی پہاڑیوں میں پناہ لی ۔اب جاگیر دار شیر شاہ حاکم جون پور بن گیا۔ اس نے ہر طرف سے سکون و اطمینان حاصل کرنے کے بعد سوری افغانوں کو ایک پلیٹ فارم پر منظم کیا اور ایک خط محمد خان سور کو لکھا کہ اس بڑھاپے میں آپ جس کسمپرسی کی زندگی رہتاس کی پہاڑیوں میں گزار رہے ہیں اس سے مجھے بڑا دکھ ہے ۔آپ میرے بزرگ ہیں اور میں آپ کا خادم ہوں ۔آپ جون پور آ کر اپنی حکومت سنبھالیں ۔میرے لئے میری چھوٹی سی جاگیر ہی کافی ہے ۔شیر خان کے اس حسن سلوک نے محمد خان سور کو اس کا گرویدہ بنادیا اور دوسرے سوری سردار بھی اس کی اخلاقی برتری کے قائل ہو کر کافی تعداد میں اس کے حلقہ بگوش ہو گئے ۔

شیر خان اپنے بھائی کو سہسرام میں چھوڑ کر پھر ۱۵۲۵ء میں حاکم کڑہ مانک پور سلطان جنید برلاس کی ملازمت میں حاضر ہوا۔جنید کسی درباری تقریب میں شرکت کے لئے دہلی جانے کی تیاری میں تھا۔اپنے ساتھ شیر خان کو بھی دہلی لیتا گیا۔اس سفر میں شیر خان کو مغل سرداروں اور حکمرانوں کو قریب سے دیکھنے اور ان کی کمزوریوں کو سمجھنے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔جنید برلاس کے ساتھ وہ شاہی دربار کی ایک ضیافت میں شریک ہوا۔دستر خوان پر ایک بڑے طباق میں مسلم مچھلی کا کباب (ماہچہ) اس کے لئے ایک نیا ڈش تھا۔اس نے اپنی تلوار سے مچھلی کے کئی ٹکڑے کر کے اپنی پلیٹ میں لے کر کھانے لگا۔بابر بادشاہ نے شیر خان کی اس بے باک دور اندیشی کو بڑی گہرائی سے محسوس کیا۔اور اپنے مشیروں سے سرگوشی میں کہا کہ ''اس افغان کے چہرے سے بادشاہی کے آثار نظر آتے ہیں ۔میں نے ہزاروں رئیس اور افغان دیکھے ہیں مگر یہ بات کسی میں نہ پائی ۔اس لئے اس کو قید کر لینا چاہئے ۔شیر خان کی دور بین نگاہیں بھی بادشاہ کی بری نیت کو تاڑ گئیں ۔وہ بڑی چالاکی سے دربار سے نکل گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا اپنی جاگیر سہسرام جا پہنچا۔ایک خط جنید برلاس کو لکھ کر بھیجا کہ جاگیر سے متعلق کچھ بروقت مسئلہ کی وجہ سے مجھے بادشاہ اور آپ کی اجازت کے بغیر آنا پڑا۔اس لئے مجھے اپنی بہی خواہوں سے الگ نہ تصور کریں۔اس کے بعد وہ اپنے بھائی نظام خان سور کے ساتھ حاکم بہار محمد شاہ کے پاس حاضر ہوا۔محمد شاہ کے بیٹے کی اتالیقی کے ساتھ ملک بہار کا منتظم بنا اور مدار الملک کے عہدہ پر فائز ہوا۔اسی دوران بنگال کے حکمران سلطان محمود شاہ سے اور شیر خان کے دوست مخدوم عالم حاجی پوری سے ان بن ہوگئی محمود شاہ نے ایک لشکر قطب خان جاگیر دار کی سرکردگی میں مخدوم عالم اور شیر شاہ سے لڑنے اور بہار پر قبضہ کے لئے روانہ کی۔شیر شاہ نے تمام سوری افغانوں کو جمع کیا اور ایک پر اثر تقریر کی کہ ''ایک طرف مغل اور دوسری طرف بنگالی ہیں ۔ان دو دشمنوں کے درمیان ہم اپنی غیرت اور بہادری کے بل پر ہی زندہ رہ سکتے ہیں۔'' آخر ایک بڑا معرکہ ہوا۔قطب خان مارا گیا ۔اور مال غنیمت میں بڑی کثیر دولت شیر خان کے ہاتھ آئی ۔اس کامیابی سے حاکم بہار جلال خان بن محمد شاہ اور دوسرے لوہانی سردار شیر خان کے حسد میں مبتلا ہو گئے ۔شیر خان نے جلال خان کو لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ میں آپ کا بہی خواہ اور ہمدرد ہوں ۔آپ اپنے سرداروں کی غلط فہمی کو دور کریں۔لیکن وہ نہ مانا۔بنگال کے بادشاہ محمود شاہ کے پاس چلا گیا اور اس کی مدد سے قطب خان مرحوم کے بیٹے ابراہیم خان کے ساتھ شیر خان کی گوشمالی کے خیال سے حملہ آور ہوا شیر خان نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ابراہیم خان اور جلال خان دونوں مارے گئے اور شیر خان بلا شرکت غیرے پورے بہار کا مالک بن گیا۔پھر اس نے چنار کے قلعہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا جہاں سے اس کو بے بہا جواہرات کے علاوہ تین سو من سونا ہاتھ آیا۔بہار کی حکمرانی اور چنار کی دولت نے اس کے حوصلے بڑھا دیئے ۔اس نے پوری تیاری سے اپنے پرانے دشمن اور حریف بادشاہ بنگالہ

محمود شاہ سے بدلہ لینے کو پیش قدمی کی سوچ ہی رہا تھا کہ بہار کے غیر سوری پٹھانوں، لودھی اور لوہانی شیر خان کے مخالف ہو گئے۔ شیر خان حالات کا جائزہ لیتے ہوئے بہار کی حکومت سے دست بردار ہو گیا۔ پٹھانوں، لودھیوں اور لوہانیوں نے ۹۳۶ھ میں سکندر لودھی کے بیٹے محمود لودھی کو چتوڑ سے بلا کر بہار کا بادشاہ بنا دیا۔ محمود لودھی نے حکومت امراء کے سپرد کر دیے جنہوں نے آپس میں بہار کے حصے بخرے کر لئے۔ اور بہار کے چھوٹے چھوٹے کئی حاکم پیدا ہو گئے۔ شیر خان اپنی جاگیر سہسرام چلا گیا اور وقتی طور پر حاکم بنگالہ کا مطیع و فرمان بردار بن گیا۔

بنگال کا حاکم سلطان محمود مغلوں سے لڑنے اور حکومت دہلی کے حصول کے لئے ایک بڑی فوج کے ساتھ جون پور کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ سہسرام کے قریب پہنچا تو شیر خان نے دور ہی سے معہ تحفہ تحائف اس کا استقبال کیا اور اس کے شایان شان دعوت کی اور بمعہ اپنی فوج کے اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ مغل جون پور کو خالی کر کے بغیر لڑے چلے گئے۔ اس وقت ہمایوں بادشاہ کالنجر کی مہم میں مصروف تھا۔ کالنجر سے واپس آگرہ آیا اور وہاں سے محمود سے مقابلہ کے لئے جون پور روانہ ہوا۔ محمود نے بھی اپنی فوج کو آگرہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ اسی دوران محمود کی فوج کے سردار بایزید اور بتن اپنی بدمزاجی اور غرور و تکبر میں شیر خان کے مخالف ہو گئے اور کشیدگی کی صورت پیدا ہو گئی۔ شیر خان نے حالات کا جائزہ لے کر ہمایوں بادشاہ کے سپہ سالار میر ہندو بیگ کو خط لکھا کہ میں فردوس مکانی (بابر شاہ) کا قدیم پروردہ ہوں اور اس جنگ میں بادشاہ کی کسی صورت مخالفت نہیں کر سکتا۔ جب ہمایوں محمود کے مقابلہ پر آیا تو شیر خان محمود کی فوج سے الگ ہو گیا۔ بایزید اور بتن بھی فرار ہو گئے۔ نتیجے کے طور پر محمود شاہ حاکم بنگالہ بڑی مشکل سے جان بچا کر پٹنہ پہنچا اور وہاں سے اڑیسہ کی طرف چلا گیا۔ شیر خان کی حکمت عملی نے اس کو پھر بہار اور چنار گڑھ کا مالک بنا دیا۔

ہمایوں بادشاہ کی حریص نظریں چنار کے قلعہ پر تھیں۔ لیکن اس کو جون پور کا قبضہ اور محمود پر فتح شیر خان کی حکمت عملی سے حاصل ہوئی تھی اور شیر خان اس سے اپنی فرمانبرداری کا اظہار بھی کر چکا تھا۔ اس لئے ہمایوں نے ہندو بیگ کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ شیر خان چنار سے دست بردار ہو جائے اور قلعہ کو ہمایوں کے حوالے کر دے۔ لیکن شیر خان نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور جب ہمایوں نے ۹۳۹ھ میں ایک بڑے لشکر کے ساتھ چنار کا محاصرہ کیا تو شیر خان نے اپنے بیٹے قطب خان سوری السہسرامی کو پٹھانوں کی ایک فوج لے کر روانہ کیا اور ایک عرضی ہمایوں کو لکھی کہ حضور اور فردوس مکانی (بابر شاہ) کی مدد سے میں نے حکومت حاصل کی ہے۔ میں ہمیشہ بادشاہ کا فرمانبردار رہا ہوں۔ محمود شاہ (بادشاہ بنگالہ) پر فتح کے موقع پر میں حضور کا ہم نوا تھا۔ اس لئے قلعہ چنار گڑھ کو میرے پاس رہنے دیا جائے۔ اس کے عوض میں اپنے لڑکے قطب خان سوری السہسرامی کو معہ پانچ صد سوار کے حضور کی ملازمت میں دیتا ہوں۔ ہمایوں نے دیکھا کہ اس وقت بہادر شاہ گجراتی نے بغاوت کر رکھی ہے جس کو فرو کرنا پہلے ضروری ہے اس لئے مصلحتاً شیر خان کی عرضی قبول کر لی۔ اور چنار گڑھ کا محاصرہ اٹھا کر گجرات روانہ ہو گیا۔ شیر خان نے اپنے دو بیٹے قطب خان سہسرامی اور عیسیٰ خان سہسرامی کو ہمایوں کی گجرات کی مہم میں ساتھ روانہ کیا۔ شیر خان نے موقع غنیمت جان کر سب سے پہلے اپنی ریاست بہار کے انتظامات درست کئے۔ پھر بنگال پر حملہ کر کے محمود کو شکست دی اور بہار کے ساتھ بنگال کو بھی اپنی حکمرانی میں شامل کیا۔ ہمایوں شیر خان کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے گزشتہ تمام معاہدوں اور فیصلوں کو بالائے طاق رکھ کر قلعہ چنار پر قبضہ کر کے تین سو پٹھان گولہ بازوں کے ہاتھ کٹوا دیئے اور بنگال کی طرف پیش قدمی کی۔

اس پیش قدمی میں پہلا حملہ جو ہمایوں کی طرف سے محمود شاہ (سابق حاکم بنگالہ) نے کیا، جس کو جلال خان بن شیر خان نے قلیا گڑھی پر شکست فاش دی اور باپ کے حکم پر قلیا گڑھی کو خالی چھوڑ کر ہٹ گیا۔ اس طرح ہمایوں خود کسی مزاحمت کے بغیر ۱۵۳۸ء میں بنگال کے دارالسلطنت گور میں داخل ہوا جو پٹھان سپاہی وہاں موجود تھے انہیں قتل کروادیا اور تین ماہ تک بنگال کے پر فضا ماحول اور برسات کی برکھا میں عیش و عشرت کے داد لیتا رہا۔ شیر خان نے وقت سے فائدہ اٹھایا۔ بنگال کے راستوں میں رکاوٹیں پیدا کیں، رسل و رسائل کے راستوں کو مسدود کیا۔ اپنی عورتوں اور دولت کو محفوظ کرنے کے لئے قلعہ رہتاس (بہار) کو اس کے مالک راجہ ہری کشن سے چھین کر قابض ہوگیا۔ آخر ہمایوں کے چند خیر خواہ امراء ہمت کر کے اس کے عیش و عشرت میں مخل ہوئے اور حالات سے آگاہ کیا۔ اب ہمایوں کو ہوش ہوا کہ سپاہی بیماری اور بددلی کا شکار ہیں۔ بھائی مرزا ہندال کی طاقت میں اضافہ ہورہا ہے۔ اور برسات نے راستہ کو خطرناک حد تک مشکل بنادیا ہے۔ شیر خان نے اس وقت پھر ہمایوں کی خدمت میں ایک درخواست بھیجی کہ "بھوکے پٹھان سرکشی پر آمادہ ہیں۔ بہتر ہے کہ ان کو جاگیر عطا فرما کر حضور اپنی حلقہ بگوشی سے باہر نہ ہونے دیں۔ میں نے اب تک ان کو اپنی کوشش سے روک رکھا ہے۔"............ ہمایوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

آخر ہمایوں اور شیر خان کا آپس میں آمنا سامنا ہوا۔ اور دونوں کی فوجیں موجودہ صوبہ بہار کے ضلع شاہ آباد، آرہ میں بکسر کے ایک قصبہ چوسا میں مدمقابل تھیں۔ ہمایوں نے اپنی بے سروسامانی اور پریشاں حالی کو مدنظر رکھتے ہوئے شیر خان کے ایک ملاقاتی ملّا محمد عبدالعزیز کو اس کے پاس صلح کا پیغام لے کر بھیجا۔ شیر خان نے جواب دیا۔ "حضرت جہاں پناہ کو لڑائی منظور ہے مگر ان کے لشکری یہ نہیں چاہتے۔ برعکس اس کے میں جنگ کرنا نہیں چاہتا مگر میری سپاہ اس کے لئے بے قرار ہے۔ چوسہ کی جنگ میں ہمایوں بری طرح شکست کھا کر گھوڑے پر سوار ہوکر بھاگا۔ گھوڑا سمیت دریا میں کود پڑا نظام نامی ایک سرکاری سقے نے جان بچائی اور ہمایوں بمشکل آگرہ پہنچا۔ شیر خان نے بہار و بنگال کی پوری قلمرو میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ ہمایوں اور شیر خان بادشاہ بہار و بنگال کا دوسرا مقابلہ قنوج میں ہوا۔ اس جنگ میں بھی ہمایوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہاں بھی دریائے گنگا میں ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ اور قندھار کی طرف روانہ ہوگیا۔

شیر خان اب پورے ہندوستان کا مالک تھا۔ وہ شیر شاہ کے نام سے دہلی کے تخت پر رونق افروز ہوا اور تقریباً چھ سال جس کامیابی و حسن تدبیر سے حکومت کی پوری آٹھ سو سالہ مسلم دور حکومت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے پورے پنجاب کو اپنے زیر نگین کیا۔ گوالیار کے خود سر حاکم کو مطیع کیا۔ قلعہ تنبور پر قابض ہوکر اپنے بیٹے عادل خان کے حوالے کیا۔ سکندر خان اور ملو خان کی سرکشی کو ہمیشہ کے لئے دبا دیا۔ اس نے اپنے حسن انتظام، اعلیٰ منصوبہ بندی اور رعایا کی خیر خواہی سے ملک ہندوستان کو امن و امان اور خوشحالی کا گہوارا بنادیا۔ شیر شاہ ایک دیندار، جفاکش، جری، بہادر بادشاہ تھا۔ میلوں پیدل چلنا اور دریا میں تیرنا اس کے لئے عام سی بات تھی۔ سپاہیوں کے ساتھ مل کر وہ خندق کھودا کرتا تھا۔ وہ اچھے خیالات اور نیک ارادوں کا حامل تھا۔ وہ سلطان روم سے مل کر حرمین شریفین اور حجاج کرام کی خدمت کا ارادہ رکھتا تھا۔ اور اس کام کے لئے حضرت علامہ سید رفیع الدین محدث سے مدد کی درخواست کی تھی۔ شیر شاہ نے سب سے پہلے اپنے وزیر مال ٹوڈرمل کی نگرانی میں پورے ملک کی زمین کی پہلی بار پیمائش کرائی۔ مالگذاری وصول کرنے کا محکمہ قائم کیا۔ خالص چاندی کا سکہ جاری کیا۔ بلا تفریق مذہب و ملت قبیلہ اور گروہ تمام رعایا سے برابری کا برتاؤ جاری کیا۔ ملازمین کی تنخواہ کی ادائیگی اور فوج کی نگہداشت کا

اصول مرتب کیا۔اس نے بشمول چار بڑی سڑکوں کے بیشمار سڑکیں تعمیر کرائیں۔ان میں آگرہ سے مدراس تک ایک طویل سڑک اور پنجاب سے بنگال تک پھیلی ہوئی سڑک آج تک اس کی یاد کو تازہ کرتی ہیں۔شیر شاہ نے تمام شاہراہوں کے کنارے ہر چار میل پر سرائے بنوائے۔ سڑک کے دونوں کناروں پر پھلدار درخت لگوائے۔ڈاک کا نظام شیر شاہ کی اپنی ایجاد ہے اس نے سڑک پر بنے ہوئے سرائے پر ڈاک چوکی بٹھائے جو خطوط اور ڈاک ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے۔ہر سرائے میں مسافروں اور غرباء کو کھانا تقسیم کیا جاتا اور اس کام کے لئے ایک لاکھ کی رقم روزانہ خزانے سے ادا کی جاتی۔جب ہندوستان کا سلطان شیر شاہ سوری کھانے کے لئے دستر خوان پر بیٹھتا تو ہر سرائے کا نقارہ بجایا جاتا۔اس طرح لاکھوں رعایا بادشاہ کے ساتھ کھانا کھایا کرتی مختصر یہ کہ شیر شاہ نے اپنی جاگیرداری کے زمانہ سے لے کر بادشاہت تک ہمیشہ رعایا کی فلاح و بہبود اور آرام و سہولت کی فکر کی۔اس نے اس سلسلہ میں جو اصول و قوانین بنائے اسی بنیاد پر بعد میں مغلیہ حکومت قائم ہوئی۔ہندوستان کا ایک پٹھان بادشاہ جو بہار کی سرزمین سے اٹھا۔اس نے اپنے دورِ حکومت میں بے شمار عمارتیں تعمیر کروائیں۔ پنجاب میں کوہ منڈانا اور بالناتھ پر بہار کے قلعہ رہتاس کے طرز پر ایک قلعہ بنوا کر اس کا نام بھی رہتاس رکھا۔نارنول ضلع پٹیالہ میں ایک بڑا شیر شاہی مدرسہ تعمیر کرایا۔جہاں طلباء کے لئے شاہی خزانے سے وظیفے دیئے جاتے تھے۔سہسرام میں اپنے باپ حسن خان سور کا شاندار مقبرہ تعمیر کروایا۔قصبہ شیر شاہی مالوہ اور قنوج میں بسایا۔نواح دہلی میں فیروز آباد اور رسول پور دو شہر آباد کئے۔بہار میں شیر گھاٹی، شیر گڑھ اور جمنا کے کنارے بھی ایک شہر شیر گڑھ بنایا۔ہندوستان کے طول و عرض میں بکثرت مساجد، شیر شاہی مسجد کے نام سے موجود ہیں۔مختصر یہ کہ اپنی مختصر مدت حکمرانی میں تعمیر و ترقی کی طرف خاص توجہ دی۔بے شمار شہر، قصبے، عمارتیں، مدرسے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔خود شیر شاہ کا مقبرہ سہسرام میں عجائبات دنیا میں سے ایک ہے جس کو اس کے بیٹے جلال خان عرف سلیم شاہ نے اپنے دورِ حکومت میں تعمیر کروایا۔شیر شاہ کے مقبرے کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے سلیم شاہ خود دہلی سے اپنے آبائی وطن سہسرام رونق افروز ہوا۔ایک بڑے مجمع میں اس نے اعلان کیا کہ جس شخص سے نماز عصر کی سنت کبھی فوت نہ ہوئی ہو میں اسی سے اس مقبرے کی بنیاد رکھواؤں گا۔مجمع سے کوئی ایسا شخص نہ ملا تو آخر اس نے قسمیہ اعلان کیا کہ میں نے خود اس پر عمل کیا ہے۔اس طرح سلیم شاہ نے روضہ کی بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھی۔

کالنجر کی تسخیر کے موقع پر بارود میں آگ لگ جانے کی وجہ سے شیر شاہ اپنے چند امراء و سردار کے ہمراہ بری طرح سر سے پاؤں تک جھلس گیا اور وہیں محاذ جنگ میں وصال کر گیا۔اس کی لاش سہسرام لا کر دفن کی گئی۔یہ اندوہناک واقعہ ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء بارہ ربیع الاول کی شام کو پیش آیا۔اس طرح ہندوستان کا یہ اولوالعزم بادشاہ تیس سال اپنی جاگیر کا سردار رہا، پندرہ سال کسی نہ کسی حیثیت سے حکومت کا حصہ رہا اور کچھ زائد پانچ سال تک تخت دہلی کا مالک رہ کر ۷۲ سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔

جناب اختر سہسرامی اپنی کتاب ''حیات شیر شاہ'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''شیر شاہ صرف ایک بادشاہ اور دنیادار آدمی نہ تھا، بلکہ وہ مذہب کا پابند اور شریعت کے سامنے ہر وقت سر جھکا دینے والا متشرع انسان تھا......علماء و فضلاء کی بڑی تعظیم کرتا، اس کے دربار میں بڑے بڑے قابل افراد جمع تھے......'' شیر شاہ اور سلیم شاہ کے دربار میں حضرت علامہ شیخ بڈھ بہاریؒ جیسے پائے کے عالم باعمل اور صوفی بزرگ موجود تھے جن کی جوتیاں سیدھی کرنا دونوں باپ بیٹے اپنا فرض جانتے تھے۔حضرت ملک العلماء شاہ بڈن منیری فردوسی رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ کے پیر

طریقت تھے۔"

جناب عبدالباقی خان جامعی کا ایک مقالہ "شیر شاہ کا کردار نئی روشنی میں" کے عنوان سے ماہنامہ "ندیم" بہار نمبر ۱۹۴۰ء میں چھپا تھا۔ راقم الحروف قارئین کی دلچسپی کے لئے مقالے سے اقتباس پیش کرتا ہے۔ تاکہ شیر شاہ کی علم دوستی اور مذہب سے لگاؤ کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ خان صاحب لکھتے ہیں: "ہمارے پاس شیر شاہ کے معتمد خاص اور رشتہ کے چچا ناظم خان کا ایک مخطوطہ ہے۔ اس کی ایک نقل رام پور کے کتب خانہ میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ دوسری نقل امپیریل لائبریری کلکتہ میں بھی ہے .... اس کتاب کا نام "شیر اللہ" ہے۔ اور زبان کچھ تو فارسی اور کچھ اس زمانہ کی چالو ہندی ہے.......... راقم الحروف نے زبان اپنی لکھی ہے کہیں کہیں ہندی رہنے دی ہے........"

"شیر شاہ مابعدالطبیعاتی مسائل پر گفتگو کر رہا ہے۔ خدا کی صفات پر بحث کرتے کرتے وہ جنت کا تصور کرتا ہے۔

شیر: تو جنت کیا سچ مچ کوئی "عشرت خانہ" ہے۔

ناظم: مسلمان تو اسے اعمال حسنہ کا انعام ہی جانتے ہیں۔

شیر: تو مجھ ایسا خدا کا ایک عاجز بندہ بھی جنت کی تعمیر کر سکتا ہے اور تم ایسے نیک صفت غلاموں کو اس میں بند کر سکتا ہے۔

ناظم: اسے زندیقیت کہیں گے جہاں پناہ!

شیر: زندیقیت یہ ہے یا وہ جو جنت کو ایک کھلونا بنائے۔

ناظم: تو پھر کیا ہونا چاہئے۔

شیر: جنت ہر بندے کے دائیں ہاتھ میں ہے۔ بندہ دنیا ہی میں جنت اور دوزخ بنا لیتا ہے۔ ہر اچھے عمل کے صحیح نتیجہ کا نام جنت اور ہر برے عمل کے برے نتیجہ کا نام دوزخ ہے۔ پاکیزہ روح کی انتہائی سرشاری جنت کی مثال ڈھونڈتی ہے۔

ناظم خاموش ہو جاتا ہے۔ گفتگو کا موضوع بدلتا ہوا روح پر سمٹ آتا ہے۔

شیر: بندے کو یہ جاننے کی خواہش تو ہونی چاہئے کہ روح کیا ہے؟

ناظم: نہ جاننا ہی اچھا ہے۔

شیر: میں "موی خواہ" ہوں (یہ شیر شاہ کے الفاظ ہیں) "ہندکون پرانے پنڈتوں سوں پوچھو" (ہندوستان کے پرانے پنڈتوں سے پوچھو)۔

ناظم: وہ بھی کچھ ٹھیک جواب نہیں دیتے۔

شیر: جواب تاہی اتر کہو۔ (جواب نہیں اتر کہو)۔ اچھا ہم سے سنو۔ روح وہ شکتی (یہ شیر شاہ کا لفظ ہے) ہے جو آدمی میں کچھ کرنے کی طاقت دیتی ہے یہ روح تھی جس نے ہم سے اتنا بڑا کام کرایا کہ میں آج شاہ ہوں۔ لیکن میری روح صاف نہیں ہے۔ ہمایوں کی روح زیادہ صاف ہوگی۔ مظلوم روحیں صاف ہوتی ہیں۔ اچھی ہوتی ہیں۔"

جناب عبدالباری خان جامعی صاحب اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "روح کی تعریف کتنی ہی ادھوری ہو لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ شیر شاہ نے ان مسئلوں پر سوچا اور شاید معقول بات کہی۔ خصوصاً ہمایوں کا ذکر جس انداز سے کیا گیا ہے۔ وہ اس کی سیرت کی بلندی کا پتہ دیتا ہے۔"

"ہندوستان کے علوم و فنون سے شیر شاہ کو کتنی دلچسپی تھی اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے ہوگا۔

شیر: مہابھارت کی کہانیاں تم نے سنی ہیں؟

ناظم: بہت کم۔

شیر: تو پھر تم نے اس ملک میں رہ کر جانا ہی کیا۔ ناظم خاموش رہا۔ شیر شاہ کچھ سوچ کر بولا۔

شیر: میں چاہتا ہوں کہ مہابھارت کے مضامین تمام دنیا تک پہنچ جائیں۔ اس میں فلسفہ اور حکمت کی بہت سی باتیں ہیں۔ اس کی بہت سی باتیں پرانے ایرانیوں کی کہانیوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ مجھے کچھ علماء مل جائیں تو میں ثابت کردوں کہ ہند، ایران اور عرب میں بہت زمانے سے میل جول چلا آتا ہے۔۔۔۔۔۔ ہندیوں کی مقدس کتاب رامائن بھی بہت خوب ہے۔۔۔۔۔۔"

ناظم: یہ کام تو بڑا مشکل ہے۔

شیر: آدمی مشکل کام کرنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے۔"

اس مکالمے پر تبصرہ کرتے ہوئے مقالہ نگار لکھتے ہیں:"۔۔۔۔۔۔ شیر شاہ کی نظر کتنی وسیع تھی اور فن علم الانسان اور علم آثار قدیمہ پر اس کی فطرت صالح کو کتنا عبور تھا۔ کیا یہ کہنا غلط ہوگا کہ اکبر نے مہابھارت کے فارسی ترجمہ کا جو کام شروع کرایا۔ اور ابوالفضل، نسبت خان، مولانا بدایونی، سلطان تھانیسری، ملا شیری اور فیضی وغیرہ نے جو کچھ کیا وہ شیر شاہ ہی کے زرخیز دماغ کی اپج تھی۔ شیر شاہ نے رہنمائی کی دوسروں نے اس کی تقلید کی۔"

شیر شاہ جب دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ تو ایک دن آئینہ میں اپنے سر کے سفید بالوں کو دیکھ کر بولا "دہلی کی بادشاہت ملی مگر شام کو۔"

شیر شاہ کو شعر و شاعری سے بھی شغف تھا۔ اکثر مورخ کل کے اعتبار سے شعر موضوع کرتا تھا۔ اس کے اپنے اشعار جابجا کتابوں اور تذکروں میں موجود ہیں۔ مثلاً بادشاہی ملی تو ان الفاظ میں خدا کا شکریہ ادا کیا۔

ع: فرید حسن راتو شاہی دہی ۔۔۔ ساہ ہمایوں بماہی دہی

علاقہ مانڈو کا ایک جاگیر دار و سردار ملو خان بڑا خود سر تھا۔ شیر شاہ نے اس پر فتح حاصل کر کے اپنے خاص ملازموں اور درباریوں میں شامل کر لیا۔ اس کو ملو خان سے ایک خاص انس ہو گیا تھا۔ لیکن ملو خان بادشاہ کی محبت و عنایات کے باوجود اس سے خوف زدہ رہتا تھا۔ آخر ایک دن موقع پا کر بادشاہ کی ہمراہی اور مصاحبت سے نکل بھاگ گیا۔ اس موقع پر شیر شاہ نے یہ شعر کہا۔

ع: باما چہ کرد دیدی ملو غلام کیدی ۔۔۔ قولست مصطفےٰ را لاخیر فی عبیدی

جناب عبدالباری خان اپنے مقالہ میں شیر شاہ کے اپنے چند اشعار بطور نمونہ تحریر کرتے ہیں:

برکھا شب کے برت ہیں ۔۔۔ بھور بھی ہو گوین بھینگ

(رات کو بارش ہوتی ہے، بھور بھی بھیگ گئی ہے۔)

دل مارا مضطر ہووے ۔۔۔ سبزہ ڈولت پینگ

(دل میرا بے چین ہے، سبزہ اس طرح ڈول رہا ہے جیسے کوئی پینگ مار رہا ہے۔)

خوشتر ہووے سارا عالم ۔۔۔ بدبختی سو گوئی نیند

(سارے عالم کو خوش ہونا چاہیے، اس وقت بدبختیاں بھی گہری نیند سوگئی ہیں۔)

آج سے صدیوں قبل نئے زمانہ کو جو تصور جمہوریت، اشتراکیت اور آمریت وغیرہ کا شیر شاہ دے گیا ہے۔ اس کے متعلق فاضل مقالہ نگار موصوف لکھتے ہیں۔ شیر شاہ کا کہنا ہے:

''حکمرانی یوں تو میری ہے۔ لیکن یہ کچھ اچھا نہیں ہے۔ خدا ایک ہے اور فردیت اسی کی شان ہے۔ جو اس بارے میں اس کی نقل اتارے وہ مشرک ہے۔ اللہ مجھے معاف کرے کہ کچھ کچھ میں بھی مشرک ہوں۔ حکومت تو اس کے بندوں کو کرنی چاہیے۔ تاکہ وہی اپنی اچھائیوں کے بھی مسئول ہوں اور برائیوں کے بھی۔ ایک شخص میں بہت سی اچھائیاں بھی سمٹ آتی ہیں اور بہت سی برائیاں بھی۔ حکومت بہت لوگوں میں بانٹ دی جائے تو اچھائیاں اور برائیاں بھی بٹتے بٹتے نفی کے برابر ہوجائیں۔ خدا مجھے توفیق دے کہ میں اس کے عام بندوں کی حکمرانی میں اولیٰ غلام ثابت ہوں۔''

شیر شاہ کی انصاف پسندی:

اختر سہرائی ''حیات شیر شاہ'' میں لکھتے ہیں: ''اس کا بیٹا عادل خان جو ولی عہد بھی تھا۔ ایک روز ہاتھی پر سوار ہوکر آگرہ کی کسی گلی سے گزر رہا تھا کہ ناگاہ ایک بقال (سبزی فروش) کے گھر کی انگنائی میں اس کی نظر پڑی۔ دیکھا کہ ایک نوجوان عورت غسل کر رہی ہے۔ عادل خان نے پان کی گلوری پھینک ماری اور چلتا ہوا۔ عورت تھی حیادار، غیر محرم کی اس حرکت پر اس کو سخت ندامت ہوئی۔ یہاں تک کہ اپنی جان دینے پر تیار ہوگئی۔ اتنے میں اس کا شوہر بھی آگیا۔ جب اس نے سنا...... دربار شاہی میں فریادی بن کر پہنچا...... بادشاہ بہت برافروختہ ہوا اور بھرے دربار میں یہ حکم دیا کہ یہ بقال اسی طرح ہاتھی پر سوار ہو۔ اور عادل خان کی بی بی (شیر شاہ کی بہو) اسی طرح سامنے بٹھلائی جائے۔ جسے یہ بھی گلوری مار کر بدلہ لے۔ اس حکم سے دربار شاہی میں کھلبلی مچ گئی۔ امراء نے ہر چند سفارشیں چاہیں۔ مگر یہ کہہ کر سب خاموش کردیے گئے کہ سفارش اس موقع کے لئے نہیں ہے۔ میری نگاہ میں ایک معمولی رعیت کی بیٹی اور بہو اپنی خاص بیٹی اور بہو کے برابر ہے۔ بقال نے دیکھا کہ جب شاہی حکم کسی طرح رک نہیں سکتا تو آگے بڑھا اور دست بستہ عرض کیا۔ جہاں پناہ میں اپنی داد کو پہنچ گیا۔ حضور کے حکم کے یہ معنی ہیں کہ ملزم کی سزا ہوگئی۔ اب میں خود اس بدلہ لینے سے درگزر کرتا ہوں۔''
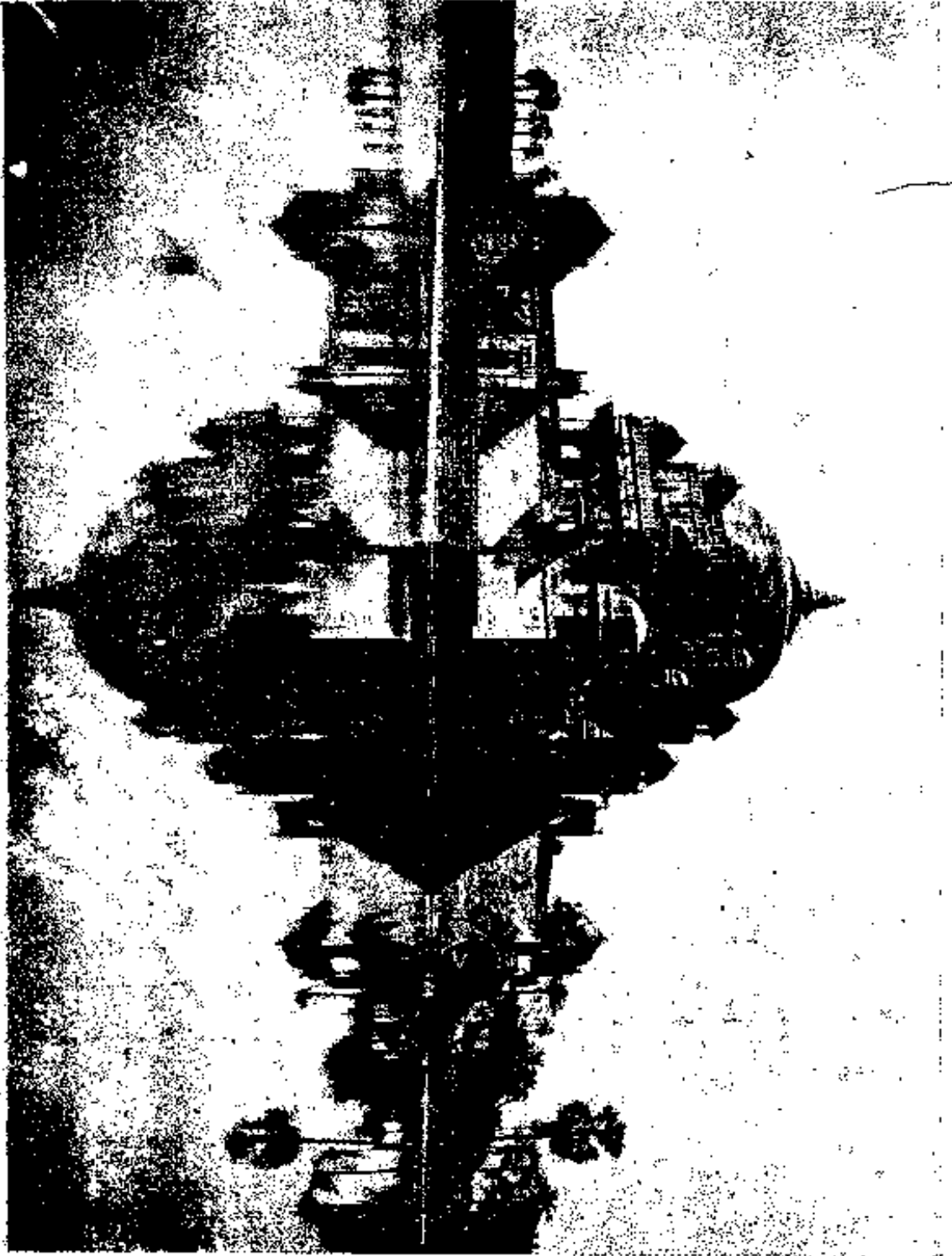
Plate VIII
Mausoleum of Sher Shah, general view, Sasaram.

سہسرام میں شیر شاہ سوری کا مزار
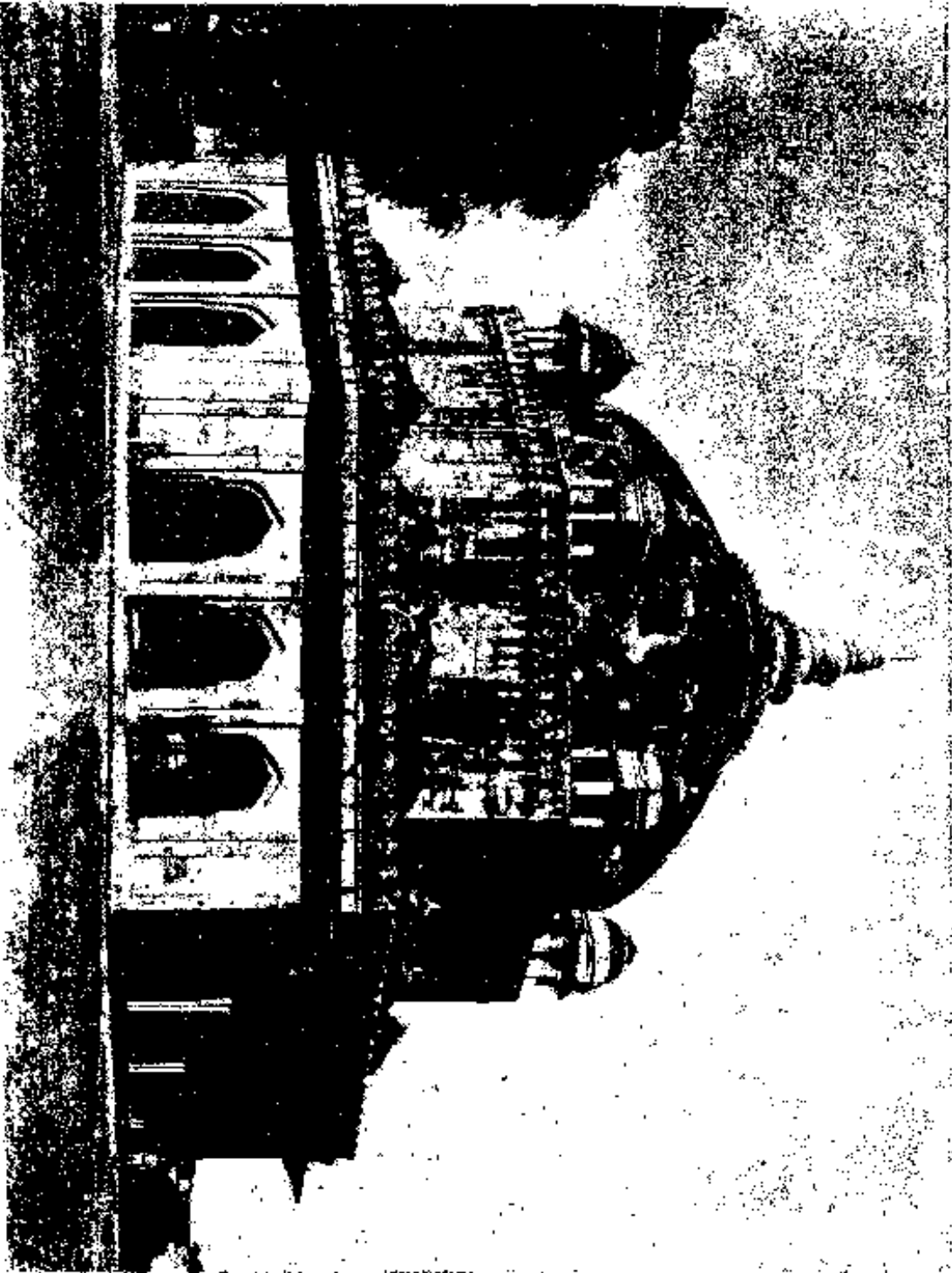
Plate VII
Hasan Khan's Mausoleum, general view, Sasaram.

سہسرام میں حسن خان سور کا مزار

عمدۃ الملک نواب داؤد خان قریشی علوی

سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے دربار کا ایک بہادر، شجاع اور ماہر جرنیل اور صوبہ دار صوبہ بہار نواب داؤد خان قریشی علوی کی جائے پیدائش حصار فیروزہ ہے۔ لیکن صوبہ بہار اس کو ایسا بھایا کہ ضلع گیا (موجودہ ضلع اورنگ آباد) میں داؤد نگر کے نام سے ایک قصبہ آباد کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے متوطن ہوا۔ نواب داؤد خان کا سلسلہ نسب حضرت عباس بن علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی اہلیہ بی بی لبابہ کے بطن سے جاری ہوا۔ تاریخی روایتوں سے شجرہ نسب اس طرح بنتا ہے۔

نواب داؤد خان قریشی علوی بن بھیکن خان بن کبیر خان بن فرید خان بن قاضی راضی خان المعروف بہ راضن خان بن رضی قریشی علوی بن محمد رمضان بن وجیہ اللہ بن عبداللہ بن بدرالدین بن نجیب الدین بن وجیہ الدین بن صلاح الدین بن تقی بن زکی بن محمد بن احمد بن یحیٰ بن طاہر بن ابراہیم.....بن عبیداللہ بن حسن بن عبداللہ بن عباس (زوجہ بی بی لبابہ بنت حارث) بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

حضرت رضی قریشی علوی ۹۱۸ھ مطابق ۱۵۲۲ء میں مکہ مکرمہ سے کابل آئے۔ کابل سے سلطان ظہیر الدین محمد بابر شاہ کے ہمراہ اپنے دس لڑکوں کے ساتھ لاہور آئے۔ لاہور میں حضرت رضی نے وصال فرمایا اور آپ کے گھر کے تمام افراد معہ مستورات کابل سے لاہور چلے آئے۔ بابر شاہ فتح لاہور کے بعد کابل واپس لوٹ گیا۔ اور حضرت رضی کا کنبہ لاہور سے دہلی منتقل ہو گیا۔ اس زمانہ میں سلطان ابراہیم لودھی تخت دہلی کا مالک تھا۔ حضرت رضی قریشی کے نو لڑکے فوج میں ملازم ہو گئے پانچویں صاحبزادے راضی قریشی بن رضی قریشی کو عہدہ قضا عطا ہوا۔

۹۳۲ھ مطابق ۱۵۲۶ء میں بابر نے ہندوستان کے حکمراں ابراہیم لودھی پر چڑھائی کی۔ دونوں کی فوجوں میں پانی پت کے میدان میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ حضرت رضی قریشی کے نو لڑکے ابراہیم لودھی کی فوج میں تھے۔ نوکے نو لڑکے اس جنگ میں قتل ہوئے۔ اس جنگ کے دوران ابراہیم لودھی اور اس کی پوری فوج جنگ میں مصروف تھی اور شہر دہلی خالی تھا۔ قاضی راضی بن رضی قریشی کے ساتھ کچھ مخالفوں نے فساد برپا کیا۔ اس فساد میں ایک شخص قاضی راضی کے ہاتھوں مارا گیا اور قاضی راضی کو دہلی چھوڑ کر حصار فیروزہ جانا پڑا۔

حصار فیروزہ کے دوران قیام قاضی راضی ایک بار لاہور تشریف لائے اور حضرت شاہ یوسف قتال رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوئے۔ حضرت شاہ یوسف قتال "قاضی جلال الدین لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ پیر نے حضرت راضی قریشی کو سلوک کی تعلیم دی اور اپنی طرف سے راضن خان کا خطاب دیا اور آپ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت قاضی راضی قریشی علوی المعروف بہ راضن خان کے سات بیٹے تھے۔ ان سات بیٹوں میں ایک کا نام فرید خان تھا۔ فرید خان قریشی کے ایک بیٹے کبیر خان قریشی تھے۔ کبیر خان کی محل اولی سے تین پسر بھیکن خان، داؤد خان اور محمد خان

تھے۔اورنگل ثانی سے صفی خان ہوئے۔صفی خان کے دو بیٹوں مرتضیٰ خان اور اللہ داد خان کے مزارات ضلع گیا (موجودہ اورنگ آباد) کے قصبہ داؤد نگر کے جنوبی گوشے میں اب بھی موجود ہیں۔داؤد خان قریشی کے سلسلہ میں مختلف روایتیں ملتی ہیں۔"تاریخ داؤدیہ" میں نواب داؤد خان قریشی کو کبیر خان کالڑکا، کتاب "دستور العمل" میں داؤد خان ولد خضر خان اور "مآثر الامراء" میں بھیکن خان کو داؤد خان کا باپ لکھا ہے۔ان روایتوں کو سامنے رکھتے ہوئے راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کا قیاس ہے کہ نواب داؤد خان قریشی علوی، بھیکن خان بن کبیر خان بن فرید خان بن قاضی راضی خان المعروف بہ راضی خان بن رضی قریشی علوی کے بیٹے تھے۔

نواب داؤد خان قریشی حصار فیروزہ میں پیدا ہوئے۔خان جہاں لودھی، شاہجہاں اور داراشکوہ کی ملازمت میں رہے۔سلطان اورنگ زیب عالمگیر شاہ اور داراشکوہ میں جنگ اقتدار شروع ہوئی تو نواب داؤد خان آخروقت تک داراشکوہ کے ساتھ رہے۔لیکن داراشکوہ اپنی ناتجربہ کاریوں اور جلد بازیوں کی بنا پر ناکام ہوا اور بھاگتا ہوا آگرہ، دہلی، لاہور اور ملتان جا پہنچا۔اس کے بعد گجرات کی طرف چلا گیا۔داؤد خان قریشی ملتان تک دارا کے ساتھ رہے اور اپنی وفاداری نبھاتے رہے۔آخر ماہ محرم ۱۰۶۹ھ مطابق ۱۶۵۸ء میں نواب داؤد خان قریشی داراشکوہ سے الگ ہوکر حصار فیروزہ چلے گئے۔

داراشکوہ بن سلطان شاہجہاں نے جب میدان چھوڑ دیا تو سلطان اورنگ زیب عالمگیر شاہ نے تمام امراء، رؤساء اور باصلاحیت سرداروں کو عام معافی دے دی۔داؤد خان قریشی نے بھی بادشاہ عالمگیر کے دربار میں حاضری دی اور ۱۰۶۹ھ مطابق ۱۶۵۹ء کو اعلیٰ عہدے پر فائز کئے گئے۔اپنی ذاتی خداداد صلاحیتوں سے اورنگ زیب کے درباریوں اور افسروں میں نمایاں کامیابی اور مقام حاصل کیا۔اورنگ زیب اور شجاع کے درمیان جو معرکے ہوئے داؤد خان قریشی اورنگ زیب کے ساتھ رہے اور اپنی بہادری اور اعلیٰ کارکردگی کے جوہر دکھائے۔آخرکار ایک شاہی فرمان کے ذریعہ صوبہ بہار کی صوبہ داری پر فائز کئے گئے۔داؤد خان قریشی نے بڑے احسن طریقے اور خوش اسلوبی سے صوبہ کا نظام درست کیا۔دوسرے تمام دعویدارانِ حکومت کی چیرہ دستیوں سے صوبہ کو محفوظ اور ہر قسم کی بدامنی اور شورش سے بچائے رکھا۔

۱۰۶۹ھ مطابق ۱۶۶۰ء میں شہزادہ محمد سلطان بن اورنگ زیب اور شاہ شجاع کی مشترکہ بغاوت کو صوبہ دار بہار داؤد خان قریشی نے بھرپور حملہ کے ساتھ مل کر کچل دیا اور شاہ شجاع کو ارکان کی طرف بھاگنے پر مجبور کیا۔اس جنگ میں داؤد خان قریشی نے اپنی بہادری، حکمت عملی اور جنگی مہارت کے خوب خوب جوہر دکھائے جس سے خوش ہوکر سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے داؤد خان قریشی کو طلب فرمایا اور سات پارچے خلعت ایک زنجیر فیل ایک مرصع کٹار عطا کیا اور نواب کے خطاب سے سرفراز کیا۔

نواب داؤد خان قریشی کا ایک بڑا کارنامہ معرکہ پلاموں ہے۔صوبہ بہار کا علاقہ پلاموں اس زمانے میں گھنے جنگلوں، اونچی نیچی پہاڑیوں، دشوار گزار دروں، گھاٹیوں اور خطرناک ندی نالوں والا لق و دق علاقہ تھا۔جنگجو قبائلیوں کے اس علاقے کی وسعت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ صدر مقام پٹنہ سے صرف اسی میل کی دوری پر اس کی سرحد تھی۔اس علاقہ پر چیرو قبیلہ کا سردار میدنی رائے حکمراں تھا۔میدنی رائے نے بے شمار آہنی و مضبوط قلعے گھنے جنگلوں اور پہاڑیوں کے درمیان بنا رکھے تھے۔اس کے مشہور قلعے ا۔ قلعہ کوٹھی ۲۔ قلعہ

کونڈا ۳۔ قلعہ دیوگن اور ۴۔ قلعہ پلاموں تھے۔ شاہجہاں کے زمانہ میں شائستہ خان بھی اس مہم پر گیا تھا۔ بڑی مشکلوں سے راجہ کو خراج دینے پر مجبور کرسکا پوری طرح اس کو قابو میں نہ کرسکا۔ نواب داؤد خان نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اور بڑی جاں فشانیوں اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اس مہم کا آغاز کیا۔ اس معرکہ میں اس کے با اعتماد سرداروں کے علاوہ اس کے اپنے سگے بھتیجوں شیخ تاتار اور شیخ احمد بھی شامل تھے۔ مارچ ۱۶۶۱ء میں نواب نے اس مہم کا آغاز کیا اور دسمبر ۱۶۶۱ء میں پورے علاقے کو اپنے قبضے میں کرلیا۔ راجہ کے سب سے بڑے اور مستحکم قلعہ، قلعہ پلاموں کو فتح کرکے وہاں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جو اب تک شکستہ حالت میں موجود ہے اور اس کی ایک دیوار پر قطعہ تاریخ فتح کندہ ہے۔ اس کا ایک شعر اس طرح ہے۔

کفر در ایں بود پلاموں از نبرد حالیا داؤد خان اسلام کرد

پلاموں کے علاقے کو نواب داؤد خان قریشی نے ایک سردار منگلی خان کے حوالے کیا اور خود اپنے صدر مقام پٹنہ واپس آیا۔ منگلی خان کو شاہی فرمان کے ذریعہ پلاموں کا فوجدار مقرر کیا گیا۔ داؤد خان قریشی علوی ۱۰۶۹ھ (۱۶۶۰ء) سے ۱۰۷۴ھ (۱۶۶۵ء) تک صوبہ دار بہار رہا اور اس نے بہار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا وطن بنالیا۔ اور آج تک ان کی اولاد اس صوبہ میں آباد ہے۔ نواب داؤد خان قریشی نے ضلع گیا (موجودہ ضلع اورنگ آباد) کے قریب ایک بڑا قصبہ بڑے قرینے (Plaining) سے آباد کیا اور اس کا نام داؤد نگر رکھا۔ اس قصبے میں مسجد و مدرسے تعمیر کرائے اور ہر قسم کی صنعت و حرفت سے تعلق رکھنے والے افراد کو آباد کیا۔ جن کے رہنے کے لئے الگ الگ محلے اور علاقے مخصوص کئے۔ یوں تو نواب نے داؤد نگر کی بنیاد ۱۶۶۲ء میں رکھ دی تھی لیکن پوری تیاری سے تعمیرات کا کام اور آبادی کی ابتدا ۱۶۷۲ء میں ہوئی۔ نواب نے اپنے خاندان اور اہل و عیال کے لئے ایک عالی شان و عریض محل بھی تعمیر کرایا تھا۔ داؤد نگر میں داؤد خان کے دو بھتیجوں مرتضیٰ خان، اللہ داد خان اور دوسرے اعزاء و اقارب کے پختہ مزارات پائے جاتے ہیں۔

داؤد خان قریشی علوی کے زمانہ صوبیداری میں اس کے ایک ملازم جعفر نے ایک عمارت بنوائی تھی جس کا نام دارالعدل تھا۔ پٹنہ میں اب یہ عمارت باقی نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ خواجہ کلاں تھانے کی عمارت ہے اور اس کی دیوار پر ایک کتبہ نصب ہے جس پر یہ عبارت تحریر کی ہوئی ہے۔

بہر عدل و داد مظلومان ز دست ظالماں ساخت دارالعدل جعفر بندۂ داؤد خاں

ساتھ ہی تھانہ کے صحن میں ایک مزار ہے جس پر ایک کتبہ موجود ہے۔ اس کتبہ کی عبارت بتا رہی ہے کہ داؤد خان کے دارالعدل کو نواب فخر الدولہ کے ملازم حسن علی نے ۱۱۴۲ھ میں دوبارہ مرمت کرایا تھا۔ مزار کا کتبہ درج ذیل ہے۔

بندۂ نواب فخر الدولہ ممدوح زماں آنکہ در نامش حسن را با علی باشد قرآں

ساخت دارالعدل جائے نکو مناسب داد دو ہزار و یکصد و چہل و دو بنا کرد تاریخ آں

نواب داؤد خان قریشی علوی ۱۶۶۵ء مطابق ۱۰۷۴ھ تک صوبہ دار بہار رہے اور اس کے بعد تازیست سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کی ملازمت میں رہ کر مختلف معرکوں میں شامل رہے۔ ۱۰۷۴ھ میں وہ خاندیش کے صوبہ دار بنے۔ اور اسی دوران ۱۰۷۹ھ تک

شیواجی کی سرکوبی کے لئے دکن کی مہم پر رہے۔۱۰۷۷ھ کو بیجاپور کے معرکے میں شامل ہوئے۔اس مہم کے بعد برار کی صوبہ داری اور پھر ۱۰۸۴ھ میں الہ آباد کی صوبہ داری پر بھیجے گئے۔جس زمانہ میں کابل میں بدامنی پھیلی تو اورنگ زیب کی نظر اپنے سردار نواب داؤد خان قریشی پر پڑی۔سلطان نے نواب کو منصب شش ہزاری اور ''عمدۃ الملک'' کے خطاب سے سرفراز کیا اور کابل جانے کا حکم دیا۔نواب داؤد خان قریشی یہ حکم پاتے ہی اپنے وطن داؤد نگر ضلع گیا صوبہ بہار تشریف لائے۔جاگیر کے انتظام و انصرام سے فراغت اور اہل و عیال سے ملاقات کے بعد پوری تیاری کے ساتھ کابل کے لئے روانہ ہوئے۔لیکن افسوس اورنگ زیب عالمگیر کے اس لائق و فائق اور بہادر سردار کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔وہ بمشکل اپنے وطن سے نکلے ہی تھے اور صوبہ بہار کے ضلع شاہ آباد آرہ کے مشہور و معروف قلعہ رہتاس گڑھ ہی پہنچے تھے کہ پیغام اجل آ پہنچا۔عمدۃ الملک نواب داؤد خان قریشی علوی کے پر پوتے نواب عنایت اللہ خان المعروف حمید ثانی نے جو قطعہ تاریخ لکھی ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ نواب داؤد خان کا وصال ۱۶۷۳ء مطابق ۱۰۸۴ھ میں ہوا اور قلعہ رہتاس گڑھ میں مدفون ہوئے۔

۱۷۴۳ء میں باجی راؤ پچاس ہزار سواروں کے ساتھ بنگال پر حملے کے لئے روانہ ہوا۔صوبہ بہار کے جس جس علاقے سے وہ گزرا وہاں کے سرداروں نے سر تسلیم خم کیا۔اس وقت داؤد نگر میں عمدۃ الملک نواب داؤد خان قریشی کے جانشین پوتے نواب احمد خان مرحوم نے مرہٹی طوفان کا غوث گڑھ میں مقابلہ کرنے کی جرأت کی لیکن ناکام رہے۔آخر پچاس ہزار جرمانہ پر گلو خلاصی ہوئی۔

افسوس تاریخ کے اتنے بڑے جرنیل اور کامیاب صوبیدار عمدۃ الملک نواب داؤد خان قریشی کے ذکر سے ہندوستان کی تاریخ خاموش اور مورخوں کا قلم گنگ ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ نواب کے ورثا بھی غربت و گمنامی کا شکار ہوئے۔راقم قیام الدین نظامی القروی کو کوشش کے باوجود داؤد نگر کے بانی باری دستیاب نہ ہو سکے۔

نقشہ خاندان و اولاد عمدۃ الملک نواب داؤد خان قریشی
محمد رضی قریشی مکی
محمد کاظم
محمد صابر
محمد واسع
محمد شاکر
قاضی محمد راضی عرف راض خان قریشی
محمد عالم
محمد تقی
محمد جواد
محمد زکی
پسر
پسر
قاضی فرید خان قریشی
پسر
پسر
پسر
پسر
قاضی کبیر خان قریشی
از محل اولی
از محل ثانی
قاضی بھیکن خان قریشی
پسر
محمد خان
صفی خان
مرتضی خان
اللہ داد خان
عمدۃ الملک نواب داؤد خان قریشی علوی
صوبہ دار بہار
نواب حمید خان قریشی
صوبہ دار گجرات و فوجدار بھوجپور متوفی ۱۰۹۳ھ
نواب جشید خان قریشی
متوفی ۱۰۹۸ھ
نواب جیون خان قریشی
نواب عنایت اللہ خان عرف حمید خان ثانی
نواب فقیر اللہ خان عرف احمد خان
از محل اولی
از محل ثانی
نواب شکر اللہ خان
غلام غوث خان
حیدر قلی خان
احسان علی خان
نواب اسد اللہ خان
نواب رحم اللہ خان
نواب روح اللہ خان
نواب اکرام اللہ خان
عرف امام الدین خان
از محل اولی
از محل ثانی
ولایت اللہ خان
ولی اللہ خان

Plate X
Rohtas Palace-complex, Palace, inside view.

قلعہ رہتاس گڑھ - بہار
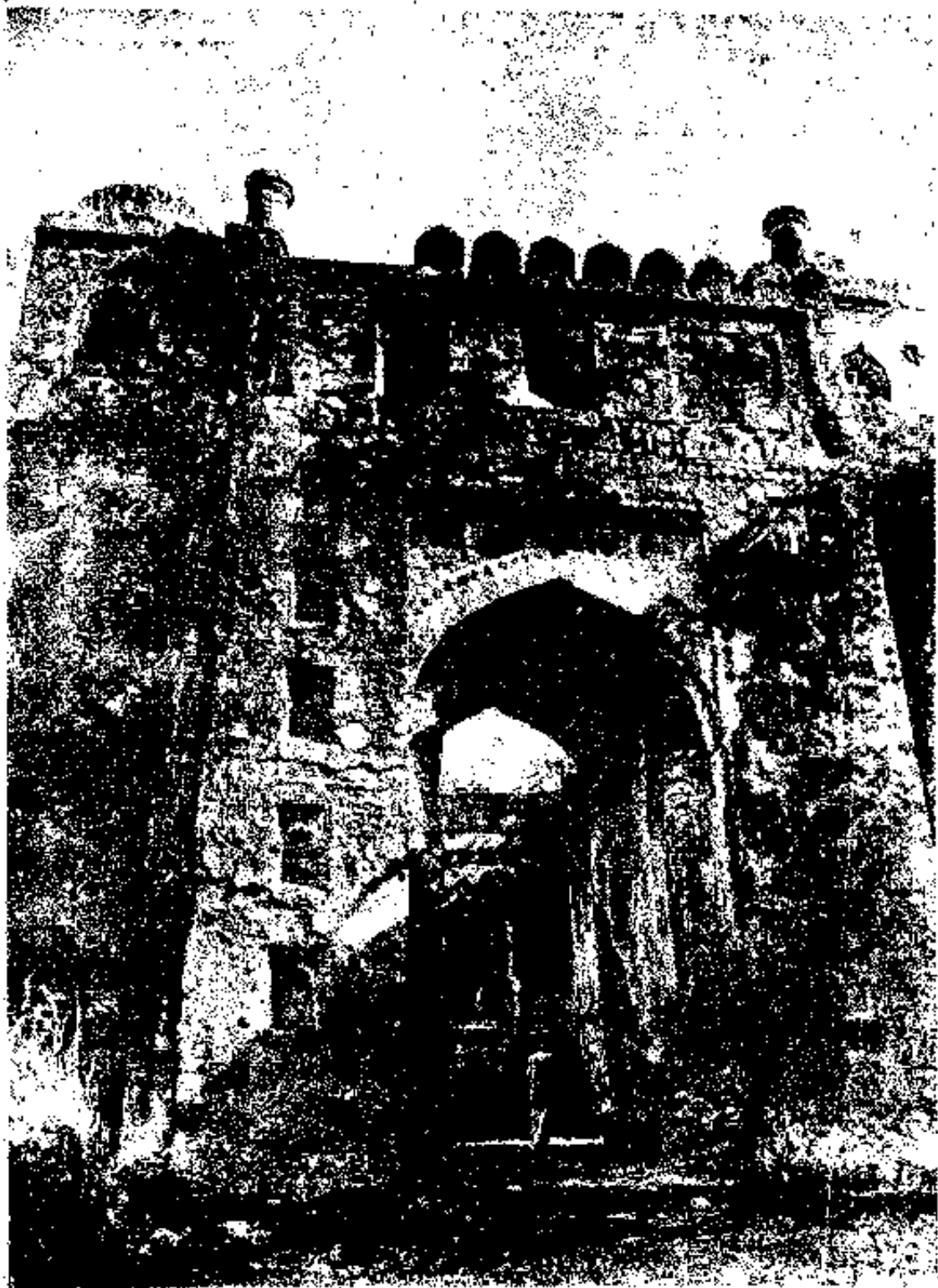
Plate XIV
General view of the main entrance gateway of the Palamau fort.

قلعہ پالامو کا صدر دروازہ
— بہار —

منصور الملک نواب سراج الدولہ

آج برصغیر میں منصور الملک مرزا محمد عرف نواب سراج الدولہ کو مسلمان اور ہندو مشترکہ طور پر ایک قومی ہیرو، انگریز کے دشمن اور جنگ آزادی کے پہلے مجاہد کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ جس کی پوری زندگی صوبہ بہار، بنگال، اڑیسہ اور راج محل کو انگریزوں کی دست برد سے بچانے میں صرف ہوئی۔ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان ہی صوبہ جات کے گرد گردش کرتی نظر آتی ہے۔ سراج الدولہ کے والد اور سراج الدولہ نے ایک عرصہ عظیم آباد پٹنہ میں بحیثیت صوبہ دار نواب علی وردی خان کی نیابت کی۔ نواب سراج الدولہ بہار، بنگال اور اڑیسہ کے حاکم نواب مرزا محمد علی عرف نواب علی وردی خان مہابت جنگ کا نواسہ اور صوبہ دار عظیم آباد پٹنہ (بہار) نواب زین الدین ہیبت جنگ کا بیٹا تھا۔ اگست ۱۷۳۳ء میں پیدا ہوا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے سال پیدائش ۱۷۲۷ء اور ۱۷۱۹ء بھی لکھا ہے۔ یہ بچہ بڑا حسین و جمیل تھا اور اپنے نانا نواب علی وردی خان کی آنکھ کا تارا تھا۔ شفقت و محبت سے سرشار علی وردی خان نے اپنے اس نواسے کا نام اپنے باپ مرزا محمد کے نام پر مرزا محمد رکھا۔ اور مرزا محمد عرف سراج الدولہ نے اپنے نانا نواب علی وردی خان اور نانی اشرف النساء بیگم کے زیر سایہ پرورش پائی۔ اشرف النساء بیگم بڑی دور اندیش اور قابل خاتون تھیں اور اپنے شوہر علی وردی خان کی مشیر اور دست راست تھیں۔ انہوں نے سراج الدولہ کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ علی وردی خان نے بھی اس کی تعلیم کے ساتھ فوجی تربیت کا خاص انتظام کیا۔

بعد اورنگ زیب بہار و بنگال کی مختصر تاریخ:

سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی وفات (۱۷۰۷ء) سے قبل ۱۷۰۴ء میں محمد ہادی عرف مرشد قلی خان کو اپنے پوتے عظیم الشان کی سفارش پر بنگال کا صوبہ دار مقرر کر دیا تھا۔ صاحبزادہ محمد عمر مرحوم نے اپنی کتاب "سراج الدولہ" میں لکھا ہے کہ مرشد قلی خان ایک برہمن زادہ نومسلم تھا۔ حاجی صوفی اصفہانی ایک ایرانی سوداگر نے پرورش کی۔ اسلامی نام محمد ہادی تھا۔ ترقی کر کے ۱۷۰۱ء میں دیوان بنگالہ کے عہدے پر فائز ہوا۔ اپنی صلاحیت سے اس وقت کے صوبہ دار بنگالہ عظیم الشان بن معظم شاہ بن سلطان اورنگ زیب عالمگیر کا نور نظر ہو گیا۔ محمد ہادی عرف مرشد قلی خان بڑا لائق صوبہ دار تھا۔ اس نے بنگال کے نظام حکومت میں قابل قدر اصلاحات کیں۔ تاریخ میں وہ راجہ ٹوڈرمل ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے مقصود آباد کا نام بدل کر مرشد آباد رکھا اور ڈھاکہ کی جگہ اس کو صوبہ کا دار الخلافہ بنایا۔ اس کی صرف ایک بیٹی زیب النساء تھی جو نواب شجاع الدین عرف شجاع الدولہ اسد جنگ سے منسوب تھی۔ مرشد قلی خان کے بعد شجاع الدولہ اسد جنگ بنگال کا صوبہ دار ہوا۔

نواب شجاع الدولہ اسد جنگ اپنے سسر مرشد قلی خان کے بعد بنگال کا صوبہ دار ہوا اس نے ۱۷۳۳ء میں بہار کے صوبہ کو جس کی مشرقی سرحد تیلیا گڑھی تک پھیلی ہوئی تھی بنگال میں شامل کر لیا۔ اس طرح انگریزی دور حکومت میں ۱۹۱۲ء تک بہار و بنگال ایک صوبہ رہا۔

شجاع الدولہ اسد جنگ، جس زمانہ میں اڑیسہ کا صوبہ دار تھا۔ مرزا محمد علی وردی خان اس کا مشیر خاص اور بڑا اہم درباری تھا۔ علی وردی خان سے اس کے بڑے دیرینہ تعلقات تھے اور دور کی کچھ قرابت داری تھی۔ اس لئے شجاع الدولہ اسد جنگ نے بنگال کے صوبہ دار ہونے اور صوبہ بہار کو بنگال میں شامل کرنے کے بعد ملکی انتظام کی بہتری کے لئے علی وردی خان کو عظیم آباد پٹنہ صوبہ بہار کی صوبہ داری عطا کی۔ عین اس ترقی اور اس اعلیٰ عہدہ کے پانے کے وقت اس کا نواسہ سراج الدولہ پیدا ہوا۔ اس پورے واقعے کو ڈاکٹر کالی کنکر دتا، صدر مدرس شعبہ تاریخ، پٹنہ یونی ورسٹی اپنے ایک مقالہ "BIHAR UNDER THE HOUSE OF ALI VARDI"(COMPREHENSIVE HISTORY OF BIHAR) میں لکھتے ہیں:

"After this investiture,Alivardi presnted himself before Shuja-ud-din,who also on his own part gave him an elephant, a sword,a dagger,an embroidered head-dress along with other presents and a patent for the Deputy Governorship of Bihar."

"A fews days before Alivardi received this new appointment,his youngest daughter Amina Begam,married to his youngest nephew Zainud din Ahmed ,had given birth to a son,Alivardi had no son of his own;he named his grandson Mirza Muhammad (later on called Nawab Sirajud Dawlah), and made him an object of special favour and affection, as his birth was synchronous with his elevation to that high post.Having obtained permission to take with him his two sons-in-law,his newly born grandson and several other relatives,Alivardi started for Azimabad(Patna) in 1734 with five thousand soldiers,infantry and cavalry."

مندرجہ بالا سطور سے جو بات پورے طور پر واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ۱۷۳۴ء کی تاریخ کو سراج الدولہ کی پیدائش ہوئی اور اسی سن عیسوی کو علی وردی خان کو بہار کی گورنری ملی اور اسی تاریخ کو علی وردی خان مرشد آباد سے عظیم آباد پہنچا۔ علی وردی خان کے ساتھ اس کا شیر خوار نواسہ سراج الدولہ، اہل خانہ اور چند دوسرے اعزا و اقارب بھی عظیم آباد پٹنہ (بہار) آئے۔ سراج الدولہ کی شیر خوارگی اور بچپن کا زمانہ عظیم آباد میں گزرا اور اس کی تعلیم و تربیت کی ابتدا اسی شہر سے شروع ہوئی۔ علی وردی خان نے ملکی انتظام کو بڑی کامیابی سے چلایا۔ امن

و امان قائم کیا۔ بہار کے سر پھرے زمینداروں کو حاکم بنگالہ کا مطیع اور فرمانبردار بنایا۔ فوجی طاقت کو منظم کیا۔ پٹنہ ہندو قبائل اور بہار کے افغان پٹھانوں کی سرکشی کو قابو میں کیا۔ اس طرح علی وردی خان کی صوبہ داری عظیم آباد کے زمانہ میں مرکز اور صوبہ دونوں کی آمدنی (Revenue) میں اضافہ ہوا۔ اسی دوران علی وردی خان نے کئی فوجی مہم بھی سر کئے۔ نواب شجاع الدولہ نے مارچ ۱۷۳۹ء میں انتقال کیا اور اس کا بیٹا سرفراز خان حاکم بنگالہ، بہار و اڑیسہ ہوا۔ لیکن یہ ایک کمزور اور نااہل حکمران ثابت ہوا۔ آخر علی وردی خان گورنر عظیم آباد سے ایک فوجی جھڑپ میں سرفراز خان مارا گیا اور علی وردی خان ۱۷۴۰ء میں بلا شرکت غیرے پورے بنگال اور بہار و اڑیسہ کا مالک تھا۔

علی وردی خان کا اصل نام مرزا محمد علی عرف علی وردی خان تھا۔ دہلی دربار سے حسام الدولہ اور مہابت جنگ کا خطاب ملا۔ مرشد آباد میں اپنے جلوس کے بعد اپنے داماد زین الدین احمد خان یعنی سراج الدولہ کے باپ کو بہار کا گورنر بنا کر بھیجا۔ اب سراج الدولہ نواب حسام الدولہ علی وردی مہابت جنگ حاکم بنگال، بہار، اڑیسہ اور راج محل کا نواسہ تھا۔ اور گورنر عظیم آباد پٹنہ کا بیٹا۔ نانا نانی کی نگہہ داشت اور باپ کی توجہ خاص کے سائے میں پرورش پا کر مرزا محمد سراج الدولہ ایک وقت آیا جب نواب منصور الملک سراج الدولہ بنا۔ دہلی دربار سے سراج الدولہ کے نانا کو "مہابت جنگ" باپ کو "ہیبت جنگ" اور خود اس کو "شاہ قلی خان بہادر" کے خطابات ملے۔ نواب علی وردی خان مہابت جنگ کو ساری عمر لٹیرے مرہٹوں کی یلغار کا سامنا رہا اور اس نے بڑھاپے کی دہلیز تک مرہٹوں کو پے در پے شکست دی۔ اس معرکہ آرائی میں زین الدین ہیبت جنگ اور سراج الدولہ اس کے شانہ بشانہ نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنوں کی ریشہ دوانیوں اور انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت نے نواب علی وردی خان کو ہمیشہ متفکر رکھا۔ سب سے بڑا غم جو علی وردی خان کو سہنا پڑا وہ اس کے بھتیجے اور داماد زین الدین احمد خان ہیبت جنگ کا قتل تھا، جس کو افغانوں نے سازش کر کے عظیم آباد پٹنہ کے چہل ستون میں قتل کیا تھا۔ مختصر یہ کہ نواب علی وردی خان مہابت جنگ نے مرہٹوں کی سازش، افغانوں کی یلغار اور اپنوں کی سازش کا قلع قمع کیا۔ اپنے نواسے نواب منصور الملک سراج الدولہ کو ۱۷۴۸ء میں عظیم آباد پٹنہ (بہار) کا گورنر مقرر کیا۔ نواب سراج الدولہ کے والد زین الدین ہیبت جنگ مرحوم کی قبر عظیم آباد پٹنہ کے محلہ بیگم پور میں "ہیبت جنگ کا مقبرہ" کے نام سے مشہور ہے۔

نواب منصور الملک سراج الدولہ جب عظیم آباد پٹنہ کا گورنر بنا تو اس کا بڑا وقت اس شہر میں گزرتا تھا۔ اور امراء و رؤساء کی ایک بڑی تعداد نے اس کو علی وردی خان مہابت جنگ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ علی وردی خان نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ۱۷۵۴ء میں سراج الدولہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور اس کا اعلان کرتے ہوئے اپنی مہر حکومت اس کے حوالے کر دی۔ علی وردی خان مہابت جنگ اسی سال کی عمر میں ۱۷۵۶ء میں وفات پائی اور مرشد آباد کے خوش باغ میں آسودۂ خاک ہوئے۔

نواب منصور الملک سراج الدولہ نانا کے وصال کے بعد بنگال اور بہار و اڑیسہ کا نواب بنا اس وقت اس کی عمر ۲۲ یا ۲۳ سال کی تھی۔ لیکن وہ بڑا لائق اور ہونہار نوجوان تھا اور انتظامی معاملات کی بڑی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ دہلی دربار سے جو مراعات انگریز تاجروں اور خصوصی طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو مل رہی تھی سراج الدولہ اس کا مخالف تھا۔ اس نے انگریزوں کو بنگال میں مزید قلعے بنانے اور مورچہ بندیاں کرنے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ انگریزوں نے نواب کی

حکومت سے سرکشی کی اور بنگال خاص کر کلکتہ میں قلعہ کی مرمت شروع کردی اور انہیں مضبوط سے مضبوط تر کرنے لگے۔انگریز اس لئے سر پر چڑھے جارہے تھے کہ وہ سراج الدولہ کے خالہ زاد اور چچازاد بھائی مرزا ہمایوں شوکت جنگ اس سازش میں شریک تھے کہ صوبے داری سراج الدولہ سے چھین کر اسے دی جائے۔انگریز تاجروں کی بے باکی اور بدتہذیبی ناقابل برداشت ہوگئی تو سراج الدولہ نے بنگال سے ان کی بیخ وبن اکھیڑ پھینکنے کا فیصلہ کرلیا۔۱۴مئی ۱۷۵۶ء کو انگریز کوٹھی واقع قاسم بازار کا محاصرہ کرلیا۔مسٹر وٹس نے بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دیئے اور قاسم بازار کے برطانوی کوٹھی اور کارخانے پر سراج الدولہ کا قبضہ ہوگیا۔یہاں سے فارغ ہوکر سراج الدولہ ۵ جون ۱۷۵۶ء کو کلکتے پر چڑھ دوڑا۔راستہ میں انگریزوں کے قلعے ہنا کو قبضہ کرتا ہوا کلکتہ جاپہنچا۔کلکتہ کا قلعہ فورٹ ولیم سر ہوا اور کلکتہ پر سراج الدولہ کا پورا کنٹرول ہوگیا۔ کلکتہ کی فتح کے سلسلہ میں ایک بے بنیاد داستان مشہور ہے کہ سراج الدولہ نے کلکتہ میں ۱۴۶ انگریز قیدیوں کو ۲۰ فٹ مربع کوٹھری (بلیک ہال) میں بند کردیا تھا۔اس تنگ وتاریک کمرے میں ۱۲۳ قیدی دم گھٹ کر مرگئے صرف ۲۳ زندہ تھے لیکن ان کی حالت بھی غیر تھی۔یہ ایک لغو اور جھوٹی داستان ہے جو ایک انگریز ہال ویل کی گڑھی ہوئی کہانی ہے۔ہال ویل کی تحریر کے علاوہ اس واقعہ کا ذکر اس وقت کے کسی تذکرہ یا تاریخ میں موجود نہیں۔خود بعد کے انگریز مصنفین نے اس واقعہ کو سراسر جھوٹ ثابت کیا ہے۔

نواب منصور الملک سراج الدولہ پوری تندہی کے ساتھ انگریزوں سے برسر پیکار تھا اور دوسری طرف خود اس کے گھر کے افراد یعنی اس کا چچازاد بھائی مرزا ہمایوں شوکت جنگ صوبہ دار پورنیہ، سگی خالہ گھسیٹی بیگم اور میر جعفر اس کے خلاف سازش میں مصروف تھے۔ شوکت جنگ کا خاتمہ تو سراج الدولہ کے وزیر مہاراجہ موہن لال اور عظیم آباد پٹنہ کے صوبہ دار راجہ رام نرائن نے کردیا۔لیکن گھسیٹی بیگم اور میر جعفر نے ولب رام، جگت سیٹھ اور امی چند جیسے غداروں کے ساتھ مل کر انگریزوں کے ساتھ ساز باز شروع کی۔کلکتہ پر سراج الدولہ کے قبضے کی جب خبر مدراس پہنچی تو کلائیو ایک فوج لے کر سمندری راستے سے کلکتہ پہنچا اور اپنی فوج کو ساحل سمندر پر اترنے کا حکم دیا۔سراج الدولہ کا دیوان کلکتہ میں مانک چند تھا بغیر کسی مزاحمت کے بھاگ نکلا اور کلائیو نے کلکتہ پر قبضہ کرلیا۔سراج الدولہ اپنی فوج کے ساتھ کلکتہ پہنچا اور اس کی ایک جھڑپ کلائیو کے ساتھ ہوئی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوسکا آخر کلائیو اور نواب کے ساتھ ایک صلح نامہ طے پاگیا۔کلائیو نے دیکھا کہ نواب سراج الدولہ سے فوجی طاقت کے ذریعہ قابو پانا مشکل ہے تو اس نے میر جعفر کو لالچ دے کر غداری پر راضی کیا۔میر جعفر، سراج الدولہ کا قرابت دار یعنی علی وردی خان کا بہنوئی تھا اور سراج الدولہ کی فوج کا سپہ سالار تھا۔

جب غداری کی سازش طے پاگئی میر جعفر اور ولب رام دونوں سپہ سالاروں نے کلائیو کو یقین دلادیا کہ جنگ کے میدان میں وہ کمپنی کی فوج کی کامیابی کو یقینی بنائیں گے تو کلائیو اپنی فوج کے ساتھ پلاسی کے میدان کارزار میں جاپہنچا۔سراج الدولہ کو جب خبر ملی تو وہ اپنی فوج کے ساتھ کلائیو کے مقابلہ کو نکل کھڑا ہوا۔اس کی فوج میں میر جعفر اور ولب رام جیسے غداروں کے علاوہ مہاراجہ موہن لال اور میر مدن جیسے وفا شعار جنرل بھی تھے۔۵شوال ۱۱۷۵ھ بمطابق ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کا دن تھا۔ایک خونریز جنگ کا آغاز ہوا۔مہاراجہ موہن لال اور میر مدن نے اپنی بہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے اور انگریز فوج کو ناکوں چنے چبوائے لیکن افسوس میر جعفر اور ولب رام جن کی کمان میں فوج کا ایک بڑا بلکہ آزمودہ کار دستہ تھا اپنی اپنی جگہ خاموش کھڑے رہے۔دوسرا حادثہ یہ ہوا کہ میر مدن کو ایک گولہ لگا اور وہ سراج الدولہ کے سامنے

چلن بساط اب صرف مہاراجہ موہن لال تھا اور اس کی مختصر سی فوج۔ آخر نواب منصور الملک سراج الدولہ میدان جنگ سے راتوں رات مرشد آباد پہنچا۔ خزانے کا منہ کھول دیا اور لوگوں میں تقسیم کر کے اور اپنی اہلیہ لطف النساء بیگم اور دیگر مستورات کو لے کر محل سے نکل گیا۔ مہاراجہ موہن لال اس جنگ میں گرفتار ہوا۔ میر جعفر کی اطاعت سے انکار کیا اور قتل کیا گیا۔

نواب سراج الدولہ میدان جنگ سے مرشد آباد اور پھر مرشد آباد سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ بحفاظت نکل چکا تھا لیکن راستہ میں وہ میر قاسم داماد میر جعفر کے ہاتھوں قید ہوا اور مرشد آباد لایا گیا۔ میر جعفر کے بیٹے میرن نے اسے ایک شخص محمدی بیگ کے حوالے کیا۔ جس نے نواب کو قتل کیا۔

منصور الملک نواب سراج الدولہ شہید کی شہادت کی خبر سے پورے صوبہ بہار اور بنگال میں کہرام مچ گیا۔ عوام و خواص میں صف ماتم بچھ گئی۔ لوگ سڑکوں اور گلیوں میں نکل آئے۔ مہاراجہ رام نرائن موزوں کا ذکر اوپر ہو چکا۔

راجہ رام نرائن متخلص بہ موزوں گورنر عظیم آباد پٹنہ کو جب نواب سراج الدولہ کی شہادت کی خبر ملی تو دیوانہ ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ ننگے پاؤں اور ننگے سر محل سے نکل پڑا۔ عوام بھی سڑکوں اور گلیوں میں اس کے پیچھے ہو لئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تعزیتی جلوس نکلا ہو۔ رام نرائن موزوں روتا جاتا تھا اور اپنا یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانا مر گیا آخر تو ویرانے پہ کیا گزری

نواب بدیع الزماں ساکن بیر بھوم کو جب یہ دلدوز خبر ملی تو اسی وقت فقیرانہ لباس پہن کر تارک الدنیا ہو گیا اور جاگیر اپنے بیٹے اسد الزماں خان کے حوالے کر کے جنگل کو نکل گیا۔

میر جعفر کے بیٹے نے والدہ سراج الدولہ شہید امینہ بیگم اور خالہ گھسیٹی بیگم کو ڈھاکہ میں دریا میں غرق کرا دیا۔ بھائی مرزا مہدی اکرام الدولہ کو مرشد آباد میں قتل کروایا۔ سراج الدولہ شہید کی نانی اشرف النساء بیگم زوجہ علی وردی خان کو کلائیو کے حکم سے ڈھاکہ کی قید سے نجات ملی اور اس نے اپنی بقیہ زندگی مرشد آباد میں گزار دی۔

شاہ عظیم آبادی کے پوتے نقی احمد ارشاد ''کاروانِ رفتہ'' میں تحریر کرتے ہیں: ''قصہ مختصر یہ ہے کہ جنگ پلاسی ۲۳ جون ۱۷۵۷ء اور گرفتاری و قتل سراج الدولہ، میر جعفر اور اس کے سفاک بیٹے صادق علی خان عرف میرن نے باقیات الصالحات علی وردی خان کو گرفتار کر کے دسمبر ۱۷۵۸ء میں جہانگیر آباد (ڈھاکہ) بحیثیت قیدی بھیج دیا۔ وہاں ان لوگوں کی خورد و نوش کے لئے چھ سو روپیہ ماہانہ ملتا تھا۔ وہ بھی مہینوں بند رہتا تھا اور فقر و فاقہ کی نوبت آ جاتی تھی۔ ایسی حالت سات سالوں تک رہی۔ ان قیدیوں میں لطف النساء اور اس کی چار سالہ بیٹی امت الزہرا بھی تھی جو سراج الدولہ کی بیٹی از لطف النساء تھی۔''

نقشہ خاندان نواب سراج الدولہ شہید
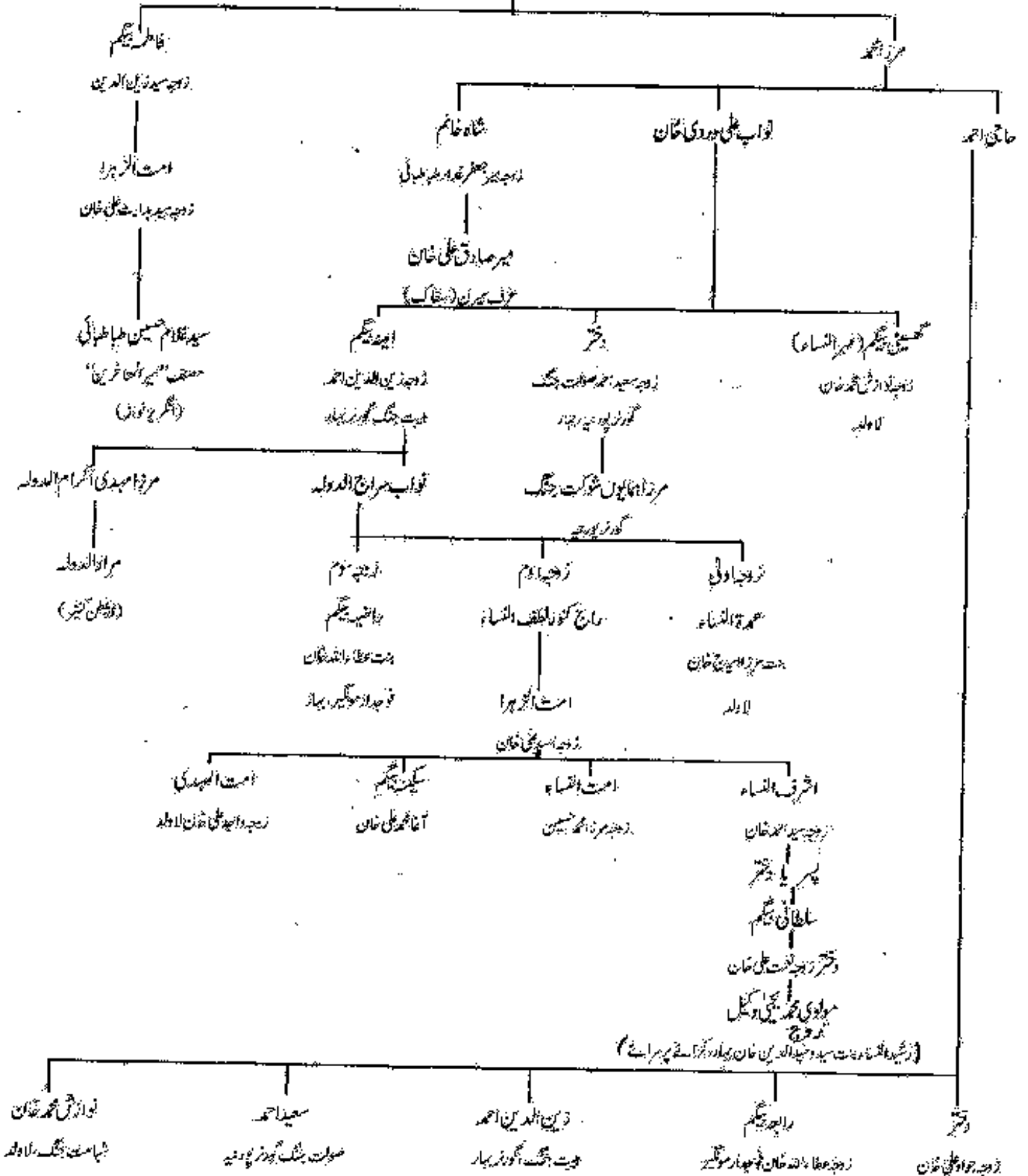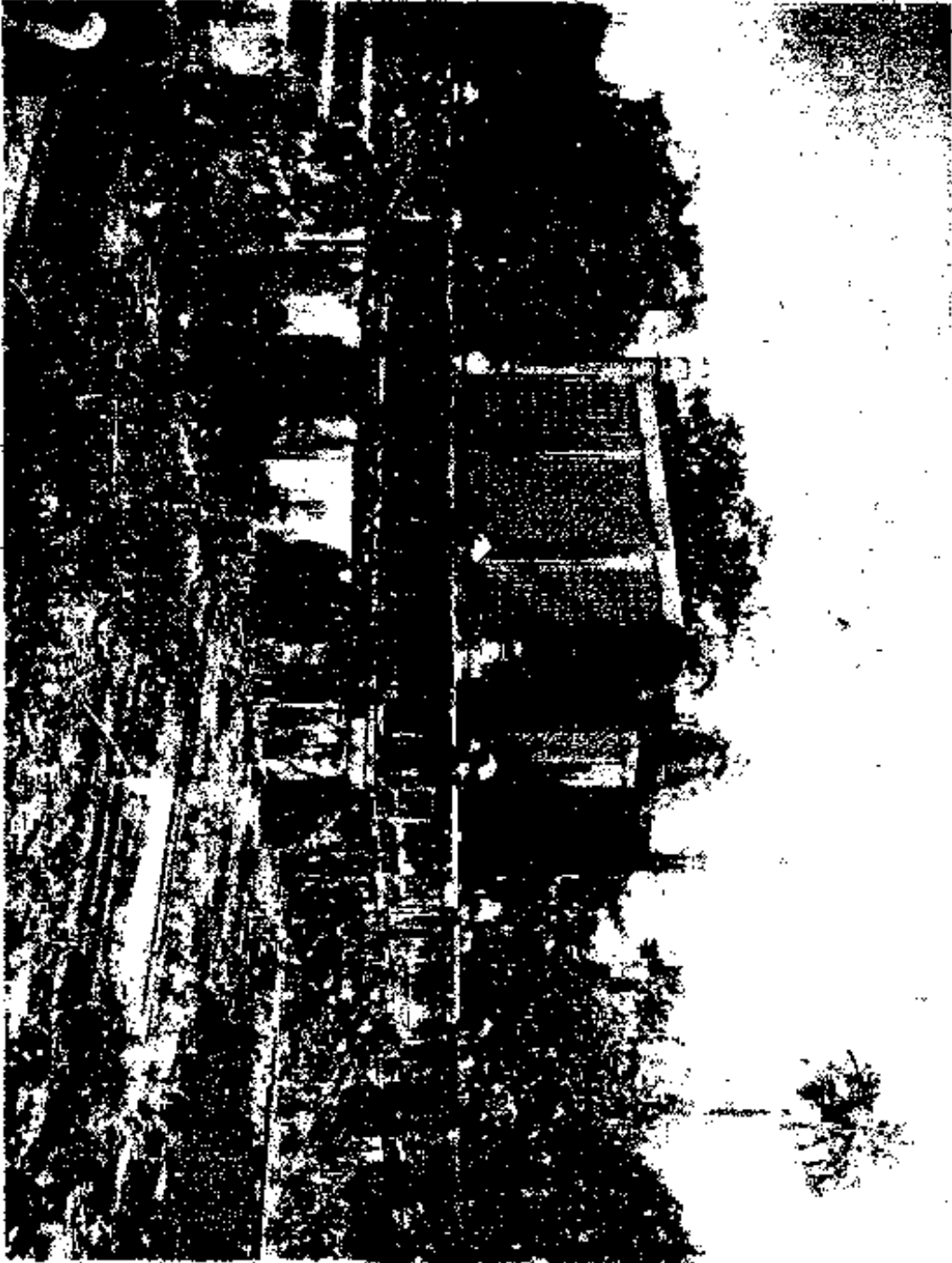
Plate XVIII

Tomb of Nawab Haibat Jung, Governor of Bihar (d. 1748)

Patna City.

نواب سراج الدولہ کے باپ اور گورنر صوبہ بہار ہیبت جنگ کا مقبرہ ۔ پٹنہ

میران بیگہ ٹکاری میں سادات قادریہ

صوبہ بہار میں حضرت سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی قدس سرہ العزیز کے ورثاء کی بکثرت شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اکثر خاندان مختلف دیہاتوں اور قصبوں میں آباد ہیں جن کے پاس نسب ناموں کے قدیم مخطوطے موجود ہیں۔ ضلع گیا میں ایک بڑی پرانی بستی بنام میران بیگہ ٹکاری ہے۔ اس بستی میں جو خاندان سیدوں کا آباد ہے۔ وہ اپنے کو سادات قادریہ کہتا ہے۔ ان کے ازدواجی تعلقات صوبہ بہار کے دوسرے سادات گھرانوں میں زمانہ دراز سے چلے آتے ہیں۔ خاندان قادریہ موضع میران بیگہ ٹکاری میں جو نسب نامہ نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا ہے۔ اس میں اوپر کے بزرگوں کے نام کے ساتھ "میران" کا لفظ تواتر سے استعمال ہوا ہے۔ جو غالباً لقب، خطاب یا کسی عہدہ کی مناسبت سے معلوم ہوتا ہے۔ راقم الحروف سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کا ننہیالی تعلق سادات کھربیا کے ذریعہ سادات موضع میران بیگہ ٹکاری سے بھی ملتا ہے۔

سادات قادریہ موضع میران بیگہ کے نسب نامے کی ایک نقل جناب سید ہادی حسن رضوی مرحوم کی بیاض سے آپ کے صاحبزادے جناب سید صدر الحسن رضوی مدظلہ کے معرفت راقم کو حاصل ہوا ہے۔ ہادی حسن مرحوم کا نسبی تعلق کھربیا کے سادات رضویہ سے ہے۔ جن کا مادری سلسلہ میران بیگہ کے سادات قادریہ سے ملتا ہے۔ بیاض میں کسی بزرگ کے حالات زندگی تحریر نہیں صرف نسب نامہ ہے اور اتنا پتہ چلتا ہے کہ اہل میران بیگہ حضرت شاہ میران سید راجی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں جن کا روضہ اقدس (بیرکواہ کوہ۔ کرہ مانک پور واقع است) مانک پور علاقہ الہ آباد میں ہے۔ کوشش بسیار کے باوجود میران بیگہ کے کسی بزرگ کے تفصیلی حالات حاصل نہ ہوسکے۔ بہرحال قرابت اور نسبی تعلق کا تقاضہ ہے کہ میری کتاب اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کے ذکر سے خالی نہ رہ جائے۔ اس لئے نسب نامہ اور ورثاء کی تفصیل نظر قارئین کررہا ہوں۔

حضرت شاہ میران سید راجی قادری مانکپوری قدس سرہ کا نسب نامہ درج ذیل ہے:

سید راجی مانکپوری بن میران سید محمد قادری بغدادی بن سید کریم اللہ قادری بن سید عبدالرزاق قادری بن سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بن ابی صالح جیلانی بن سید موسیٰ جنگی دوست بن سید عبداللہ بن سید محمد مورث بن سید داؤد بن سید یحییٰ زاہد بن سید موسیٰ بن سید عبداللہ ثانی بن سید ابوموسیٰ الجون سبز رنگ بن سید عبداللہ محض بن امام حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن بن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

امید کرتا ہوں کہ اس خاندان قادریہ کی آئندہ نسل میں کوئی شخص تحقیق وجستجو کرکے بزرگوں کے حالات زندگی مرتب کرنے کی کوشش کرے گا۔

شاہ میران سید راجی قادری مانکپوری رحمۃ اللہ علیہ

- میران سید شاہ احمد
  - سید قطب عالم عرف میران بھیکہ
    - میران سید گیسو دراز
      - میران سید شاہ علی اول (سیف زماں عرف سید صاحب)
        - میران سید شاہ محمد ثانی
          - میران سید شاہ اعظم
          - میران سید شاہ عالم
            - میران سید عرب
              - میران سید اشرف
                - سید غلام غوث
                  - سید امیر اللہ
                    - سید دربان علی
                      - سید محبوب علی
                        - سید داؤد علی عرف بھگو
                    - سید کرامت علی
                      - سید عالم علی
                    - سید قادر علی
                      - لاولد
                    - بی بی ابو داری، زوجہ سید صابر علی فرید پوری
                      - قاضی سید مبارک علی
                  - سید عیوض
                    - لاولد
              - میران سید افضل
                - لاولد
            - میران سید علی ثانی
            - میران سید الحق
              - سید سعید
            - میران سید شاکر
              - لاولد
            - میران سید محمد
          - میران سید شاہ بھیک ثانی، پسر (میران شاہ سید)
          - میران شاہ کلاں
          - بی بی ملیحہ، زوجہ سید شاہ حبیب رضوی ساکن موضع کھریا
            - سید بدر الدین
              - دختر زوجہ سید عبد الشکور کھریا
                - سید غریب محمد عرف چھجا
                  - سید محمد معشوق
                    - سید غلام صمدانی
                      - سید میر علی
                        - ناظر سید تفضل حسین
                          - حاجی سید تجمل حسین
                            - حافظ سید نذر الرحمان حفیظ
                              - عزیز النساء
                                - صالحہ خاتون
                                  - راقم سید قیام الدین
                                    - فاطمہ زہرا
                                    - حافظ سید محمود احمد
                                    - سیدہ عزیزہ ...
                                    - ...
                                    - ... بیگم
  - سید ابراہیم

میران سید علی ثانی بن میران سید شاہ عالم
سید امام الدین
سید نظام الدین
سید علیم الدین
عرف بھوڑی
سید شرف الدین
لاولد
سید اعظم علی
سید غلام سرور
میران سید شاہ محمد
سید شاہ عالم
پسر
(نام نامعلوم عرف کمالے میاں)
سید مدد علی
سید صفدر بخش
سید رحمان بخش
سید علی حسن
سید واعظ الدین
سید امام الدین
سید الطاف حسین
بی بی خستہ
زوجہ سید نادر علی
بن سید چراغ علی کمرانی
دختر
دختر
دختر
دختر
سید دلاور حسین
زوجہ محمودہ بنت چراغ علی کمرانی
سید افضل الدین
سید کرامت حسین
سید محمد امیر
سید غلام اکبر
زوجہ صغرا بنت شاہ محمد اکرم
سید محمد عثمان
سید عاقل
لاولد
ڈپٹی فضل حق
بی بی ولی النساء
زوجہ سید منظور الحق
عاصمہ
صابرہ
نعیمہ
زوجہ ڈاکٹر محمود علی ہاشمی
بن ذکی النساء
سید حفیظ الرحمان
ہیڈ ماسٹر رعیت اللہ ہائی اسکول
ڈھاکہ
سید محمد سلیمان
زوجہ منیر الفاطمہ بنت سید عبداللہ
بن سید وارث علی ساکن فیض آباد
ابو اللیث
ابونصر
دختر
زوجہ صبیح احمد رضوی
رفیع گنج گیا
سید عزیز احمد مرحوم
آصفہ خاتون مرحومہ
لاولد

میراں سید شاہ محمد بن سید علیم الدین عرف بھوڑی

سید احمد علی — سید داؤد علی

سید احمد علی
سید شرف حسین
سید فیاض الدین

سید ضیاء الدین — سید سراج الدین — سید ریاض الدین — سید محی الدین

سید ضیاء الدین
زوج مسماۃ حمیدہ بنت سید آل حسن
کھریپا، ساکن کوپا

ظفر الدین — مظفر الدین — اصغر الدین — شکیل اختر — کفیل اختر — جبین — عشرت — طلعت — صولت

جبین زوجہ فضل رب بن عزیز ارب ساکن کرولی

حمید الدین
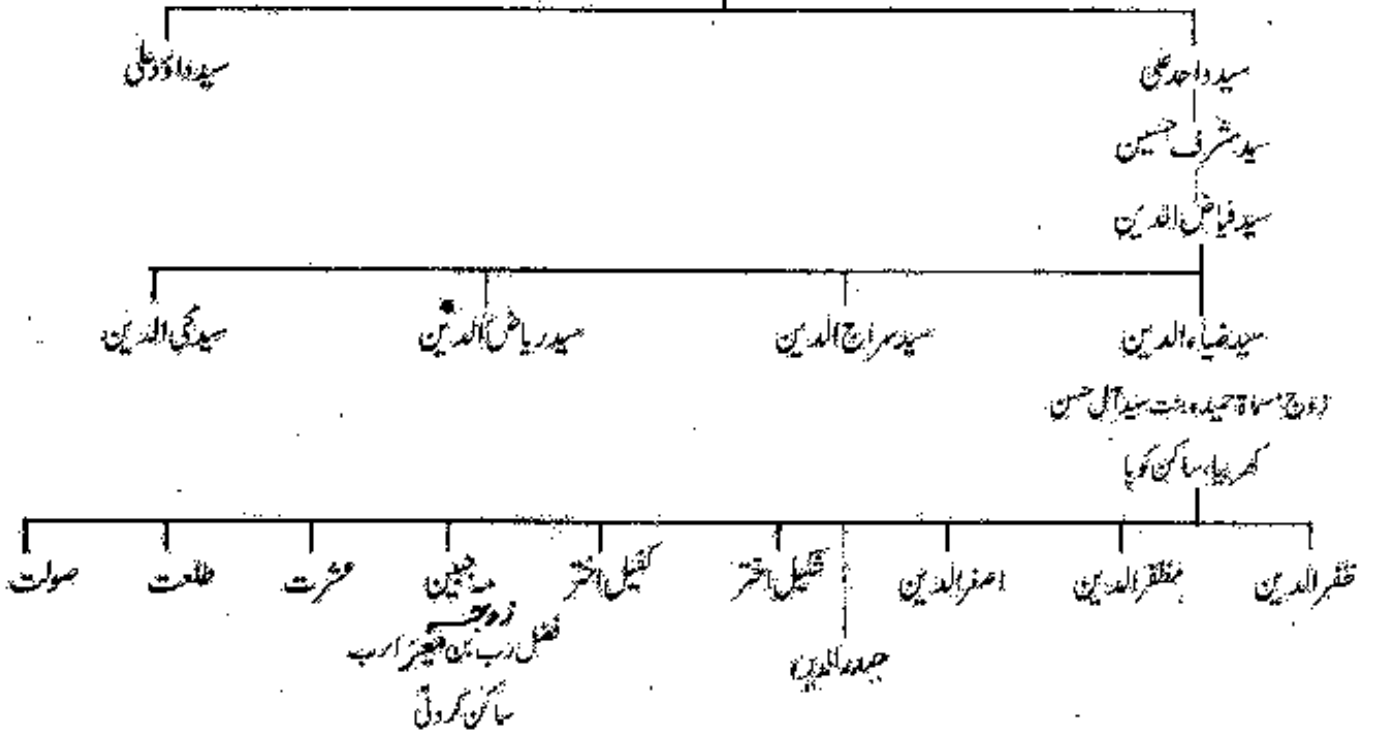
سید رحمان بخش بن سید صفدر بخش

فضیلت حسین — علی حسین — اکرام الحق — مظفر حسین — ذوالفقار حسین — انیس فاطمہ — کنیز فاطمہ — فصیح الفاطمہ

علی حسین: رسالت رسول — وجاہت رسول

ذوالفقار حسین
زوج مسماۃ بی بنت
سید نادر علی بن سید چراغ علی
کھرانی

سید ناظر علی — سید مظہر الحق

سید ناظر علی
لطافت حسین

سید مظہر الحق
عبد الباری

خاندان و اولاد سید منظور الحق خویش سید افضل الدین (میراں بیگہ ٹکاری)

سید واجد علی بن امام بخش عرف سید فتح علی بن سید بدیع الزماں عرف پدر میاں بن سید نجم الدین عرف نجیب الدین بن سید غلام احمد بن سید عبداللطیف بن سید شمس الدین بن سید شاہ سکندر بن سید شاہ سلطان بن سید شاہ بھیکھ بن سید شاہ حسین بن سید شاہ بدیع الدین بن سید حسام الدین عرف شاہ گھوڑن بن سید امام الدین (ساکن سوفیرہ پاپاسی ضلع گیا) بن سید ابو محمد بہارتی بن سید عبداللہ عرف سجاد اکبر بن سید وحید الدین رضوی چلہ کش مشہدی (زوج بی بی بارکہ بنت مخدوم قوی الدین بن مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری)

نقشہ اولاد سید منظور الحق

- حفیظ الرحمان، استاد مؤلف (سید قیام الدین)
  - عرفان احمد، زوج شاہدہ ہاشمی
  - ارشاد احمد، زوج بلقیس حسن
  - نزہت، زوجہ خورشید ہاشمی
  - نگہت، زوجہ ہمایوں حسن
- ضیاء الحق
  - احمد ہاشمی
  - ارشد ہاشمی
  - مسماۃ تسنیم
  - مسماۃ منور
  - مسماۃ زرین
- محمود الحق
  - قمر ہاشمی
  - طارق ہاشمی
  - شاہدہ ہاشمی
  - راشد ہاشمی
- مجتبیٰ احمد
  - خالد مجتبیٰ
  - شارق مجتبیٰ
  - آفاق مجتبیٰ
- مسماۃ حنیفہ
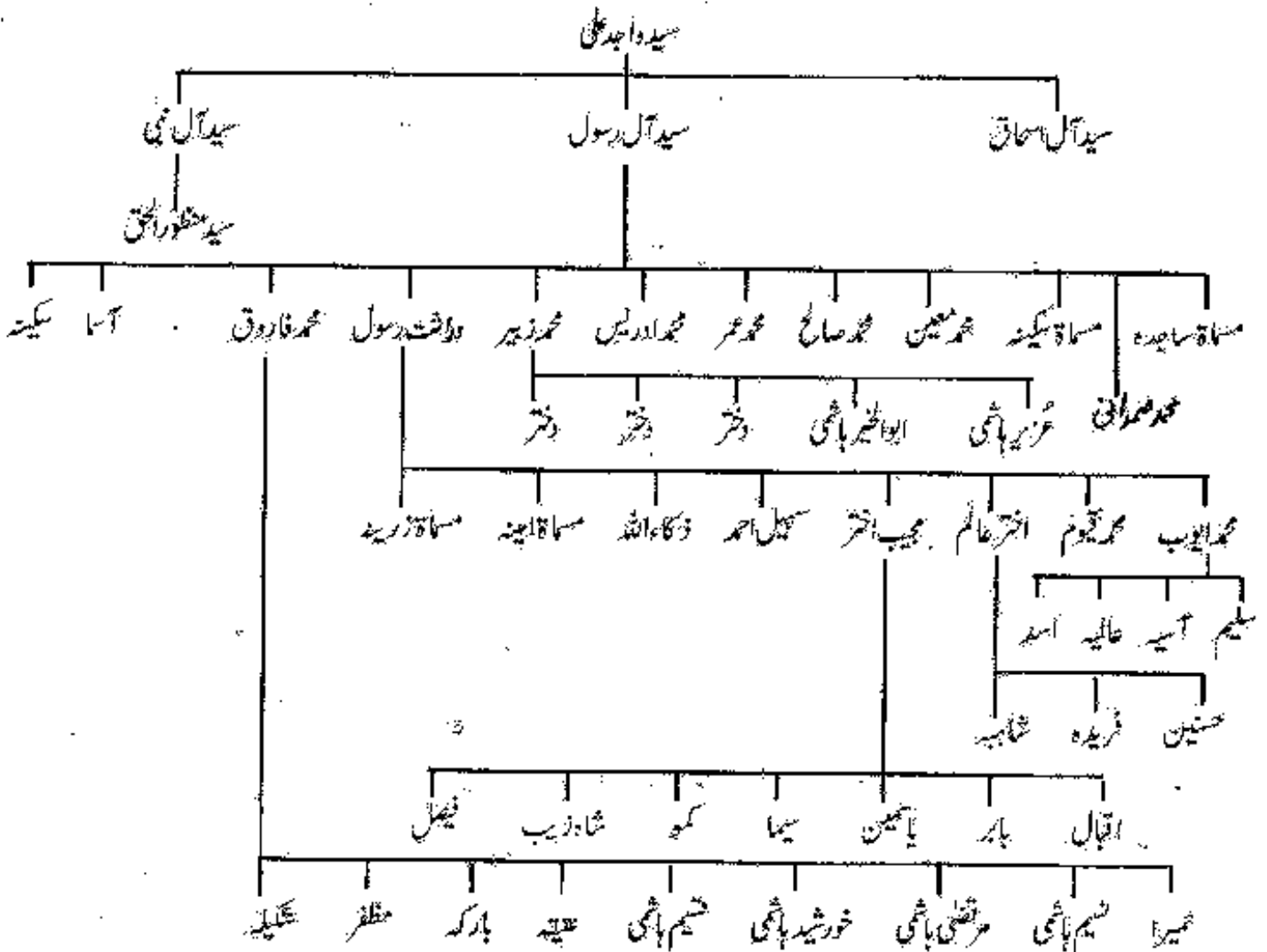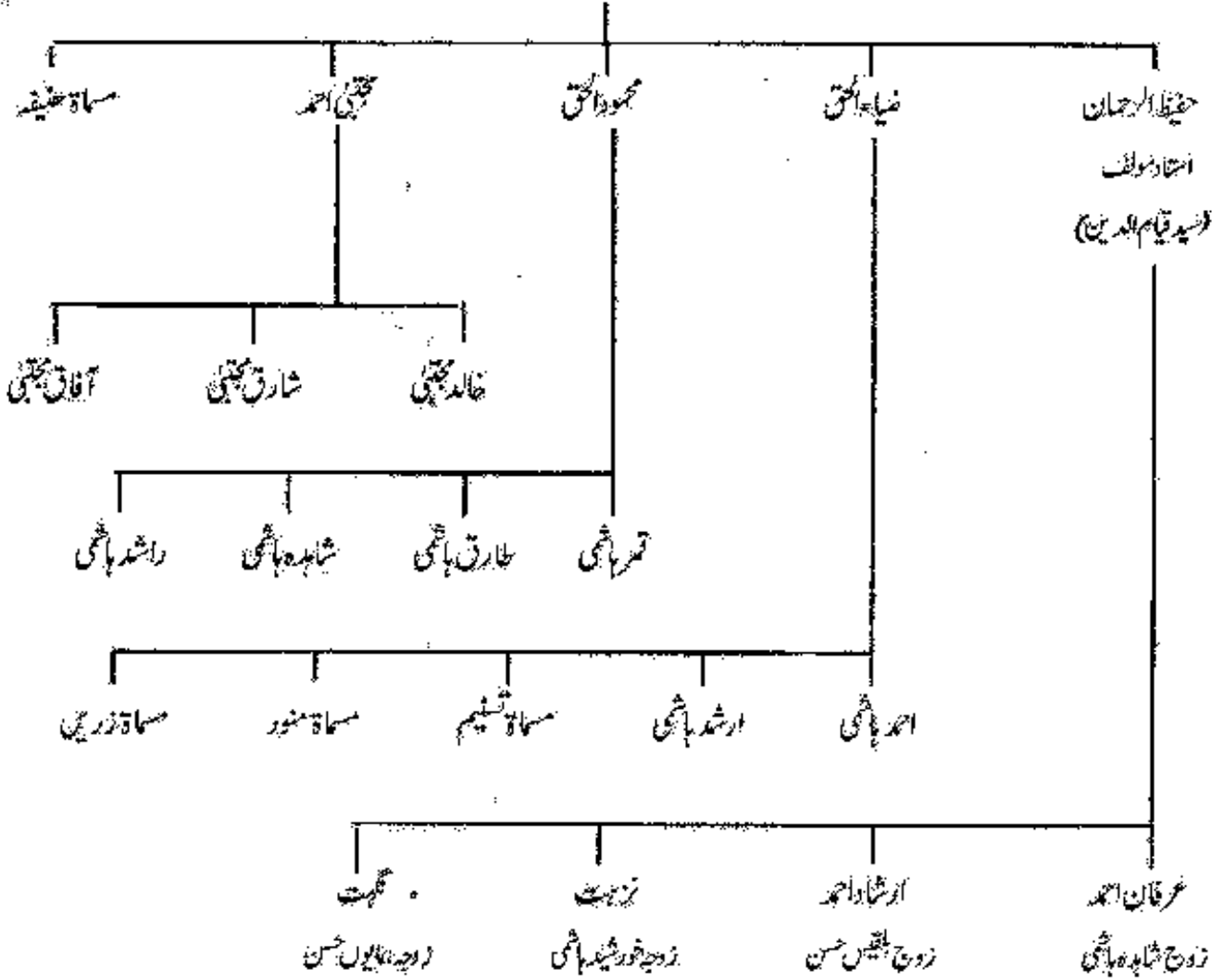
موضع سنگہرا میں سادات قادریہ

میں نے اپنی کتاب "شرفا کی نگری" حصہ اول میں موضع دتیانہ ضلع پٹنہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ موضع دتیانہ جیسا کہ میں نے تحریر کیا ہے اگلے زمانہ میں مسلمانوں کی بہت بڑی بستی تھی۔ جہاں تمام سلاسل کی روحانی خانقاہیں موجود تھیں۔ اس بستی کی اب وہ سابقہ حیثیت باقی نہیں ہے۔ اب یہ بستی مسلمانوں سے بالکل خالی ہو چکی ہے۔ موضع دتیانہ سے ایک بزرگ حضرت سید نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ نقل مکانی کر کے اپنی سسرال موضع سنگہرا کوپا ضلع پٹنہ میں آباد ہو گئے تھے۔ آپ اپنے خاندانی سلسلہ قادریہ کے مجاز بزرگ تھے۔ آپ کے تفصیلی حالات راقم کو کہیں سے دستیاب نہ ہو سکے۔ آپ کے خاندان کے ایک فرد جناب سید عبد الودود صاحب ہیں جو اس راقم کے دور کے رشتہ کے ماموں ہوتے ہیں۔ جناب سید عبد الودود صاحب سے میرے تعلقات زمانہ دراز سے برادرانہ چلے آتے ہیں اور میں ماموں کے بجائے ودود بھائی اور ان کی اہلیہ کو بھابھی کہتا ہوں۔ جب میں ۱۹۹۷ء میں ہندوستان گیا تو شاہ کی اِلی پٹنہ سٹی میں ان کے مکان پر ملنے گیا تو وہ ان کی اہلیہ اور بچوں نے ضد کر کے مجھے تین چار دنوں اپنے یہاں مہمان رکھا۔ اس دوران وہ مجھے اپنے چچا حاجی سید غلام مصطفیٰ قادری مدظلہ سے ملانے کے لئے لے گئے جو پٹنہ سٹی کے محلہ مغلپورہ میں مقیم ہیں۔ جب حاجی صاحب کو اس بات کا علم ہوا کہ میں "شرفا کی نگری" کا مصنف ہوں تو انہوں نے بغیر طلب اپنی بیاض قلمی میرے حوالے کر دی۔ اس بیاض میں سادات قادریہ موضع دتیانہ مقیم موضع سنگہرا کے مکمل نسب نامے کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھا۔ میں نے بعد میں حاجی صاحب کے بیاض کا مکمل مطالعہ کیا جس میں میرے کام کی چیز نسب نامہ اہل سنگہرا تھا۔ میں نے نسب نامے کی فوٹو کاپی کرا کر بیاض جناب سید عبد الودود صاحب کو دے دی۔ اس لئے کہ یہ ان کی خاندانی چیز تھی اور وہ اس کی حفاظت مجھ سے بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ حاجی سید غلام مصطفیٰ صاحب مدظلہ نے حضرت سید نظام الدین قادری دتیانوی مقیم موضع سنگہرا کا جو نسب نامہ تحریر کیا ہے، وہ درج ذیل ہے۔

سید تیم اللہ بن سید صبغۃ اللہ بن سید عباداللہ بن سید شکر اللہ بن سید عتیق اللہ عرف......... بن سید معشوق اللہ بن سید عزیز اللہ بن سید حمیت اللہ بن حضرت سید نظام الدین قادری بن سید نور الدین بن سید شاہ انوار الدین بن سید شاہ الہداد بن (سید محمد) بن سید شاہ معین الدین بن سید کمال الدین (و برادر او سید محمد) بن سید اکمل بن سید اصغر بن سید اکبر بن سید جمال الدین بن سید کمال الدین بن سید شاہ کرم اللہ بن حضرت سید شاہ عبد الرزاق بن حضرت سیدنا محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

موضع رہی اور موضع سنگہرا کے تمام افراد حضرت میر سید نظام الدین قادری کی اولاد و احفاد سے ہیں۔ سادات موضع کوپا اور موضع چپا وال کی اصل بھی موضع دتیانہ ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ سید تیم اللہ بن سید نظام الدین قادری موضع سنگہرا میں سے کسی کی اولاد ہوں۔ راقم نے اپنا قیاس ظاہر کر دیا ہے۔ تحقیق و جستجو کی راہیں کھلی ہیں اور محققین کے لئے ایک راہ متعین ہو گئی ہے۔

نقشہ اولاد حضرت سید نظام الدین قادری دتیانوی
سید جمعیت اللہ
سید عزیز اللہ
سید معشوق اللہ
سید عتیق اللہ
سید شکر اللہ
سید عباد اللہ
سید صبغۃ اللہ
سید نعیم اللہ
میر سید فضل اللہ عرف چھکو
میر سید ولی اللہ
مسماۃ معصومہ زوجہ حاجی ہدایت علی (لاولد)
میر سید جواد علی (منسوب موضع کراتی)
میر سید اظہر حسین عرف چیدن
میر سید فدا حسین عرف میدن
مسماۃ مجیدن زوجہ مولوی جسیم الدین ساکن دتی
مسماۃ امیرن منسوب موضع فتح پور
میر سید پیغمبر بخش
میر سید نبی بخش زوج دختر نصیر الدین آرہ
میر سید شرف الدین
سید عبدالغنی
سید محمد حنیف
عبدالرحمان
نامعلوم
نصرت
زوجہ عبدالستار لاولد
حفیظہ
زوجہ فخر الدین
محفوظہ
زوجہ عبدالحق
از
محل
اولیٰ
از
محل
سید بدر الدین
سید عبدالقدوس
سید عبدالقیوم
منسوب موضع گوپا
زہرا
زوجہ شمس الضحیٰ
سرکی چک، آرہ
غلام حسین
مقیم کراچی
محسن
کلکتہ
محی
شہید
مشرقی پاکستان
رفیق النساء
رحیم النساء
سید عبدالودود
رضی الدین
صدر الدین

سید عبدالقیوم بن میر سید شرف الدین ساکن سنگھرا
مصنوب موضع کوپا
کمال الدین
ساکن پھلواری کاروبار ہوٹل
محمد شفیع
ساکن پھلواری
محمد شعیب
فاطمہ خاتون
مبینہ خاتون
راشدہ خاتون
شاہدہ خاتون
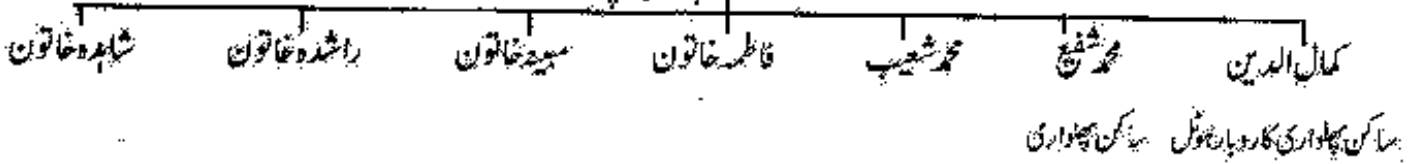
سید بدر الدین بن میر سید شرف الدین ساکن سنگھرا
رضی الدین
صدر الدین
مسماۃ قیصر
مسماۃ یاسمین
مسماۃ شاہینہ
لڈن
کاکو
حافظ شاہد
کاکو
حافظ محمد قمر
کاکو
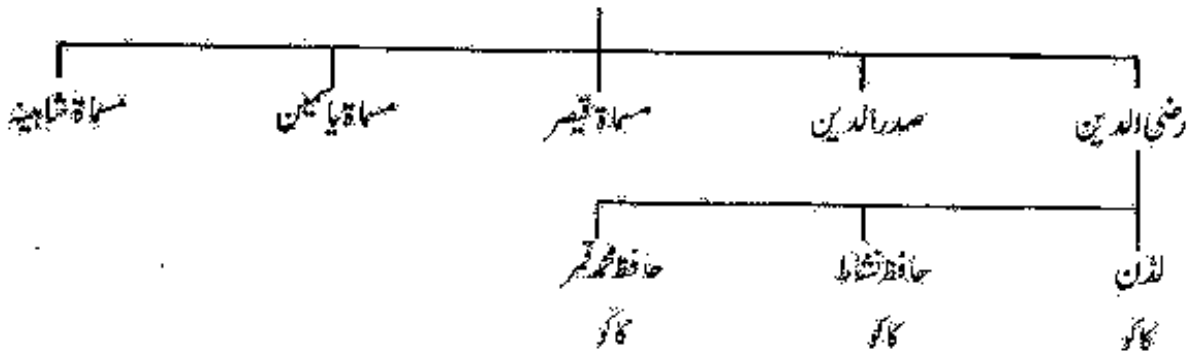
سید عبدالقدوس بن میر سید شرف الدین ساکن سنگھرا
سید عبدالودود
سید محمد افضل
سید محمد جمال
مسماۃ کہکشاں تبسم
زوجہ شکیل احمد بن مطیع الرحمان
موضع ہنور یہ ضلع دربھنگا
قمر الزمان عرف ثاقب
ریشماں خاتون
زوجہ محمد ضیاء الدین بن محمد شفیع
موضع چکیہ ضلع آرہ
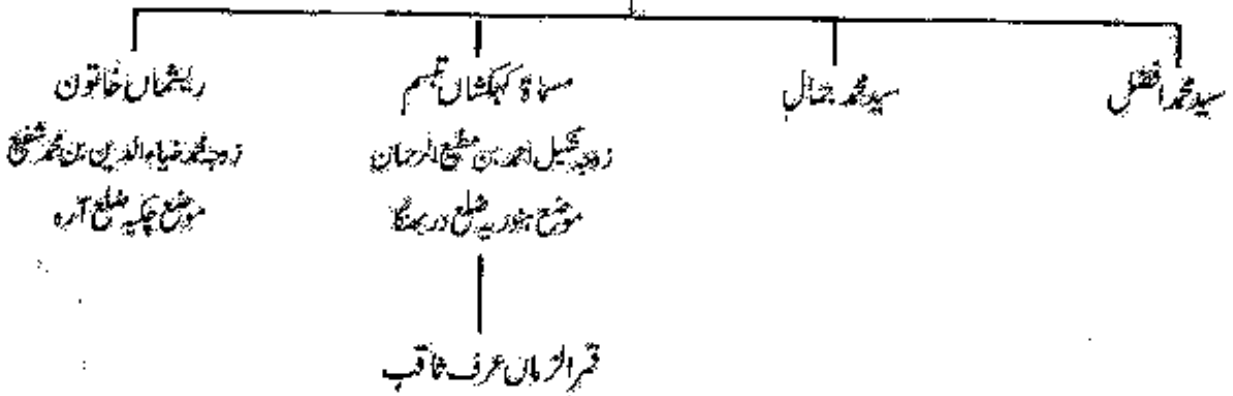
سید محمد حنیف بن میر سید نبی بخش موضع سنگھرا
مسماۃ اصغری
لاولد
مسماۃ زیتون
لاولد
منت رسول
اشرف الحق
پسر
مسماۃ وحیدہ
لاولد
حاجی سید غلام مصطفیٰ
لاولد
مسماۃ سکینہ
زوجہ عبدالحق ساکن سنگھرا
حسینہ
زوجہ اویس (پھلواری)
الیاس
سید محمد یوسف
سید محمد قیصر
مسماۃ روشن آرا
ساکن پٹنہ سٹی
مسماۃ جہاں آرا
زوجہ سید عمیر اعظم ساکن گوپا
مسماۃ منی
منسوب پھلواری
مسماۃ تبسم
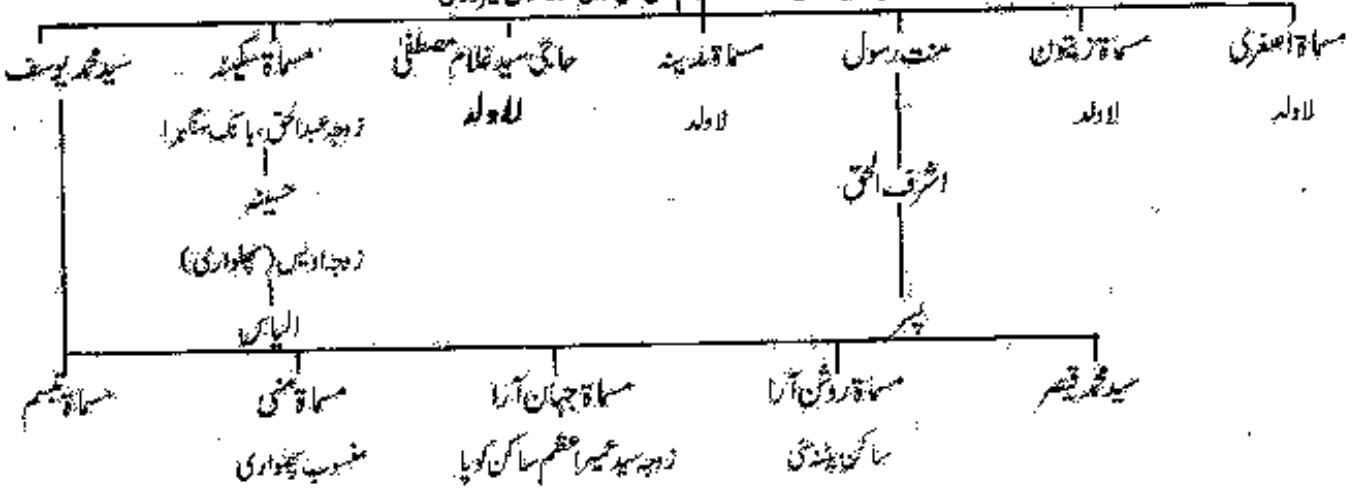
سید محمد حنیف از محل ثانی
سید محمد شریف
دختر (لاولد)
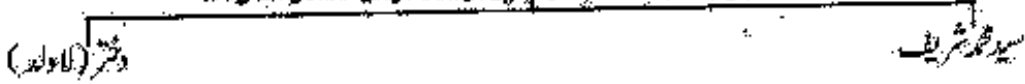
سید محمد حنیف از محل ثالث
مسماۃ حسینہ بنت نصیر الدین بن شاہ کبیر الدین بن شاہ میاں جان ساکن چاند پورہ، بہار
سید محمد لطیف
سید محمد رفیق
سید سلطان اختر
دختر

میر سید جواد علی قادری ساکن موضع سنگھرا
منسوب ہمشیرہ بنت یوسف عرف ڈومن موضع کرالی
مسماۃ امیرن
منسوب فتح پور
مسماۃ مجیدن
زوجہ مولوی جسیم الدین موضع رعی
میر سید فدا حسین
(عرف منہدن)
میر سید اظہر حسین
(عرف چیدن)
مسماۃ روشن
منسوب موضع ازدول
مولوی سرور الحق
مولوی نور الحق
زوجین
مسماۃ برساتن
مسماۃ نجم النساء
زوجہ زین الدین
موضع اپھرول
سید پیر بخش
سید شرف الدین
سید عبد القدوس
سید عبد الودود
مولوی اکرام الحق
مسماۃ زینن
زوجہ سید ظہیر الدین ساکن
موضع چپاڑان
لاولد
مولوی ریاض الحق
زوجہ صالحہ خاتون بنت
میر سید امیر الدین باورنگپوری
مولوی عین الحق
منظور الحق
نہال الدین
منیر الدین
اسرائیل
سراج الدین
میمونہ
زوجہ شاہد حسین
سید اظہار الحق
زوجین
نقیب النساء
عرف بی بی کھالہ
لاولد
ڈپٹی انعام الحق
معصومہ
حفصہ
زوجہ نسیم الحق
عرف دوگاہی
موضع برتھو
زبیدہ
زوجہ شمس الحق
تاج الدین
ثانی
محل
محل
احتشام الحق
ناہید خاتون
عرف نی
مسعود الحق
غلام الحق گاما
زوجہ الشمائل بنت
ضمیر الدین عرف چاموسنگھرا
فرزانہ خاتون
زوجہ اقبال جیلانی
بلقیس خاتون
زوجہ عبداللہ
ابراہیم پور
بدر النساء
حسام الحق
قیام الحق
نوشین
درخشاں
زوجہ شہنواز اعظم
حسان اعظم

سراج الدین بن مسماۃ نجم النساء ساکن سنگھرا
صلاح الدین
سیف الدین
فیض الدین
انوار الدین
شمسہ
آسیہ
کاظمہ
غالب
تاثیر
تنویر
تفسیر
یٰسین
توقیر
ارفین
نازنین
ریحانہ زوجہ شاہ محمد اعظم
رخسانہ
سہیل
اقبال
نوشاد
آزاد
ارشاد
شہزاد
اسرائیل بن مسماۃ نجم النساء ساکن سنگھرا
معین الدین
مبین الدین
متین الدین
منیر الدین بن نجم النساء
ضمیر الدین
آسیہ
غوثیہ
رضیہ
ساجدہ
جمن
ضیاء الدین
ریاض الدین
چندہ خاتون
شاہانی خاتون
حفصہ زوجہ نسیم الحق عرف درگاہی
شمیم الحق
وسیم الحق
جمالہ خاتون
زوجہ شمیم الحق
اورنگ آباد
خورشیدہ خاتون
زوجہ صباح الدین اقبال
ساکن سنگھرہ
نفیسہ خاتون
زوجہ علاء الحق
ساکن سنگھرہ
احتشام الحق
شبیر الحق
حبیب الحق
شاہین فاطمہ
طلعت فاطمہ
ناہید فاطمہ
عالیہ فاطمہ
شگفتہ فاطمہ

بہار میں خاندان باقری

سید اظہر علی بن سید اشرف علی بن سید مبارک علی بن سید محمد اسحاق بن سید محمد یوسف بن سید عبد القدوس بن سید عبد الکریم بن سید محمد علی بن سید نجم الدین بن سید محمد یحییٰ بن سید محمد داؤد بن سید محمد ابراہیم بن سید محمد فرید بن سید عاشق علی بن سید عبد الرحمان بن سید عبد الرحیم مفتی بن سید محمد بن سید عبد القاسم بن سید محمد یوسف برقعہ پوش بن سید عثمان شیر سوار بن سید عبد الوہاب بن سید عثمان بن سید جنید بن سید محمد معروف بن سید احمد الٰہی یا سید احمد الٰہی بن سید شہاب الدین ہلال معرّی بن صوفی سید محمد صادق بن سید محمد نجم الدین بن سید شہاب الدین نور الانوار بن سید برکت اللہ بن سید حبیب اللہ بن سید عبد اللہ کتب الکریم بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ

نقشہ اولاد سید حبیب الرحمان ولد سید اظہر علی
کلثوم
زوجہ وصی امام
عبدالرحمان
زہرہ
زوجہ محمد حنیف
محمد ظہور الدین
وحیدہ
زوجہ عبدالقیوم بلخی
غلام محمد بدر الدین
محمودہ
زوجہ محمد الحسین
مصباح الدین بلخی
عرف مبین
سیدہ عرف بی بی
زوجہ شاہ محمود الرحمان کاکو
آفتاب
پرویز
قمر
شاہدہ
ناہید
شمس

اولاد لطیفن بنت اظہر علی
علیمن زوجہ نصیر
محمد عثمان
حفیظہ زوجہ
امین احمد فاروقی (رودہائی)
غفورہ زوجہ
قطب الحسین (رودہائی)
سبحانی زوجہ
نظام الدین (بجلاؤں)
رمضانی زوجہ
حکیم محمد شعیب پھلواروی
ابوالحیات فاروقی
مسعودہ زوجہ
شاہ عمیر (اردل)
صالحہ زوجہ
جمال الدین بلخی

اولاد وجیہ عطا علی بن اظہر علی
امۃ الفاطمہ
بنت الفاطمہ
چراغ علی
عبدالمجید
محمد مسیح
زہرہ

نقشہ اولاد وحید الفاطمہ بنت سید اظہر علی
مسماۃ قمرن
مسماۃ شمسہ
مسماۃ سائرہ
مرتضیٰ شبیر
مصطفیٰ شبیر
احسن شبیر
اصغر شبیر
حامد شبیر
مجتبیٰ شبیر
زوج مریم بنت
شرف الدین احمد
اطہر شبیر
اشرف شبیر
اظہر شبیر
آصف شبیر
اختر شبیر
اکبر شبیر
اعجاز شبیر
کراچی
اولاد مخدومن بنت سید اظہر علی
علیم الدین
منیر الدین
ظفیر الحق
آل صغیر
شرف الدین احمد
سعید الدین احمد
ثریا خاتون
شمیم احمد
وسیم احمد
یاسمین
اولاد آمنہ بنت سید اظہر علی
امت النساء زوجہ محبوب اشرف
محمود اشرف
لاولد
اولاد سید علی کریم عرف براتی بن سید اظہر علی
مسماۃ صالحہ زوجہ مجید الدین
ظفیر الحسن
ستار احمد

نقشہ اولاد عزیز الفاطمہ بنت سید اظہر علی
زوجہ نثار احمد ساکن غریق چک
عزیز الفاطمہ
میمونہ
زہرا
بشیر احمد
رشید احمد
رقیہ
شرف الدین احمد
حفصہ
عائشہ
انوار احمد
زوجہ علی اسلم
زوجہ کبیر احسن
زوجہ مظفر حسین
لاولد
مسعودہ
زوجہ ظہر انف حسین
زوجہ عبد الوصی
ستار احمد
مہینہ خاتون
علی اجمل
علی افضل
دختر
دختر
لاولد
سراج الحق
باندی
فخر الدین احمد
سلمیٰ
قمر الدین احمد
زوجہ اصغر شبیر
زوجہ غلام ربانی
ظفیر احمد
بنی فاطمہ
سائرہ خاتون
صفیر احمد
زوجہ عبد الجبار
زوجہ حبیب الرحمان
ہمایوں
شہناز خاتون
لطیف الرحمان
شان الرحمان
زوجہ ضیاء الحق
افشاں
طاہرہ
واصم
کاملہ خاتون
اقبال احمد
افسر خاتون
سرور خاتون
اعجاز احمد
ارشاد احمد
شبیر احمد
صغیر احمد
ساجدہ خاتون
منور الہدیٰ
راشدہ خاتون
شاہدہ خاتون
نجم الہدیٰ
لاولد
لاولد
زوجہ محمد رفیع
زوج عقیلہ بنت
عبد الغفور بلاسی
زوجہ آصف شبیر
لاولد
فرخندہ خاتون
اعظم شبیر
کامران منور
ریحان منور
قرۃ العین
شہیلا
عنبرین خاتون
ثمرین خاتون
شاداں منور
زوج افشاں
زوج اسماء
بنت ڈاکٹر انوار
زوجہ راشد نعمان
زوجہ سید رفیع احمد
حارث
ظفیرہ
حفصہ
انس نعمان
طحہ
وافق نعمان
جہانزیب

بی بی جمعہ بنت شیخ افضل امام ساکن خلیل آباد مستول
زوجہ میر اظہر علی بن میر کلب علی ساکن خلیل آباد مستول
میر یادگار حسین
از محل اولی کنیز فاطمہ بنت میر سعادت حسین کاکوی
از محل ثانی بی بی حسین بنت میر محمد حسین عرف سدو میاں، پالی
میر محمد حسین
عرف جسو
بی بی غفورن
لاولد
میر وجیہ الدین
عرف وجو
بی بی بدھ
عائشہ
زوجہ عبدالرشید کاکوی
وصی الدین
فاطمہ
آفتاب
زوج حمیرہ
از محل اولی
از محل دوم
از محل سوم بی بی مخدومن
آمنہ خاتون
زوجہ حافظ الحق
خاتون
زوجہ آل رسول
میر قمر الزماں
لاولد
میر احمد حسن
لاولد
سید کریم اللہ حسنی
زوج بی بی اصغری بنت سید ابوالخیر
بن سید الطاف حسین بن سید قمر حسین
سید اشرف حسنی
زوج شاہینہ
سید مشرف حسنی
زوج شہلا بنت شاہ نورالرحمان کاکوی
عاکف حسنی
عاطف حسنی
شبانہ
کاشف حسنی

تذکرہ موضع کاکو، ضلع گیا، سیوودھا و استھوآ

موضع کاکو ضلع گیا میں ایک قدیم بستی ہے۔ اس بستی میں سادات کے علاوہ شیوخ اور ملک برادری سے تعلق رکھنے والے افراد بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہاں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری فردوسی قدس سرہ العزیز کی خالہ حضرت بی بی کمال بنت حضرت سید شہاب الدین پیر جگجوت سہروردی کاشغری کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ سید شاہ غفور الرحمان حمد کاکوی مرحوم اپنی کتاب "آثار کاکو" میں لکھتے ہیں:

"پچھم جانب لب تالاب حضرت بی بی کمال کا روضہ پر انوار واقع ہے۔ بڑی پر فضا جگہ ہے۔ اور دور دور سے حاضرین و زائرین آ کر اپنی مرادیں پاتے اور مریض شفایاب ہوتے ہیں .... فیروز شاہ تغلق بہار شریف جاتے ہوئے کاکو سے گزرا تھا۔ یہ واقعہ ۷۵۹ھ کا ہے۔ جس مقام پر حضرت بی بی کمال کا خام مزار تھا۔ وہیں پر اس کا پڑاؤ ہوا .... بستی والوں سے بادشاہ کو یہ اطلاع ملی کہ یہاں پر حضرت مخدوم شرف الدین منیری ثم بہاری کی حقیقی خالہ آسودۂ خاک ہیں۔ بادشاہ نے از راہ عقیدت حکم نامہ صادر کیا کہ آپ کا روضہ پختہ بنادیا جائے۔ بالآخر بہار کے گورنر یا حاکم نے ۷۶۰ھ م ۱۳۵۹ء میں ایک عالی شان روضہ بنوادیا۔ اسی (روضہ کے) حلقے میں اندرونی پھاٹک کے پاس حضرت مخدوم شرف الدین منیری قدس سرہ کا چلہ ہے .... وہیں پر لوگ بہار شریف کی طرف رخ کر کے فاتحہ پڑھتے ہیں ...... ہندی ماہ بھادوں کے آخری جمعرات کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔"

حضرت بی بی کمال قدس سرہا، ان کے شوہر حضرت سلیمان لنگر زمین کاکوی بن حضرت شیخ عبدالعزیز بن حضرت امام محمد تاج فقیہ کی وجہ سے موضع کاکو کی بڑی شہرت ہے۔ یہاں کئی مقتدر اور بااثر گھرانے آباد ہیں جن میں جناب سید شرف الدین عرف ابرار صاحب مرحوم، جناب سید شاہ عطاء الرحمان عطا کاکوی مرحوم اور حکیم شاہ گرامی کا گھرانہ بہت مشہور تھا۔

جناب سید شرف الدین عرف ابرار صاحب مرحوم اس بستی کے سب سے بڑے زمین دار شمار کئے جاتے تھے۔ ان کا وطن اصلی تو موضع کوپا ضلع پٹنہ تھا۔ لیکن زمینداری کے سلسلہ میں کاکو میں مستقلاً مقیم ہو گئے تھے۔ راقم کے والد حضرت سید شاہ نظام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کی پھوپھی اسی خاندان کے جناب میر سید یوسف حسین عرف میر منگنی موضع کوپا کی اہلیہ اولیٰ تھیں جنہوں نے لاولد وصال فرمایا۔

جناب سید شاہ عطاء الرحمان عطا کاکوی مرحوم کا خاندان اردو علم و ادب کے سلسلہ میں صوبہ اور بیرون صوبہ کافی شہرت رکھتا ہے۔ پورے خاندان میں اردو شاعری کا ذوق عام ہے۔ عطا کاکوی مرحوم کے حقیقی چچا سید شاہ عبد الرحمان ابد کاکوی مرحوم راقم کے پرنانا حضرت مولانا حافظ سید شاہ نذر الرحمان رضوی قادری متخلص بہ حفیظ عظیم آبادی کے شاگرد تھے۔ عطا کاکوی مرحوم کے صاحبزادے پروفیسر سید شاہ رشید الرحمان ارشد کاکوی بڑے ابھرتے ہوئے شاعر اور عندلیب شادانی مرحوم کے چہیتے شاگرد تھے۔ راقم کو ارشد کاکوی مرحوم سے ننھیالی رشتہ داری کے علاوہ شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ افسوس آپ نے عین جوانی میں پٹنہ میں انتقال فرمایا۔ عطا کاکوی مرحوم کے بھتیجے

خال محترم سید شاہ محمود الرحمان پرویز کاکوی مدظلہ ماہر تعلیم، شاعر اور ادیب ہیں۔ صدارتی ایوارڈ یافتہ ہیں۔ ادبی دنیا میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ اس وقت علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں ڈائریکٹر ہیں۔

عطا کاکوی مرحوم کا خاندان موضع سیودھا میں مقیم تھا۔ بعد میں موضع کاکو میں آباد ہوا۔ بقول صاحب تذکرہ "آثار کاکو" یہ خاندان ملک عرب سے نکل کر اور دیگر مقامات میں پھرتا پھراتا صوبہ بہار پہنچا اور بالآخر موضع برانواں متصل ہلول (نزد موضع اورنگپور جو راقم سید قیام الدین کا آبائی وطن ہے) ضلع پٹنہ میں قیام پذیر ہوا۔ پھر موضع سیودھا جو وہاں سے سات کوس پر واقع ہے سکونت پذیر ہوا.........
موضع سیودھا ایک دیہات ہے ترنگنا اور پن پن (ریلوے) اسٹیشن کے درمیان دردھا ندی کے کنارے واقع ہے۔ اس کا پرگنہ سانڈھا اور ضلع پٹنہ ہے۔"

راقم کے خاندان کی ایک خاتون، دختر میر سید خورشید علی اورنگپوری میر سید امیر علی ساکن استھوا سے منسوب تھیں۔ میر سید امیر علی کے پرپوتے سید شفیع الرحمان مقیم کراچی جو راقم کے بھتیجے ہیں کا کہنا ہے کہ ان کا خاندان بھی اصل رہنے والا موضع سیودھا کا تھا۔ بسلسلہ ازدواج موضع استھوا میں آبسا۔

راقم سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی کو سوائے حکیم شاہ گرامی مرحوم کے کاکو کے کسی خاندان کا مکمل نسب نامہ حاصل نہ ہوسکا ہے۔ اس لئے جہاں تک میرے علم میں ہے ان صفحات پر نقل کر دیا ہے۔ صاحب "آثار کاکو" کے مطابق حکیم شاہ گرامی مرحوم کا مکمل نسب نامہ درج ذیل ہے:

حکیم سید شاہ گرامی بن سید شاہ نظامی بن سید شاہ غزالی بن سید شاہ محمد علی عرف بھتن بن سید شاہ مردان علی بن سید شاہ محمد شاہ بن سید شاہ محمد درویش کاکوی بن سید شاہ محمد اولیاء (خالص پوری) بن سید شاہ عبدالغفار بن سید شاہ عبدالفتاح سلمانی بن سید بڑے بن سید حبیب الدین بن سید عبدالعزیز بن سید عبدالحمید بن سید سراج الدین بن سید معز الدین بن سید محمد ہروی بن سید حسن حاجی الحرمین الشریفین ہروی (منسوب بہ ہرات، افغانستان) بن سید ابوالحسن بن سید محمد رضا بن سید محمد یحییٰ صوفی بن سید محمد سفیان بن سید محمد رضا بن سید محمد بن سید اسماعیل بن سید محمد جعفر بن سید محمد تقی بن سید محمد نقی بن حضرت امام علی موسیٰ رضا بن حضرت امام موسیٰ کاظم بن حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسین شہید کربلا بن حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔

اس شجرے میں کل ۳۵ پشتیں درج ہیں جبکہ کم از کم ۴۲ پشتیں ہونی چاہئیں۔ راقم کا خیال ہے کہ درمیان میں تقریباً سات نام چھوٹ گئے ہیں۔

کاکو کے ایک مقتدر صوفی بزرگ حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی قدس سرہ کا تذکرہ کتاب ہذا کے اوراق میں موجود ہے۔

نقشہ اولاد سید محمد شاہ کاکوی

زوج دختر سید شاہ حبیب اللہ رضوی کاکوی، سیدو حویلی

سید غلام حسین — لاولد

سید ملنا وارث علی — مرید و خلیفہ حضرت آیت اللہ جوہری پھلواروی — اولاد نہ معلوم

سید مردان علی

سید محمد علی عرف بھکھن — مرید و خلیفہ سید ملنا وارث علی

سید عبد الواحد — مرید و خلیفہ سید ملنا وارث علی

از محل اولی: حکیم سید امیر اکبر (حکیم پلہ)

از محل ثانی: سید زکریا — دختر — شاہ محمود

از محل سوم: سید غزالی (زوج دختر شاہ سجاد دانا پوری) — سید نظامی — سید عبد الرحمان عرف حکیم گرامی

زاہد، عابد، ساجد، دُرِ شہوار، مجاہد، راشد، زریں جمال، طاہر

از محل اولی: حکیم سید اشفاق

از محل دوم دختر شاہ سجاد دانا پوری: حکیم سید زبیر حسن، سید نظیر حسین تسنیم ہلسوی (شاگرد داغ دہلوی)

عبد الوکیل، ابو سعید، عبد السلام، خلیل احمد، شریف احمد

خلیل احمد: زوج قمرن بنت عبد الرشید بکھوروی — مقیم شیخ پورہ مونگیر

سروری، شکیل، عشرت (زوجہ خواجہ ولی امام عرف مہدی مرحوم)، ثمر، شہناز، فرحت، عقیل، پروین

ابو سعید — از محل اولی: اختر عالم، معینہ خاتون، محبوب عالم

از محل ثانی: مسرور عالم، تسنیم فاطمہ، فہیم فاطمہ، تنظیم فاطمہ، نظیر عالم، نور قطب عالم، نسرین

نقشۂ خاندان (سیودھا۔ کھیری بازید پور۔ کھربیّا)
سید فیروز
سید عبدالحیٔ
سید عبدالرحمان سیودھوی (مقیم موضع کاکو)
سید محمد زوی
(نامعلوم)
سید عطی اللہ
سید امان اللہ
(نامعلوم)
سید مجیب اللہ
لاولد
سید محمد اسحاق
نامعلوم
سید حبیب اللہ ۔ زوجین ۔ دختر
دیوان رفیع الدین بلخی فردوسی
ساکن کھیری بازید پور
دختر
زوجہ ثانی عزیز اللہ بلخی
دختر ۔ زوجین ۔ سید غلام معشوق رضوی
ساکن موضع کھربیّا
سید عبدالشکور رضوی
ساکن کھربیّا
سید غریب محمد رضوی
دختر ۔ زوجین ۔ سید غلام مخدوم رضوی
سید غلام صمدانی رضوی
سید میر علی رضوی (ساکن موضع کھربیّا)
سید کلیم اللہ دھوسن
سید اہل اللہ کاملِ
دختر
زوجہ سید شاہ محمد شاہ کاکوی
دختر
دختر
دختر
سید تیم اللہ
سید امداد حسین
سید تبارک حسین
دختر
دختر
زوجہ میر حسین بخش
ناظر سید تفضل حسین
دختر ۔ زوجین ۔ سید امداد حسین
سید محمد حسین
سید تجمل حسین نالاں
حافظ سید نذر الرحمان حفیظ
بی بی عزیز النساء
بی بی صالحہ خاتون
راقم سید قیام الدین نظامی
فاطمہ
عون احمد
فرخ احمد
ندیم احمد
تبسم
شہیر قادری
امامہ
مروا
معاذ
سعد
نائرہ

نقشہ خاندان و اولاد سید عطا الرحمان عطا کاکوی

نقشہ اولادِ بی بی حفیظہ بنت سید شاہ غلام حسین داناپوری رح
زوجہ شاہ شراب الحق موذوی
شاہ محمد قاسم
محمد افضل
شاہ محمد واجد
شاہ محمد سجاد رح
دختر
از محل ثانی دختر سید عبدالرحمان عظیم آبادی
اولی
محل
الی
دختر
دختر
محمد امین
محمد وزیر
دختر
دختر
شاہ محمد اکبر رح
شاہ محمد محسن رح
شاہ ظفر سجاد داناپوری رح
دختر
جدہ حکیم گرامی
کراچی
محمد صغیر
محمد ظہیر
محمد کبیر
مولف "تذکرۃ الکرام"
محمد یامین
محمد معین
محمد یٰسین
محمد حسین
محمد تحسین
دختر
لاولد
لاولد
حکیم بدرالدین
مظہر اللہ
محمد مظاہر
محیب اللہ
دختر
دختر
دختر
کمال الدین
سراج الدین
شہاب الدین
شمس الدین
محمد قائم
یٰسین
کلیم داناپوری
دختر
دختر
دختر
دختر
سید نظام الدین
پروفیسر طلحہ
غلام شرف الدین
محمد دائم
ثانی
محل
عز
اولی
محل
از
دختر
دختر
دختر
غلام حسین
غفور احمد
خیرات احسن
زوجہ سید مظفر حسین بن
سید ظہور الحسن رمز کسمری
ثانی
محل
بنز
پھلواروی
از محل اولی دختر علامہ محی الدین تمنا عمادی مجیبی
خورشید جہاں
پرجیں فاطمہ
بلقیس
اسرائیل
المظفر
خالدہ
حفصہ
اسماعیل
اطہر

کتابیات

اسماء الکتب	مصنف	مطبوعہ / غیر مطبوعہ
غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد (عربی)	مولانا شمس الحق محدث ڈیانوی	مطبوعہ بھارت
تاریخ ابن خلدون	علامہ عبدالرحمان ابن خلدون	مطبوعہ پاکستان
راحت القلوب	مخدوم جہاں شیخ شرف الدین منیری	مطبوعہ بھارت
تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر سیوطی	مطبوعہ پاکستان
مناقب الاصفیاء (فارسی)	مخدوم شاہ شعیب فردوسی	مطبوعہ بھارت
تذکرۃ الاولیاء	شیخ فریدالدین عطار	مطبوعہ پاکستان
سفینۃ الاولیاء	داراشکوہ	مطبوعہ پاکستان
قسطاس البلاغۃ	کلیات حضرت مولانا محمد سعید حسرت	مطبوعہ بھارت
تذکرۃ الکرام	مولانا محمد کبیر ابوالعلاء دانا پوری	مطبوعہ پاکستان
شرح نہج البلاغہ	ترجمہ سید رئیس احمد جعفری	مطبوعہ پاکستان
وسیلۂ شرف و ذریعۂ دولت	سید فرزند علی صوفی منیری	مطبوعہ بھارت
تذکرۃ الابرار	سید شاہ محمد واجد قادری ابوالعلائی منعمی	مطبوعہ بھارت
حدیقۂ تحقیق مشرب منعمان	منشی سید وحیدالدین خان بہادر	مطبوعہ بھارت
معیار الحق	سید نذیر حسین محدث بہاری دہلوی	مطبوعہ پاکستان
مصابیح ارشاد (اردو ترجمہ مناقب الاصفیاء)	شاہ ابوصالح محمد یونس منعمی	مطبوعہ بھارت
تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ	مطبوعہ پاکستان
خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور لاہوری ترجمہ ظہیرالدین بھٹی	مطبوعہ پاکستان
مخزن الانساب (فارسی)	مولوی سید کریم الدین منیر دادی بہاری	مطبوعہ بھارت
تذکرۃ السادات (فارسی)	شیخ احمد اکبر آبادی	مطبوعہ بھارت
کنز الانساب (فارسی)	شاہ عطاء حسین داناپوری	مطبوعہ بھارت
سیر المتاخرین	غلام حسین طباطبائی	مطبوعہ بھارت
سیرۃ النعمان	علامہ شبلی نعمانی	مطبوعہ پاکستان

تذکرہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ	صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرق پوری	مطبوعہ پاکستان
حیات امام مالک	علامہ سید سلیمان ندوی	مطبوعہ پاکستان
مسلم شعرائے بہار	حکیم سید احمد اللہ ندوی	مطبوعہ پاکستان
تحقیق الاقوام	سید شاہ افضل حسین اصدقی شیرپوری	مطبوعہ بھارت
جادۂ عرفاں	ڈاکٹر سید محمد طیب ابدالی	مطبوعہ بھارت
اذکار الابرار	مولانا شاہ محمد تقی حیدر کاکوروی	مطبوعہ بھارت
اعیان وطن	مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی	مطبوعہ بھارت
تجلیات انوار (مخطوطہ)	مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب پھلواروی	مملوکہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف
تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت	ڈاکٹر محمد ایوب قادری	مطبوعہ پاکستان
علمائے ہند کا شاندار ماضی	سید محمد میاں دہلوی	مطبوعہ پاکستان
یادگار وطن	علامہ ظہیر احسن شوق نیموی	مطبوعہ بھارت
رد السکین	علامہ ظہیر احسن شوق نیموی	مطبوعہ بھارت
الحیاۃ بعد المماۃ	مولانا فضل حسین مظفرپوری	مطبوعہ پاکستان
تذکرۂ صادقہ	مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ	مطبوعہ بھارت
تذکرۃ الصالحین	مولوی حبیب اللہ مختار	مطبوعہ بھارت/پاکستان
انوار الاولیاء	مولوی حبیب اللہ مختار	مطبوعہ پاکستان
آثار کاکو	شاہ غفور الرحمان حمد کاکوی	مطبوعہ بھارت
مراۃ الکونین	غلام نبی فردوسی	مطبوعہ بھارت
تذکرہ صوفیائے بنگال	اعجاز الحق قدوسی	مطبوعہ پاکستان
تذکرہ علمائے ہند	مولوی رحمان علی	مطبوعہ پاکستان
گلزار صوفیاء	عالم فقری	مطبوعہ پاکستان
تاریخ حسن (فارسی)	سید جواد حسین گیاوی	مطبوعہ بھارت
تواریخ عجیب عرف کالا پانی	مولانا محمد جعفر تھانیسری	مطبوعہ پاکستان
سرگزشت مجاہدین	غلام رسول مہر	مطبوعہ پاکستان
مراۃ الحکماء	سید امداد امام اثر	مطبوعہ پاکستان
برید فرنگ (مجموعہ خطوط)	علامہ سید سلیمان ندوی	مطبوعہ پاکستان
خطبات مدراس	علامہ سید سلیمان ندوی	مطبوعہ پاکستان

محدث ڈیانوی	محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی	قلمی پاکستان
کاروان رفتہ	نقی احمد ارشاد	مطبوعہ بھارت
تذکرہ خواجہ سید فخر الدین حسین سخن دہلوی آزردی	ڈاکٹر محمد سمیع الحق	مطبوعہ بھارت
جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	خورشید مصطفےٰ رضوی	مطبوعہ پاکستان
علامہ شوق نیموی حیات و خدمات	ڈاکٹر محمد عتیق الرحمان	مطبوعہ بھارت
حقیقت بھی کہانی بھی	سید بدر الدین ایڈووکیٹ	مطبوعہ بھارت
اورنگ سلیمان	آفاق احمد	مطبوعہ پاکستان
علامہ سید سلیمان ندوی کی سیاسی خدمات	پروفیسر سید فخر الحسن	مطبوعہ پاکستان
تاریخ نجد و حجاز	مفتی محمد عبد القیوم قادری	مطبوعہ پاکستان
دیوان ولیؔ	ڈاکٹر سید ظفر الحسن (بانی ہیمل لائبریری)	مطبوعہ پاکستان
کلام یکتا	مجموعہ کلام شاہ محمد فرید الدین یکتا	مطبوعہ پاکستان
تاریخ دعوت و جہاد	عبید اللہ فہد فلاحی	مطبوعہ پاکستان
بزم ابو العلاء	محمد عبد النعیم انجم ظفری ابو العلائی اکبر آبادی	مطبوعہ پاکستان
سراج الدولہ	صاحبزادہ محمد عمر	مطبوعہ جمو بھارت
تقلید کی شرعی حیثیت	مولانا محمد تقی عثمانی	مطبوعہ پاکستان
سلسلہ اشرف الانساب	سید ابو ہریرہ ہاشمی	مطبوعہ پاکستان
اشراف عرب	سید نجم الحسن	مطبوعہ پاکستان
سادات چاٹگیری	سید عبد القیوم چو اردی	مطبوعہ پاکستان
تذکرہ سادات دہلوک وسنہ	سید نجم الہادی دیسنوی	مطبوعہ بھارت
یادگار قلندر	ڈاکٹر محمد عارف مجاہد	مطبوعہ بھارت
انساب جعفری زینبی (کتابچہ)	سید احسید علی انجم	مطبوعہ پاکستان
مقالات سید حسن عسکری	پروفیسر سید محمد حسنین	مطبوعہ بھارت
مرزا محمد ندوی	پروفیسر سید محمد حسنین	مطبوعہ بھارت
اسلام مشرق میں	مولانا وحید احمد	مطبوعہ پاکستان
تاریخ بہار مجموعہ مقالات	انتخاب سید اثر ماہنامہ ندیم گیا خدا بخش لائبریری پٹنہ	مطبوعہ بھارت
انوار صوفیہ	احمد جنید القادری	مطبوعہ پاکستان
ہمارے ہندوستانی مسلمان	ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین	مطبوعہ پاکستان

سیرۃ النبی ﷺ	علامہ سید سلیمان ندوی	مطبوعہ پاکستان
رحمت عالم ﷺ	علامہ سید سلیمان ندوی	مطبوعہ پاکستان
یاد رفتگاں	علامہ سید سلیمان ندوی	مطبوعہ پاکستان
انوار روایت	سید شاہ عبد القادر اندرانی	مطبوعہ بھارت
حیات فریاد	شاد عظیم آبادی	مطبوعہ بھارت
ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک	مولانا مسعود عالم ندوی	مطبوعہ پاکستان
جب ایمان کی بہار آئی	مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	مطبوعہ پاکستان
امارت شرعیہ دینی جدو جہد کا روشن باب	مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی	مطبوعہ بھارت
حیات مولانا گیلانی	مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی	مطبوعہ پاکستان
النبی الخاتم ﷺ	مولانا مناظر احسن گیلانی	مطبوعہ پاکستان
الفاروق	علامہ شبلی نعمانی	مطبوعہ پاکستان
آثار منیر	علامہ سید شاہ مراد اللہ منیری	مطبوعہ بھارت
مشائخ نقشبندیہ ابوالعلائیہ	خواجہ سید شاہ محمد مومن نقشبندی ابوالعلائی	مطبوعہ بھارت
تاریخ اسلام	مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی	مطبوعہ پاکستان
تذکرۃ الانساب	سید عالم حسین	مطبوعہ پاکستان
یادگار گوہری	مولانا محمد زبیر صدیقی ڈیانوی	مطبوعہ بھارت
حقیقت شاعری (مثنوی)	مسٹر نصیر الدین نصیر عظیم آبادی	مطبوعہ لندن
تذکرہ سلیمانی	مولانا غلام محمد	مطبوعہ پاکستان
یادگار روزگار (تذکرہ کاملان پٹنہ)	سید بدر الحسن	مطبوعہ بھارت
اشکوں کے پھول	مجموعہ کلام مولوی غلام حسنین ناجی فاروقی	مطبوعہ پاکستان
دیوان سرمد گیاوی	مجموعہ کلام سرمد گیاوی	مطبوعہ بھارت
سوج کوثر	شیخ محمد اکرام	مطبوعہ پاکستان
حیات شبیر شاہ	[illegible]	مطبوعہ بھارت
تاریخ کے گمشدہ اوراق	[illegible]	مطبوعہ پاکستان
نقوش شجرف	سید صدر الحسن رضوی	مطبوعہ پاکستان
کتاب الانساب	عبد الودود عثمانی	مطبوعہ بھارت
تذکرہ علمائے بہار	مولانا ابو الکلام قاسمی شمسی	مطبوعہ بھارت

The Comprehensive History of Bihar	Dr.Syed Hasan Askari & Dr.Qeyamuddin Ahmed	مطبوعہ بھارت
شجرہ نسب (بیاض قلمی)	مرتبہ: سید ابو محمد عرف یتیم مرحوم	قلمی
شجرہ نسب (بیاض قلمی)	مرتبہ: سید احمد سجاد / سید حسن سجاد	قلمی
شجرہ نسب	مرتبہ: خواجہ سید عبد الماجد	قلمی
شجرہ نسب (کتابچہ قلمی)	مرتبہ: سید عبد الودود شاہ پھلوری	قلمی
شجرہ نسب (بیاض قلمی)	مرتبہ: سید مظفر امام بہاری	قلمی
شجرہ نسب	مرتبہ: مولانا ریاست علی ندوی	قلمی
شجرہ نسب (انگریزی)	مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر قیام الدین احمد	قلمی
شجرہ نسب (بیاض قلمی)	سید امام حیدر رضوی	قلمی

رسائل و جرائد:

ماہنامہ "حرم" گیا	بہار نمبر	مطبوعہ بھارت
ماہنامہ "رفاقت"	مختلف شمارے	مطبوعہ بھارت
سہ ماہی "بصائر" کراچی	ڈاکٹر سید معین الحق	مطبوعہ پاکستان
ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور		مطبوعہ پاکستان
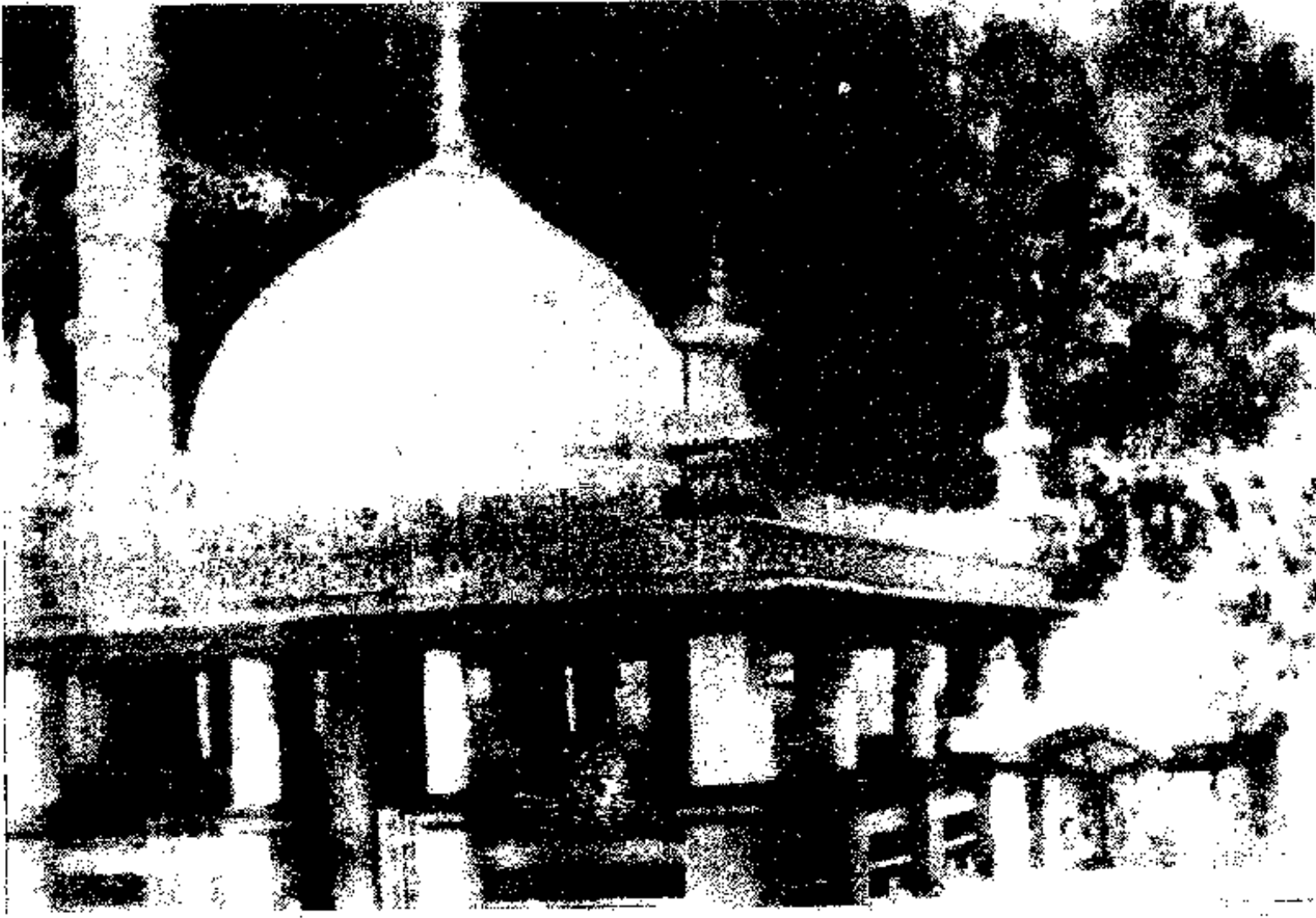
روضۂ اقدس حضرت مخدوم جہاں شرفا بہاری بہار شریف (بھارت)

انتخاب از مکتوبات

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

☆ "اے بھائی! اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس راہ پر دل ہی سے چلا جا سکتا ہے۔ اور دل کے لئے سعادت و شقاوت، مرض و صحت اور علاج و معالجہ ہے۔ جس کو دل کے اطباء ہی جانتے ہیں۔ وہ اطباء انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کے بعد علمائے آخرت ہیں جو پیغمبروں کے علم کے وارث ہیں۔ پیغمبری تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو چکی۔ لہٰذا میرے اور تمہارے لئے اور ہم جیسے دوسروں کے لئے ناچار سب سے زیادہ اہم مہم یہ ہے کہ کسی ایسے دوست کی کفش برداری کریں جو خدا کے دین کی راہ چلا ہو اور حقیقت کار کا بینا اور دل کی بیماریوں کا طبیب بھی ہو۔"

☆ "ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا خدا کی طرف جانے والی کتنی راہیں ہیں؟ فرمایا: "عالم میں جتنے ذرات ہیں ان میں کا ہر ایک ذرہ خدائے بزرگ و برتر کی جانب ایک راہ پیش کرتا ہے۔ لیکن سب سے قریب اور زیادہ فائدہ مند راستہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچایا جائے۔ ہم نے اسی کے ذریعے راستہ پایا اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی وصیت کرتے ہیں۔"

☆ "یہ تو معلوم ہے کہ شہید کا کیا مرتبہ ہے۔ سبحان اللہ اس کا یہ مقام ہے کہ وہ دوسروں کی شفاعت کرے گا اور لوگوں کے گناہ بخشوائے گا۔ لیکن اگر اس پر کسی مخلوق کا ذرہ برابر بھی کوئی حق باقی رہ گیا ہو تو اس کی وجہ سے اس کا معاملہ اٹک جائے گا۔ وہ اس وقت تک میدان حشر سے قدم باہر نہیں نکال سکے گا جب تک اس کو راضی نہ کرلے گا۔"